

ادبستان التعلیم

اکثر ذاکر حسین لائبریری
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

شعبہ _____

نمبر _____

34187 رداخلد

Cell No. _____

REC. NO. 71001

--	--	--



نور احمد اورت
ایم اے اے اے اے اے

پیشکش خیرین

تیکے

تربیل زرکاتہ

میرا منامہ الفرقان

پکھری روڈ

لکھنؤ

110 APR 1962

میشاق

خط و کتابت

اور

تربیل زرکاتہ

میرا منامہ میثاق

رحمان پورہ - اچھرہ

لاہور - ۱۲

جلد ۶ شوال سنہ ۱۳۸۱ شماری ۴

فہرست مضامین

۲ تذکرہ و تبصرہ — امین احسن اصلاحی — خالد مسعود صاحب

۵ تفسیر سورہ بقرہ — امین احسن اصلاحی

مطالعہ حدیث

۱۷ مثلہ معہ — مولانا عبدالغفار احسن صاحب — افادات فراہمی

۲۹ اصول تفسیر — خالد مسعود صاحب — اقتباسات و تراجم

۳۹ ہستاروں سے آگے جہاں اور رہی ہیں — مراسلہ و مذاکرہ

۴۳ قرآن کی روشنی میں ترقی کا مفہوم — امین احسن اصلاحی

۴۶ تقریظ و تنقید

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَذْکِرہ و تبصرہ

ہمارے ملک میں جو دستور نافذ کیا گیا ہے وہ جیسا کچھ بھی ہے اس اعتبار سے بہر حال خوش آئند ہے کہ اس نے قوم کے لیے مارشل لا سے نکلنے اور جمہوریت کی طرف بڑھنے کی ایک راہ کھولی۔ یہ راہ اگرچہ بہت کشادہ نہیں ہے ہم ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر غنیمت ہے۔ اگر کام کرنے والوں نے پچھلے تجربات سے فائدہ اٹھایا اور ذمہ داری کے صحیح احساس کے ساتھ کام کیا تو انشاء اللہ یہ دستور ایک میاں مین دستور کی تہیہ ثابت ہوگا۔

اس دستور کی کامیابی امدان نامی کا بہت کچھ انحصار بنیادی جمہوریتوں کے ارکان کی فہم و بصیرت امدان کے سیاسی کردار پر ہے۔ اگرچہ جس وقت ان کا انتخاب ہو اتنا یہ بات عوام کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھی کہ بالآخر یہی لوگ پارلیمنٹ امدان صوبائی اسمبلیوں کے نمائندوں کا انتخاب بھی کریں گے۔ لیکن صدر ریاست نے یہ بار امانت انہی پر ڈالنا موزوں خیال فرمایا۔ اب دیکھنا ہے کہ یہ لوگ اس امانت کے کس حد تک اپنی ثوابت جوتے ہیں اور صدر ریاست نے جو امیدیں ان سے باندھی ہیں وہ

کہاں تک پُوری ہوتی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ ان لوگوں نے اپنے دوڑوں کی صحیح قدر نہ پہچانی اور اس قسم کے فائدہ سے اُد پر نہ آ سکے جس قسم کے فائدہ سے اس دستور کے پیش کردہ نصب العین کے لحاظ سے اس ملک کی اسلامی و سیاسی ترقی کے لیے مطلوب ہیں تو اس سے صرف وہ نظام ہی نہیں متاثر ہوگا جو اس دستور کے تحت اس ملک میں قائم ہونے والا ہے بلکہ اس اعتماد کو بھی بڑا صدمہ پہنچے گا جو صدر ریاست نے بنیادی جمہوریتوں کے نظام پر قولاً و عملاً بار بار ظاہر فرمایا ہے۔ یہ امتحان بنیادی جمہوریتوں کے لیے بڑا ہی سخت ہے۔ خدا کرے وہ اس امتحان میں پُوری اُتر سکیں۔

ہم اس پہلو سے بھی اس دستور کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس میں اسلام کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے بلکہ قانون سازی کے معاملہ میں بھی اور تمدنی و تہذیبی دائروں میں بھی اس کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھنے کا عہد و اقرار کیا گیا ہے۔ اس باب خاص میں ہمارے نزدیک اصلی اہمیت دستور کے الفاظ کی نہیں بلکہ دستور کو چلانے والوں کے نیت و ارادہ کی ہے۔ اگر ان کے اندر یہ ارادہ موجود ہو کہ وہ پاکستان کو ایک صحیح قسم کی اسلامی ریاست بنائیں تو ان کی رہنمائی کے لیے وہ الفاظ کافی ہیں جو دستور میں رکھے گئے ہیں اور اگر خدا نخواستہ یہ ارادہ موجود نہ ہو تو یہ الفاظ تو درکنار واضح سے واضح اور قطعی سے قطعی الفاظ اور فقرہوں سے بھی اسلام کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ہمیں توقع یہی کرنی چاہیے کہ انشاء اللہ یہ الفاظ با معنی ثابت ہوں گے اور اس ملک کی ترقی اسلامی خطوط ہی پر ہوگی۔

دستور کا یہ پہلو تقاضا کرتا ہے کہ ووٹ دینے والے حضرات ووٹ دیتے وقت امیدواروں کے اسلامی ذہن و کردار پر ضرور نگاہ رکھیں۔ اگر اسلامی ذہن و کردار رکھنے والے لوگ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں نہ پہنچے تو دستور کے وہ الفاظ بالکل بے معنی اور بے اثر ہو کر رہ جائیں گے جو اسلام کے حق میں ہیں اور ان کو اس حقیقت پر بھی نگاہ رکھنی ہوگی کہ اسلامی ذہن و کردار صرف دعوے کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی شہادت دعویٰ کرنے والے کی عملی زندگی فراہم کرتی ہے۔ ووٹ مانگنے والوں میں سے تو شاید ہی کوئی شخص ایسا نیکے جو اس بات کا مدعی نہ ہو کہ اس نے ووٹ مانگنے کا یہ دعوہ صرف اسلام کے لیے اختیار کیا ہے لیکن ووٹ دینے والے اگر چاہیں گے تو اس کی زندگی کے پچھلے اوراق پر ایک نظر ڈال کر بتا سکیں کہ یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا۔

ہم نے اگرچہ اقامتِ دین کے اُس نصب العین کے لیے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے پیشِ نظر رہا ہے انتخابات کی راہ کو کبھی دقت نہیں دی ہے۔ اور اب بھی ہم پورے شرحِ صد کے ساتھ اپنی اسی رائے پر قائم ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری یہ رائے بھی ہے کہ اگر ہونے والے انتخابات میں اسلامی ذہن و فکر اور اسلامی کردار رکھنے والے قابل اور ذہین افراد کی ایک معتد بہ تعداد منتخب ہو کر مشیخِ امم میں نہ پہنچ سکی تو اس سے اسلام کے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ موزوں نامزدوں کا انتخاب اگر صحیح طریقہ پر سیاسی پارٹیاں ہی کر سکتی تھیں لیکن اس وقت جب کہ وہ موجود نہیں ہیں اس کے سوا چارہ نہیں کہ اسلامی فکر رکھنے والے قابل اور ذی اثر اشخاص خود اپنے مناسب حلقوں سے کھڑے ہوں۔ انشا اللہ ان کا یہ کام خدمتِ اسلام میں محسوب ہوگا۔

مشاورتی کونسل سے متعلق صدر ریاست کی خدمت میں ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ اس کے لیے ایسے اشخاص کا انتخاب فرمائیں جو اپنی دینی بصیرت کے لحاظ سے ممتاز بھی ہوں اور جن کے فکر و نظر پر عامہ مسلمین کو اعتماد بھی ہو۔

ہماری قوم کے نئے اور پرانے دونوں گروہوں میں متوازن ذہن و فکر کے اربابِ بصیرت موجود ہیں۔ اگر ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا تو شاید اس خلیجِ اختلاف کو ناپاٹا جاسکے جو اسلام سے متعلق ہیں متحد دین اور علماء کے درمیان حاکی ہے۔ اگر خدا نخواستہ کسی پہلو سے ان لوگوں کی جو صداقت و وفائی دنیٰ جو اسلام کو ایک باریجۂ اطفال بنائے ہوئے ہیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ یہ خلیجِ مٹانے سے وسیع تر ہو جاتی جائے گی اور نہیں معلوم کہ آئندہ یہ کس انجام پر منتہی ہو۔ ہم اس سے پہلے بھی اس اختلاف کی سنگینی پر ان صفحات میں لکھ چکے ہیں اور اب اس موقع پر بھی اس کی رونق دہلا کر دہری سبھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ سرروضات لائقِ اعتنا بھی جائیں گی۔

(۲)

اے مایہ کا ایک اہم واقعہ فرائض اور الجہزہ کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ ہونا ہے۔ اس معاہدہ کی رو جنگ ختم ہو گئی ہے۔ جو یک نومبر ۱۹۵۷ء کو شریعتِ برائی تھی ان جس کے نتیجے میں تقریباً (بقیہ بر صفحہ ۵)

تدبرِ قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورہ بقرہ

(۲۴)

فَاَعْفُوا وَاصْفُوا احْسَنَ يَاقِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِہٖ..... قَدْ یُجِبُ اَعْفُو کے ایک معنی تودل سے معاف کر دینے کے ہیں اور دوسرے معنی کسی کو نظر انداز کر دینے کے بھی ہیں مثلاً یُبْتِیْنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتَابِ وَیَعْفُو عَنْ کَثِیْرٍ ۱۵۔ ائمہ (اور فقہاء) نے بیان کرنا ہے بہت سی وہ چیزیں جو تم کتاب کی چھپتے تھے اور بہت سی چیزوں کو نظر انداز کرنا ہے (صفحہ کے معنی چشم پوشی کرنے اور نظر انداز کرنے کے ہیں کسی حماسی کا شعر ہے۔)

صَفْحًا عَنْ بَنِی ذَہْلٍ وَ قُلْنَا الْقَوْمَ اِذَا هُمْ

ہم نے بنی ذہل کی شرارتوں سے چشم پوشی کی اور خیال کیا کہ یہ لوگ اپنے ہی بھائی ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ابھی کچھ دنوں ان یہودیوں کی شرارتوں کو نظر انداز کرو۔ یہاں تک کہ اللہ ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔ یہ پوری آیت یہود کے لئے نذیر و وعید ہے اور اس پارہ کے اجمال کے اندر وہ ساری باتیں چھپی ہوئی ہیں جو بعد میں یہود کے ساتھ جنگ کے حکم، ان کی ہزیمت اور قتل و غلاطی اور ادا اے جزیرہ وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔

وَ اَتِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَ اَتُوا الزَّکٰوۃَ..... لَیْسَ یُزِیْرُ یہ مسلمانوں کو معاذیہ اسلام کی مخالفتوں کا علاج بتایا گیا ہے کہ اگر تم ان فتنوں پر غالب آنا چاہتے ہو تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اسی سے تمہاری وہ روحانی و اخلاقی تربیت ہوگی جو تمہیں ایک طرف تو مخالفین کی دوسرے اندازیوں سے بالکل مامون کر دے گی، دوسری طرف تم کو جماعتی حیثیت سے ایک ایسی بنیاد پر صوبہ بنا دے گی کہ کوئی طاقت بھی تمہیں ہلانہ سکے گی۔ قرآن مجید

میں نماز اور زکوٰۃ کو تمام دینی کی بنیاد تمام تربیت و اصلاح کی اساس اور تمام قوت و طاقت کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ دوسری ساری چیزوں کو ان کے تابع قرار دیا گیا ہے۔ مکی مسجدوں میں جہاں اس شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے مقابل میں معبود استقامت کی تلقین کی گئی ہے وہاں نماز کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی بقوہ تجویز قبلہ کے حکم کے بعد جب مخالفت کا طوفان اٹھا ہے تو فرمایا گیا کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِذُوا بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** ۱۵۳۔ بقوہ۔ اے ایمان والو! میرا اور میرے ذریعہ سے مدد چاہو بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔ اسی طرح جو لوگ مضبوط تربیت کے بغیر جنگ و جہاد کے لئے جلدی مچاتے تھے ان کو نماز و زکوٰۃ کے ذریعہ سے اپنی تربیت کرنے کی ہدایت کی گئی۔ **كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** (ابھی اپنے ہاتھ روکو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) سورہ حج میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دینے کے بعد ہدایت فرمائی کہ **فَأَقِمْ وَاصِلًا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ** ۷۸ (پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑو)۔ یہاں بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم اسی پہلو سے ہے۔ اس پر مزید بحث آگے آئیگی۔

وَقَالُوا النَّبِيُّ خُلِيَ الْجَنَّةَ الْأُكْحَمَ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ | **هُودٌ**۔ عائد کی جمع ہے اس کی تفسیر آیت ۶۲ کے تحت گذر چکی ہے۔

جس طرح شیخ کا اعتراض مسلمانوں کے دلوں میں شک اور تردد پیدا کرنے کے لیے اٹھایا گیا اسی طرح یہ پروپیگنڈا بھی یہود اور نصاریٰ دونوں کی طرف سے کیا گیا کہ نبوت حاصل کرنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو یہ ہے کہ آدمی یہودیت اختیار کرے یا نصرانیت، یہ دونوں خدائی ہوئیں ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی نئے دین کی ضرورت ہے نہ گنجائش۔

یہود اور نصاریٰ یوں تو آپس میں ایک دوسرے کے جہانی دشمن تھے، آئے دن ان کے اندر مذہبی اختلاف کی بنا پر خون چھر ہوتا رہتا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی مخالفت کے لیے دونوں آپس میں بڑے روادار بن گئے تھے، دونوں نے مل کر ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا تھا اور ہم زبان ہو کر یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ جس کو نبوت مطلوب ہو وہ یہودی بنے یا نصرانی۔ یہ نیا دین بھلا کیا ہے، یہ تو محض ایک فتنہ ہے۔

یہود نے اسلام کی مخالفت میں رواداری کی یہ روش مشرکین تک کے معاملہ میں اختیار کی تھی۔

تھی۔ تصدی تو ہر حال ان کے اپنے ہی بھائی نہ سکتے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کی اس حق دشمنی کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اٰذَنُوْا نَعِيْمًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُوْعٰظُوْنَ بِالْحَقِّ بِالْعِلْمِ وَذِيْقُوْا لَوْحًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِهْذٰى مِنَ الْوَيْثِ اَمْسُوْا سَبِيْلًا مِّنْهُ
 اکیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب الہی کا ایک حصہ ملا، وہ جنت اور عافیت پر حقیقہ رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں)

اس پر پگینڈے کو اس چیز سے تقویت پہنچی ہوگی کہ اہل عرب اہل کتاب سے پہلے سے میں ظن رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی تائید میں یہ بھی کہتے رہے ہوں گے کہ یہودیت اور نصرانیت کے آسمانی دین ہونے سے تو قرآن کو بھی ان کا نہیں ہے۔ ان وجوہ سے قرآن نے اس کی بھی تفصیل کے ساتھ تردید کی۔ فرمایا کہ 'تِلْكَ اٰسَانِيْتُهُمْ' یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں، یعنی یہ محض ان کی من گھڑت باتیں ہیں جو بغیر کسی سند اور دلیل کے انہوں نے محض اپنے جی سے گھڑ رکھی ہیں، خدا نے یہودیت اور نصرانیت کسی کے حق میں بھی یہ پروانہ جاری نہیں کیا ہے کہ جو یہودی یا نصرانی بن گیا اس کے لیے جنت ہے، اگر وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں تو اپنے اس دعوے کی سچائی پر اپنی کتاب سے کوئی دلیل پیش کریں۔ اس طرح کی ان کی بہت سی تضحیٰ اور خواہشیں تھیں جو انہوں نے دین اور عقیدہ بنا کر بلا کسی سند کے اپنے دلوں میں پال رکھی تھیں اس وجہ سے قرآن نے اگرچہ یہاں ذکر ایک ہی کا کیا ہے لیکن جمع کا لفظ استعمال کر کے اشارہ ان سب کی طرف کر دیا ہے۔ ہم اسی سورہ کی آیات (۷۸ - ۸۱) کی تفسیر کرتے ہوئے ان امانی کی تفصیل پیش کر چکے ہیں۔

بَلْ اَمَنَّا وَجْهًا لَّيْلًا وَهُوَ مُضِيْعٌ فَلَوْلَا اَجْوَدُ وَجْهًا لَّيْلًا..... يَخْذُوْنَ
 اور ستم جنت ہونے کے لیے یہودی یا نصرانی ہونا شرط نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آدمی ایک تو مسلم بنے دوسرے یہ کہ محسن بنے۔ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو پورے طور پر خدا کے حوالہ کر دے اس کے نبیوں اور رسولوں میں کوئی تفریق کیے بغیر اپنی پوری زندگی کو اس کی شریعت کے تابع کر دے۔ احسان کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی تعمیل آپ کے طور پر

پُوری دیانت اور کامل راستبازی کے ساتھ کرے۔ جو لوگ اس طرح خدا کی بندگی اور اس رِضا و رضا کا حق ادا کریں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، ایسے لوگوں کے نہ کوئی خوف ہوگا، نہ کوئی غم۔ یہی تمام انبیاء اور تمام آسمانی صحیفوں کی تعلیم ہے اور عقل اور فطرت کا تقاضا ہے۔

یہ پورا مضمون اسی سورہ کی آیات ۷۸-۸۱ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے اس کے مختلف پہلوؤں پر وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتْ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ..... وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ [یعنی اسلام مخالفت کے لیے یہود اور نصاریٰ دونوں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے بڑی فیاضی کے ساتھ نجات یافتہ اور جنتی قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اس پلیٹ فارم سے اگاہی کی باہمی تکفیر و تفسیق اور جنگِ مبدل کا یہ حال ہے کہ یہود و نصاریٰ کی کوئی جڑ بنیاد و تسلیم نہیں کرتے اور نصاریٰ یہود کے لیے کوئی بنیاد تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ دونوں ایک ہی کتاب کی پیروی کے مدعی ہیں، تورات و دونوں میں مشترک ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ آج جو ان اندر یہ گٹھ جوڑ ہو گیا ہے یہ نہ تو دین کے تحفظ کے لیے ہے نہ کسی اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی ہے بلکہ محض اسلام دشمنی کا جذبہ ہے جس نے ان کو متحد کر دیا ہے۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ..... فَيَسْتَفْتِيْنَهُمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [جو علم نہیں رکھتے] سے مراد مشرکین بنی اسمعیل ہیں، اس لیے کہ یہ کتاب شریعت سے نا آشنا تھی۔ ان کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے بھی انہی لوگوں کی سی بات کہی۔ یعنی یہ بھی اپنے سوا سدا کو باطل پر سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام کی مخالفت کے لیے آج یہ بھی اس مشترکہ محاذ میں شامل ہیں۔ وہ ایک کتاب کے علم اور عمل کے مدعی ہوتے ہوئے دین کی یہ خدمت انجام دے رہے ہیں اور یہ بغیر کسی علم ہی کے پانچوں سواروں میں جا شامل ہوئے ہیں۔ "کذا لک" اور "مِثْلَ قَوْلِهِ" کے الفاظ بظاہر دونوں ایک ہی مفہوم کے حامل نظر آتے ہیں لیکن غور کرنے سے دونوں دو حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک سے محرک اور جذبہ کا اشتراک ظاہر ہوتا ہے، دوسرے سے تہ کا۔ یعنی یہ بھی نیت اور عمل دونوں میں انہی یہود و نصاریٰ کے نقشِ تدم پر چل رہے ہیں۔

انہوں میں بطور وجہ کے فرمایا کہ ان کی اس نزاع کا فیصلہ اب آخرت میں خدا کی عدالت میں ہوگا۔
اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تسلی بھی ہے کہ تم اس نزاع میں صرف تبلیغ حق کے ذمہ دار
ہو۔ اس سے زیادہ تمہارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ.... عَذَابٌ عَظِيمٌ [یہ اشارہ ہے ان مدعیان
جنت کے اُن کارناموں کی طرف جو انہوں نے باہمی عناد و عداوت کی بنا پر ایک دوسرے کے معابد
کو تباہ و برباد کرنے کے سلسلہ میں انجام دیے۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ یہود و نصاریٰ کے
درمیان بیت المقدس میں بھی ایک دوسرے کو ذکر و عبادت سے روکنے کے لیے نہایت خونریز جنگیں
ہو چکی ہیں اور باہر بھی جہاں جہاں اور جب جب ان میں سے کسی کو موقع ملا ہے اس نے مخالف
فریق کے عبادت خانے برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے
کہ نصاریٰ نے لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکنے کی سعی کی لیکن جب اس کوشش میں ان کو
ناکامی ہوئی تو ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور خانہ کعبہ کو منہدم کر دینے کا ارادہ کر لیا جس کی
پاداش میں اس پر اور اس کی فوجوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔

ان واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ جو لوگ آج اسلام کی مخالفت
میں یوں ہم زبان ہو گئے ہیں ان کے باہمی تعصبات کا کیا حال رہا ہے۔ اور نجات و ہدایت کے
ان ٹھیکیداروں کے کارنامے خدا کی مساجد کے معاملہ میں کتنے سیاہ ہیں۔ ساتھ ہی مساجدِ الہی کا
مرتبہ و مقام واضح کرنے کے لیے فرمایا کہ دنیا میں سب سے زیادہ ظالم وہ مدعیان ہدایت و تقویٰ
ہیں جو اللہ کی مسجدوں سے ذکر الہی کرنے والی کو روکیں اور ان مساجد کی بربادی کے ذریعے ہوں۔
جو گھر خدا کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا ہے وہ خدا کا گھر ہے، کسی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ
خدا کے گھر میں اس کی تخریب کی جسارت کے ساتھ داخل ہو، اللہ کے گھر میں داخل ہونے کا
واحد طریق یہ ہے کہ جو بھی اس میں داخل ہو ڈرتے ہوئے اور لرزتے ہوئے داخل ہو جو لوگ اس
کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں
عذاب عظیم ہے۔

مساجدِ الہی کے احترام کے اسی اصول کے تحت مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ

کی حالت میں بھی ان کے گرجوں اور معابد کے درمیان ان کی توہین کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ مقام ان مسلمانوں کے لیے خاص طور پر قابلِ غور ہے جو محض گروہی تعصبات کے تحت اپنے سے ذرا مختلف مسلک رکھنے والوں کو اپنی مساجد سے روکتے ہیں اور بعض ادواتِ دھارمک مسلک رکھنے والوں کی مساجد کی بے حرمتی کرنے کی جسارت بھی کر گزرتے ہیں۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيُّ تَوَكُّاتٍ تُنْفَخُ
وَجِبَةُ الْمَلَأِ..... إِنَّ اللَّهَ وَسِعُ عَرْشُهُ
یہ اس وجہ نزاع و اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو یہود و نصاریٰ کے درمیان معابد و مساجد کی توہین و تخریب کا سبب ہوئی۔ یہود و نصاریٰ دونوں کا قبلہ بیت المقدس تھا لیکن نصاریٰ نے خاص طور پر اس کی مشرقی سمت کو اپنے قبلہ کے لیے انتخاب کیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہوئی ہو کہ وہ جوتہ جس میں حضرت مریم نے اعتمکاف فرمایا تھا اسی سمت میں تھا۔ بیت المقدس کے اس عہد کے نقشہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وہ حصہ جو خواتین کی عبادت کے لیے مخصوص تھا، اسی جانب تھا اور قرآن سے بھی کچھ ایسا ہی اشارہ نکلتا ہے۔ سورہ مریم میں فرمایا ہے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اسْتَبَدَّتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَاقِيًا (۱۶) (اور کتاب میں مریم کی سرگذشت کو یاد کرو، جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب میں مستحکم ہو بیٹھی، اس ضد میں یہود نے اس کی مغربی سمت کو اختیار کیا ہو گا اور پھر اندرون بیت المقدس کی تقسیم اس سے باہر نکل کر مستقلاً مشرق و مغرب کی تقسیم بن گئی ہو گی۔ یعنی نصاریٰ نے سمت مشرق کو اپنا قبلہ بنالیا اور یہود نے مغرب کو۔ پھر اس مشرق و مغرب کے اختلاف نے دونوں کو خوب خوب لڑایا۔ بیت المقدس کے اندر بھی اور اس سے باہر بھی۔ اور اس کے نتیجہ میں دونوں فریق نے ایک دوسرے کے معابد کی پوری بیدری کے ساتھ بے حرمتی کی۔

قرآن مجید نے یہاں اس سبب اختلاف و نزاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی لغویت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ مشرق ہو یا مغرب، دونوں سمتیں اللہ ہی کی ہیں۔ ان میں سے جس سمت بھی انسان رخ کرے اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہے تو اس کا رخ خدا ہی کی طرف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر اس چیز کو یہود و نصاریٰ نے سر پھٹل اور دردم معابد و مساجد کا سبب بنایا تو یہ ان کی جہالت و حماقت ہے، سمتوں اور جہتوں میں سے کسی سمت و جہت کو بھی خدا کے ساتھ اختصاص

نہیں ہے۔ وہ بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کہ ہر عرہی رُخ کرتے، خدا ہی کی طرف رُخ کرتے۔
خدا کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت ہر چیز کو محیط ہے۔

ہر جا کنیم سجدہ ہدای آستان رسد

یہ بحث مزید تفصیل کے ساتھ اگلے تخیل قبلہ کی آیات کے تحت آ رہی ہے۔

وَقَاكُوا اِلٰهًا وَّلَدًا..... هُنَّ لَكُم مِّنْ تَحْتِ اُولٰٓئِكَ مَعْنٰی اُولٰٓئِكَ ہوں یہ
لفظ واحد جمع مذكر، مؤنث سب کے لیے آتا ہے۔

اوپر اسلام کے خلاف عداوت قائم کرنے والوں کے ان کارناموں کا حوالہ دیا تھا جو انہوں نے خدا
کی مسجد کی تخریب کے سلسلہ میں انجام دیے ہیں، اب یہ ایک اشارہ ان کے مشرکانہ عقائد کی طرف
بھی فرمایا تاکہ ہدایت اور نجات کی ابارہ داری کے ان مدعیوں کا یہ پہلو بھی سامنے آجائے کہ عقیدہ
کے اعتبار سے یہ کس سطح پر ہیں۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کے بیٹے بیٹیاں
ہیں۔ یہود عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے، نصاریٰ مسیح کو اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار
دیتے تھے۔ ان سب کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ سبحانہ، خدا اس طرح کی تمام نسبتوں سے پاک اور
ارفع ہے۔ کوئی چیز کسی پہلو سے بھی اس کی ذات یا صفات یا اس کے حقوق میں شریک و ہم نہیں ہے
بلکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں اس کی مخلوق و مملوک ہیں۔ کسی کا یہ درجہ نہیں ہے کہ وہ اس کی
بندگی اور اطاعت کے علاوہ سے آزاد ہو بلکہ سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔

بَدِیْعُ الشَّمٰوٰتِ..... هُنَّ فِیْكَوْنٍ | بد ۶ کے معنی کسی شے کو دم سے وجود
میں لانے اور بغیر کسی مادہ و مثال کے ایجاد کرنے کے ہیں۔ اسی سے بدعت کا لفظ ہے جس کے
معنی ہیں دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرنا جس کے لیے کوئی مثال، نظیر اور کوئی ماخذ و مصدر نہ ہو
بدیع اسی سے فیعل کا وزن ہے اور معنی میں فاعل کے ہے۔

اوپر والی آیت کے مضمون تنزیہ باری کی یہ مزید وضاحت ہے کہ یہ بیٹے بیٹیاں جو خدا کے
لیے فرض کیے گئے ہیں اس داہمہ کی بنیاد پر فرض کیے گئے ہیں کہ جس طرح دوسرے اپنے معاملات
کے انتظام و انعام میں معاونین اور شرکاؤں کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح خدا بھی شرکاؤں اور معاونین
کا محتاج ہے۔ مالا کہ خدا اس قسم کے شرکاؤں اور معاونین سے بالکل بے نیاز و مستغنی ہے۔

وزہبی کو تنہا اپنی قدرت و حکمت سے وجود میں لایا ہے اور جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو بس فرمادیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ ایسی بے نیاز و مستغنی اور ایسی بے ہمہ و باہمہ قادر مطلق ذات کے ساتھ آل و اولاد کا کیا جوڑ۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ... [بقرہ ۱۱۲] الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ سے، جیسا کہ آیت ۱۱۲ کے تحت وضاحت ہو چکی ہے مشرکین بنی اسمعیل مراد ہیں۔ اوپر اہل کتاب کے اعتراضات اور اہل کی دوسرے اندازوں کا ذکر فرمایا تھا۔ اب اسی متحدہ محاذ مخالفیت کے تیسرے رکن یعنی مشرکین کے بعض مطالبات کا ذکر کر کے ان کا جواب دیا ہے۔

ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو خدا نے انہی کو ہمارے اندر سے ہم کلامی کے لیے کیوں منتخب کیا، آخر ہم جو قریش کے سردار اور لیڈر ہیں اور اثر و اقتدار میں محمد سے کہیں اونچے ہیں، خدا ہم سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتا؟ اس مطالبہ کا جواب قرآن نے بعض جگہ دیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے کہ کسی انسان کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے براہ راست کلام کرے، وہ صرف وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے بات کرتا ہے۔ پھر وحی اور رسالت سے متعلق یہ وضاحت فرمادی ہے کہ ہر کس و ناکس اس منصب کا اہل نہیں ہوا کرتا، یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون اس منصب عظیم کے لیے اہل ہے۔ لیکن یہاں خاص اس مطالبہ کا جواب نہیں دیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا جواب نہ دینے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مطالبہ اس قدر گستاخانہ اور احمقانہ ہے کہ اس کا جواب نہ دینا ہی اس کا جواب ہے۔ غور کیجئے کہ قرآن کی اس موقع پر اس خاموشی نے مروان قریش کے پنہاں سیادت پر کیسی کاری ضرب لگائی ہوگی۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ نشانی سے ان کی مراد کوئی ایسی نشانی تھی جو ایک محسوس معجزہ کی نوعیت کی ہو جس کو دیکھ کر ہر شخص پکار اٹھے کہ بے شک اس نشانی کا دکھانے والا خدا کا فرستادہ اور اس کا رسول ہے، مثلاً یہ کہ اس رسول کے ساتھ چاہے کئی فرشتہ اس کی رسالت کی منادی کرتا پھرے، یا اس کے حکم سے مڑے جی اٹھیں، یا اس کے اشارے سے پہاڑ چلنے لگیں یا اس کی خواہش پر صحرا چمن بن جائے یا اور نہیں تو کم از کم اس کے ایسا ہر

اس عذاب ہی کا کوئی نمونہ نمودار ہو جائے۔ جس کی یہ ہر روز دھمکی سن رہے ہیں۔

اس مطالبہ کے جواب میں پہلی بات تو یہ فرمائی کہ جس طرح کی نشانی کے لیے یہ مطالبہ کر رہے ہیں بالکل اسی طرح کی نشانی کے لیے اُن قوموں نے اپنے اپنے رسولوں سے مطالبہ کیے جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں۔ انہوں نے بھی حق واضح ہو چکنے کے بعد محض رسول کو زیچ کرنے کے لیے اس طرح کی نشانی کے لیے مطالبہ کیے اور یہ بھی حق کو سمجھ چکنے کے باوجود محض زیچ کرنے کی خواہش کے تحت یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے دل بھی بالکل انہی لوگوں کے دلوں کی مانند ہو گئے ہیں۔ یعنی قسادت، طغیانی اور حتی دشمنی کی جو سیما ہی ان کے دلوں پر چھاپی تھی وہی سیما ہی ان کے دلوں پر بھی چھاپی ہے۔ پھر لانا اس کے نتیجہ میں ان پر بھی خدا کی طرف سے وہی طرح کا کوئی عذاب آئے گا جس طرح کے عذاب ان پر آئے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ جہاں تک تنہا ہی رسالت اور تنہا ہی دعوت کے حق ہونے کا تعلق ہے اس کے دلائل آفاق سے، انفس سے، آسمان سے، زمین سے، تاریخ سے، آثار سے، ہر پہلو سے ہم نے کھول کھول کر قرآن میں بیان کر دیے ہیں۔ یہ دلائل اس قدر واضح ہیں کہ ان کے بعد کسی نشانی اور معجزہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن یہ دلائل ان لوگوں کے لیے مفید ہیں جو یقین کرنا چاہیں، جو یقین نہیں کرنا چاہتے ان کو دنیا کی کوئی چیز بھی قائل نہیں کر سکتی، ایسے لوگ تو عذاب دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، یہاں تک کہ وہ عذاب ان کی کمر توڑ کے رکھ دیتا ہے۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ اِنَّا اَوْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَعْتَابِ الْجَنَّةِ۔ ہم نے تم کو حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کے قبول کرنے والوں کو نجات و فلاح کی خوشخبری سنا دو اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو اس تکذیب کے انجام بد سے ڈنا دو۔ اس آیت و تفسیر کا فرض انجام دے چکنے کے بعد تنہا ہی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے مطالبوں کی تعمیل میں ان کی خواہشات کے مطابق نشانیاں اور معجزے دکھانا تنہا ہی ذمہ داری نہیں ہے۔ تم سے جو کچھ پیش ہو گی تمہارے فرض رسالت کی ادائیگی کے بارے میں ہو گی، اس بارے میں ہرگز نہیں ہو گی کہ یہ جہنم میں جانے والے لوگ جہنم میں کیوں گئے، ایمان کیوں نہیں لائے۔

یہ ساری باتیں جو اوپر عرض کی گئی ہیں کی سورتوں میں پچھلی قوموں کی سرگزشتوں کے ضمن میں

مختلف اسلوبوں سے بیان ہوں گی اس وجہ سے ہم یہاں ان کی زیادہ تفصیل نہیں کرتے۔

وَلَا تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا تُبْشِرُوا

کر دینے کے بعد یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود اور نصاریٰ کا رویہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ بھی تم سے اس وقت تک راضی ہونے والے نہیں ہیں جب تک تم ان کی ہمت کے پیرو بن جاؤ۔ یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کر لو۔ اس لیے کہ ان کے سامنے سوال صرف حق کی وضاحت اور دلائل کے ظہور کا نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے طریقہ پر جمود کا ہے، وہ حق سے زیادہ اپنی خواہشات کے پرستار ہیں اور تمہارے لیے خدا کی طرف سے العلم یعنی علم وحی کے آجانے کے بعد ان کی خواہشات و بدعات کی پیروی کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اس وجہ سے ان کو یہ فیصلہ کن جواب دے دو کہ اصل ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آئے تو اب جب کہ میرے پاس اللہ کی ہدایت آچکی ہے میں اس کو چھوڑ کر کسی اور طریقہ کی پیروی کس طرح کر سکتا ہوں۔ یہاں یہود و نصاریٰ کے اختیار کیے ہوئے طریقوں کو اہواء (خواہشات) کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ہدایت آجانے کے بعد کسی اور طریقہ پر جمے رہ جانا نہ حقیقت اپنی خواہشات کی پیروی ہے۔

وَلَا تُبْشِرُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، میں خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے لیکن اس میں جو تنبیہ اور وعاب ہے اس کا رخ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے۔ اس طرح خطاب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ملیں گی۔

اس آیت میں امت کا جو لفظ آیا ہے اس کے اصل معنی طریقہ کے ہیں لیکن اس سے کسی شخص

یا گروہ کا وہ طریقہ زندگی مراد ہوتا ہے جس کی بنیاد مذہب اور روایات مذہب پر ہو۔

الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ أَكْثَرُ الْكِتَابِ يَشْكُرُونَ هُمْ أَكْثَرُ الْكِتَابِ

عصیب مایوسی کے اظہار کے بعد ان اہل کتاب کا ذکر فرمایا جو اپنی کتاب پر فی الواقع ایمان رکھتے تھے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ اس ہدایت الہی پر ایمان لائیں گے جو تم ان کے سامنے پیش کر رہے ہو یہاں صالحین اہل کتاب مراد لینے کی ہمارے نزدیک کئی وجہیں ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ ان کے متعلق فرمایا ہے یشکرون حق تلاوت وہ دیے اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، ہمارے نزدیک یہ ضمیر مفعول سے حال پڑا ہوا ہے اور مقصد

اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان کا حال شروع سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی سچی قدر کی ہے جو ان کو ملی تھی۔ ان لوگوں کے مانند یہ کبھی نہیں رہے ہیں جن کا حال قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ هَمَّشِلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَاذًا۔ چار پائے برد کتاب لے چند۔ پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ تو ہے لیکن کچھ خبر نہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔ بلکہ یہ فکر تدبر کے ساتھ برابر اس کی تلاوت کرتے رہے ہیں وہ ان کی یہ تلاوت طلب ہدایت کے لیے تھی نہ کہ محض اپنی من گھڑت آرزوؤں اور خواہشات کے حق میں دلائل ایجاد کرنے کے لیے۔

دوسری یہ کہ ان کے متعلق خبر دی ہے کہ یہ اس ہدایت پر ایمان لائیں گے جو آخری رسول کے ذریعہ سے اللہ نے اُن پر اتاری ہے۔

تیسری یہ کہ یہاں ان اہل کتاب کے لیے اَسْتَيْنَاھُمْ الکتاب کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ قرآن کے نظائر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صیغہ اہل کتاب کے لیے بالعموم مرح کے موقع میں استعمال ہوا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اَلَّذِيْنَ اَسْتَيْنَاھُمْ الْكِتَابَ
يُفِيْکُوْنُہُمْ کَمَا یَحِفُُّوْنَ اَبْنَاءَھُمْ
(۱۴۶ - بقرہ)

۲۔ وَالَّذِيْنَ اَسْتَيْنَاھُمْ الْكِتَابَ یُحِبُّوْنَ
اَنْتُمْ مُّسْتَلٰوْنَ مِنْ رَّبِّکُمْ بِاَنْحُوتٍ۔
(۱۱۴ - انعام)

۳۔ وَالَّذِيْنَ اَسْتَيْنَاھُمْ الْكِتَابَ
یُفْضَحُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ۔
(۳۶۰ - رعد)

۴۔ اَلَّذِيْنَ اَسْتَيْنَاھُمْ الْكِتَابَ
مِنْ قَبْلِہُمْ یُفْجِرُوْنَ۔
(۵۲ - قصص)

جن کو ہم نے کتاب بخشی ہے وہ اس کو بچاتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو بچاتے ہیں۔

اور جن کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے حق ہے کہ اترا ہے۔

اور جن کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ خوش ہوتے ہیں اس چیز سے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے۔

اور جن کو ہم نے کتاب سے رکھی ہے اس کے پلے سے وہ اس پر ایمان لائیں گے۔

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ کے مقابل میں الَّذِينَ اسْتَفْتَاهُمْ اَلْكِتَابَ کے الفاظ کے اندر اہتمام اور عنایت کا جو پہلو نمایاں ہے وہ ان لوگوں سے مخفی نہیں ہو سکتا جو معروف اور مجہول کے مواقع استعمال اور عبرتی زبان میں ان دونوں اسلوبوں کی ادبی نزاکتوں سے واقف ہیں۔ مذکورہ اسلوب میں معروف کا صیغہ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حقیقت میں اپنی کو دی جنہوں نے اس کی قدر کی، جنہوں نے اس کی قدر نہیں کی اُن کو گویا خدا نے کتاب دی ہی نہیں۔ اسی فرق کے سبب سے اُوْتُوا الْكِتَابَ کا صیغہ صرح کے مواقع میں بہت کم استعمال ہوا ہے۔ اولئک یدعون بہم، خبر ہے الذین استفتاہم الکتاب یتلونه حق تلوۃً کی۔ یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کا صحیح طریقہ پر ادا کرتے رہے ہیں وہی اس ہی اللہ پر ایمان لائیں گے جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی روحانی نعمتوں میں برکت اپنی کو عطا فرماتا ہے جو ان کی قدر کرتے ہیں، جو قدر نہیں کرتے ان کو مزید عطا ہونا تو الگ رہا جو عطا ہوئی ہوتی ہیں وہ بھی ان سے سلب کر لی جاتی ہیں۔ آخری شریعت کے بارے میں ہی وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اس میں تہادی ذریت کے صوف اچھے ہی لوگ حصہ پائیں گے، جو برے ہوں گے وہ اس سے محروم رہیں گے۔ پھر یہی بات اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واضح فرمائی تھی کہ جو تقدیٰ پر قائم رہیں گے وہی آخری نبی پر ایمان لائیں گے۔ اسی حقیقت کو مختلف اسلوبوں سے حضرت مسیحؑ نے واضح فرمایا۔ تفصیل ان چیزوں کو اپنے مقام میں آئے گی۔

خریداران رسالہ سے اتماس

”مذاق“ کے خریداروں سے اتماس ہے کہ وہ ہر سال سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے مفید ایڈریس کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ تعمیل میں بڑی زحمت ہوتی ہے۔ اور جواب میں بھی تاخیر ہو جاتی ہے۔

منہج
سالانہ مذاق

مطالعہ حدیث

مولانا عبد الغفار حسن صاحب

مشکل معہ

گزشتہ شمارے میں حدیث اور تنبیہ القرائن و مشلہ معہ کی تشریح کرتے ہوئے بتلایا گیا تھا کہ اگر حدیث پر کھنے کے لیے عصری تقاضوں کو معیار قرار دیا جائے تو خود قرآن بھی اپنی جگہ قابل عمل نہیں رہتا، کیونکہ اس کی بہت سی تعلیمات کو عصری تقاضوں سے متصادم قرار دے کر مالا جا سکتا ہے۔

اس شمارے میں حدیث کے پرکھنے کے دوسرے معیار زیر بحث آئے ہیں۔

(۶-۶-۶)

احادیث کے پرکھنے کے لیے ایک اہم معیار یہ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن سے متصادم نہ ہوں اس معیار پر گفتگو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے لحاظ سے احادیث کا تجزیہ کر لیا جائے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ قرآنی مطالب کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کتنی قسمیں ہو سکتی ہیں۔

مضمون کے لحاظ سے حدیث کے اقسام پہلی قسم یہ ایسی احادیث جو قرآنی آیات سے جلتے مضامین

پر مشتمل ہیں۔ بنیادی عقائد و اخلاق پر مشتمل بہت سی احادیث اسی نوع میں شمار ہوتی ہیں۔ اس قسم کی روایات قرآن مجید سے صرف الفاظ میں مختلف ہوتی ہیں، معنی لحاظ سے دونوں میں پہلی مطابقت اندیکسانیت پائی جاتی ہے۔ اس طرح کی بے شمار روایات میں سے صرف ایک حدیث بطور مثال پیش کی جاتی ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال ابن مسعود سے روایت ہے انہوں نے

کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے سوال کیا، اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے، آپ نے فرمایا "یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے شریک دہم پتہ، ٹھہراؤ۔" اُس نے پوچھا "پھر کون سا گناہ؟" آپ نے فرمایا "یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس اندیشے سے قتل کر ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگی۔" اُس نے سوال کیا، پھر کون سا گناہ؟" آپ نے فرمایا "کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرو۔" ان ارشادات کی تصدیق و تائید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (رحمان کے بندے وہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو نہیں پکارتے، اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والا ٹھہرایا ہے، الا یہ کہ کسی حق کی بنا پر اس کا قتل جائز ہو۔ اور نہ وہ بدکاری کرتے ہیں۔"

رجل یا رسول اللہ ائى الذنب اھبّر عند اللہ قال ان تدعو للہ من دأ و هو خلقك قال ثم ائى قال ان تقتل ولدك عشیتہ ان یطعم معک، قال ثم ائى قال ان تزنی حلیلتہ جارہ، فانزل اللہ تصدیقہا و الذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر ولا یقتلون النفس الکی حرمة اللہ الا بالحق ولا یذنبون

مشکوٰۃ باب الجائز۔ بخاری و مسلم

سعد بن ابی اسریل میں قتل اولاد کے سلسلے میں فرمایا، وَلَا تَبْقُوا اَوْلَادَكُمْ خَشِیْتِ اِثْلَاقِ، یعنی اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان اور کتاب النفاق و اکابر میں اس نوع کی متعدد احادیث ملتی ہیں جو اجمال و تفصیل میں بھی قرآن سے یکساں مطابقت رکھتی ہیں۔

دوسری قسم ۱۔ ایسی احادیث جن میں قرآن سے زائد مضمون ملتا ہے، اس کی چند شکلیں ہیں۔

(ولفص) قرآنی اجمال کی تفصیل و تشریح :- مثلاً قرآن میں ہے -

أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ - نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو -

اقامت صلوٰۃ اور ایستاد زکوٰۃ سے متعلق تفصیلات حدیث سے معلوم ہوتی ہیں -

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

كَيْسَابًا مَوْفُوتًا - (النساء - ۱۰۳) فرض ہے -

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز متعین اوقات میں ادا کرنی ضروری ہے، لیکن اوقات

کی پوری تفصیل اور حد بندی حدیث سے واضح ہوتی ہے -

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا

أَيْدِيَهُمَا - چور مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ

کاٹ ڈالو -

اس آیت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم موجود ہے مگر کتنا ہاتھ اور کتنی چوری پر کاٹا جائے گا،

یہ سب تفصیلات حدیث میں پائی جاتی ہیں -

وَيُحِلُّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ

عَلَيْكُمُ الْفَحْشَاءَ - (اعراف - ۱۵۸) نبی ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا

ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرنا ہے

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب بتلایا گیا ہے کہ آپ طیبات (پاکیزہ چیزوں) کو

حلال کرتے اور فحشاءت (ناپاک اشیاء) کو حرام ٹھہراتے ہیں - اب حدیث نے بتلادیا کہ غرگوش، فاختہ

طیبات میں داخل ہیں اور گدھے، کتے، دندے، بچے مار پرندے اور اس قسم کے دوسرے

جوانات نجاست میں شامل ہیں -

(بے) معنی مقصود کی تعین -

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَكَ حَتَّى تَنْكِحَ

زَوْجًا غَيْرَہَا - (بقرہ - ۲۲۱) پھر بھی اگر طلاق دے دے تو وہ عورت

اس کے لیے حلال نہیں ہوتی جب تک

ایک اور خاوند سے نکاح نہ کرے -

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد بیوی، شوہر پر حرام ہو جاتی ہے،

اب وہ اندر نہ نکاح کر کے بجلی سپانے گھر میں آباد نہیں کر سکتا، ہاں صرف اس حدت میں جبکہ

کسی دوسرے شخص سے وہ نکاح کو لے رہا ہے اگر یہ وہ سوا شوہر اس کو طلاق دے دے تو پھر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ اس آیت میں نکاح کے معنی امرضا ایجاب و قبول کے نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد جنسی تعلق بھی ہے، یہ تعین و وضاحت حدیث سے معلوم ہوتی ہے، اسی قسم کے واقعہ میں آپؐ نے ایک حدیث سے فرمایا تھا حَتَّىٰ تَذُقَ عُسْلَيْتَهُ۔ (مشکوٰۃ ج ۲ - باب - المطلقہ - ثلاثاً، بحوالہ بخاری و مسلم) یعنی محض نکاح (ایجاب و قبول) ہی کافی نہیں ہے بلکہ جنسی تعلق سے عہدہ برا ہونا بھی ضروری ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَبَلَّغُوا آيَاتِنَا
يُكَلِّبُ أُولَٰئِكَ لِيُكْفِّرُوا
قُلُوبَهُمْ مُّشْذُوثًا۔

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے
ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا تو انہی
لوگوں کے لیے امن ہے اور یہ لوگ راہ

(انعام - ۸۱) باب ہیں -

حدیث میں ہے کہ اس آیت کو سن کر صحابہ کرام نے کہا، اَيْتُنَا لِيُظْلَمَ، ہم میں سے کون ہے جو ظلم سے آلودہ نہ ہوا ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی پریشانی کو اس طرح دور فرمادیا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۲ بحوالہ صحیح بخاری - منہ احمد) اس تفسیر کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ اِنَّ الْيَتِيْمَ لَفُتْلٰحًا عَظِيْمًا (نعمان - ۱۳) بے شک شرک ایک بڑا ظلم ہے۔

اگر اس پیغمبرؐ کی تفسیر کو تسلیم نہ کیا جائے تو لازم ہوگا کہ ظلم کی ہر قسم کا ارتکاب ایک مسلمان کو اس دنیا و نہات سے کھینچ کر محروم کر دے گا، کیونکہ اُولَٰئِكَ هُمُ الْاٰمِنُوْنَ میں اندازِ حصر اسی کا مستفنی ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنُزُوْنَ الذَّهَبَ
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا
فَسَيُعَذِّبُ اللّٰهُ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ
کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو خدا کی عذاب
کی بشارت سنائیجئے۔

(التوبہ - ۳۵)

کنز کے حلی مال جمع کر لے کے ہیں خواہ مخواہ ہو یا بہت۔ عربی لغت کے لحاظ سے اس کا
ی مفہوم ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے اس آیت کے محرم کی بنا پر صحابہ کرام کا اضطراب
دیکھتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وضاحت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا۔

ان الله لا يفرض الزكوة الا على طيب ما بقى من اموالكم
وامما فرضه هو اريث (ذکر کثرت)
لستون لمن بعدكم فقال فليكن
عمش۔ و الزكاة كتب الزكاة۔ الله على الثاني
الله تعالى نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے
کہ اس کے ذریعہ سے مال کا باقی ماندہ
جسے حلال و پاکیزہ قرار پائے اور وراثت
اسی لیے ضروری ٹھہرائی ہے تاکہ یہ چھوٹا
والوں کو حصہ مل سکے۔

بروالہ ابو حاتم

راوی کا بیان ہے کہ یہ چاہ رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے (غشی کے ماتھے) نعرہ بکیر بلند کیا۔
(ج) **فہاں نزل کی وضاحت**۔ ۱۔ قرآن مجید میں چند نبوی کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔
یہ انداز بیان اتنا مختصر ہے کہ جب تک حدیث نبوی کے ذریعہ پورا پس منظر سامنے نہ آجائے
مل واقعہ کے بعد خیال نمایاں نہیں ہو سکتے۔ مثلاً

وَ اذ يَجْعَلُكُمْ اللَّهُ احْدَى
الطَّالِفِينَ اَسْمَا لَكُمْ وَ تَوَدُّ ذِي
اَنفٍ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ
لَكُمْ وَ يَمِيرُ بِكُمْ اَتَى اَتَى يَحْيَى
الْعَقَبِ بَكْلًا لَّيًّا وَيَقْظَمُ دَامِ
الْكَافِرِيْنَ۔ (الانفال۔ ۷)

وہ وقت یاد کرو، جب اللہ تعالیٰ تم
سے وعدہ کر رہا تھا۔ دو جماعتوں میں سے
ایک کے لیے کہ وہ تہہ سے اُتے آجائے
گی اود تم چاہ رہے تھے کہ خیر مسیح جہت
تہہ سے اُتے آئے اور اسٹالیکہ اللہ تعالیٰ
کو منظور تھا کہ حق کا حق ہو نہ ثابت کر دے
اپنے احکام سے اود کا فرد کی جہت سے

اس آیت میں غزوہ بدر کی طرف اشارہ ہے حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب صحابہ
ایک اور خیر مسیح جہت سے کہیں سے گزر رہے تھے۔

وَعَلَى الشَّوْكََةِ الشَّوْكََةُ
اللَّهُ تَعَالَى اَنْ تَنْزِلَ بِرَحْمَةٍ رَّحِيمٍ

موجود کیے گئے تھے۔

خُذُوا - (توبہ - ۱۱۸)

یہ تین افراد کون تھے اور کس بنا پر اور کس شکل میں مؤخر رکھے گئے تھے۔ اس کی وضاحت حدیث سے ملتی ہے۔

عَبَسَ وَكُفِيَ أَنتَ جَاءَكَ
الْأَعْمَى - (عبس - ۲۶۱)

قرآن مجید سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پیشانی پر بل کس نے ڈالے اور یہ آنے والا نابینا شخص کون تھا۔ اس آیت کا پورا پس منظر حدیث ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

وَيُحِبُّونَ أَنْ يُعَذِّبُوا بِمَا كُفِّرُوا
يَفْعَلُوا فَلَا تَغْشَيْنَهُمْ غَفْلَةً
مِنْ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ - (آل عمران - ۱۸۸)

اگر اس آیت کا شان نزول معلوم نہ ہو تو قرآن کا طالب علم خواجہ کی طرح اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ جس انسانی کمزوری کا اس آیت میں ذکر ہے اس کی بنا پر کوئی مسلمان بھی خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔

اس آیت کی وضاحت کے لیے مردان نے اپنے خادم کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بھیجا اور ان سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، اس آیت کا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے توہمات کی کوئی بات دریافت کی۔ انہوں نے اندازہ ثمرات اُسے چھپایا۔ اور دوسری بات بتلا کر آپ سے یہ توقع رکھی کہ آپ اُن کی تعریف کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر اس شان نزول کو پیش نظر رکھا جائے تو آیت کے فہم میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر محض اس نسل پر جو آیت میں مذکور ہے عذاب ہونا لازم ہو تو فطر تاہر انسان کے دل میں غشیدہ طبع پر یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ جو کام وہ نہیں کرتا، اس پر بھی لوگ اس کی مدح سراہی کریں اور

ان کاموں کو اس کا کام نہ قرار دیں۔ اس اعتبار سے تو بہت سے مسلمان خدا کے عذاب سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶ بحوالہ صحیح بخاری کتاب التفسیر مذکورہ بالا شاہد و نظائر سن کر کہا جاتا ہے کہ حدیث کی تاریخی حیثیت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اس لیے روایات میں قرآن کے محمل واقعات کا جو پس منظر بیان کیا گیا ہے اُسے قبول کیا جائے گا۔

لیکن یہاں یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ حدیث کی تاریخی حیثیت کو تو تسلیم کر لیا جائے لیکن اس کے تشریحی اور قانونی درجے کو قبول نہ کیا جائے حالانکہ دونوں قسم کی احادیث کے مادی ایک ہی طرح کے اوصاف کے حامل ہیں، مثلاً: اِذَا قُمْتُمْ صِيُوٰی - اَخَاسَ فِرْقَیْ دَجَرٍ؟

(د) موم قرآن کی تخصیص :- قرآن مجید میں بہت سے احکام عام الفاظ میں دیے گئے ہیں۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ کا ظاہری عموم مراد نہیں ہے بلکہ بعض ایسی صورتیں، جن پر قرآن کے عام حکم کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس سے مخصوص یا مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے۔

يُحْيِيكُمْ اَللّٰهُ فِيْ اٰثَرِ اٰلَادِكُمْ اَللّٰهُ تَعَالٰی تَبَارَكَ اُولَادُكَ بَارِے مِی
لِلَّذِیْ كَسِرَ مِثْلَ حَقِّ اَلْاُثْمَانِیْنَ - تم کو وصیت کرتا ہے کہ مرد کے لیے دو
مخدقون صیبا حصہ ہے۔ (نساء - ۱۱)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اولاد بہر حال اپنے ماں باپ کی وارث ہوگی خواہ ان کا کردار یا عقیدہ کیسا ہی ہو۔ لیکن حدیث بتلاتی ہے کہ کافر بیٹا اور باپ کا قاتل وارث نہیں ہو سکتا۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ تَوْصُوْتُ بَهْمَا اس وصیت کے بعد جو تم کرتے ہو اور
اَوْ ذَيْنِ - (النساء - ۱۱) قرض کی ادائیگی کے بعد۔

اس آیت میں وصیت کے جواز کے لیے عام حکم ملتا ہے لیکن حدیث میں ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ مال میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس طرح اصل قریبی وارث دشتہ داروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ حدیث کی یہ تخصیص و تبیین قرآن کے بیان کردہ قانون عدل کے عین مطابق ہے۔
مستأن مجید میں ارشاد ہے،

وَاَنْتَ ذَا الْقُرْبٰی حَقًّا - امد قرابت دار کو اس کا حق ادا کر دو۔

وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ۔۔۔ اپنے چہرے دھو لو۔۔۔

اس آیت میں وضو کا حکم دیا گیا ہے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں، خواہ انسان پہلے سے ہاد وضو یا بے وضو، بظاہر ان دونوں ہی حالتوں میں اس پر وضو فرض کیا گیا ہے لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاد وضو شخص کے لیے تجدد وضو ضروری نہیں ہے، ہاں یہ عمل مزید ثواب کا باعث بن سکتا ہے۔
حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ - (المائتہ ۳۰) تم پر مرد اور حرام کر دیا گیا ہے۔

المیبت کا لفظ عام ہے ہر نوع کے مردے کو شامل ہے۔ لیکن شریعت اسلامیہ مرد بھلی اور
مڈی کو حلال ٹھہراتی ہے۔ یہ تخصیص و استثناء حدیث ہی کی بنا پر عمل میں آیا ہے۔

تیسری قسم :- سرمایہ سنت کی تیسری قسم وہ ہے جو قرآن سے زائد ہے اور قرآن اس
بارے میں بظاہر خاموش ہے۔ سنت سے ثابت شدہ اس طرح کے احکام کے بارے میں یہ کہنا
اپنی جگہ درست ہوگا کہ ان کی کوئی نہ کوئی اصل قرآن میں ضرور پائی جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ ہمیں
اس کا علم نہ ہو سکے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اعلام المؤمنین ابن قیمؒ - ۱۸ - ص ۱۷) بلکہ
سنت سے ثابت بعض احکام ایسے بھی ملتے ہیں جو قرآن کے ظاہری الفاظ کے مخالف ہوتے ہیں
لیکن تعامل اہل اہل بتلاتا ہے کہ کسی قابل ذکر گروہ یا فرقے نے ان سے اختلاف نہیں کیا ہے مثلاً
قرآن مجید نے سکھائے ہوئے، سدھائے ہوئے، شکاری کتے کا شکار حلال ٹھہرایا ہے،
(مائدہ - ۵) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کتا باقاعدہ شکار کے لیے تربیت یافتہ نہ ہو تو اس کا شکار
حلال نہیں ہے۔ اب ایک صعوبت یہ باقی رہ جاتی ہے کہ اگر تربیت یافتہ کتا شکاریں سے کچھ
نکلے تو یہ شکار حلال ہو گیا نہیں؟ اس بارے میں کوئی واضح ضابطہ قرآن میں نہیں ملتا، لیکن
حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکار بھی حرام ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الصيد والذباح - بحوالہ ابو داؤد)
قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ غرم کے لیے مطلقاً شکار منوع ہے، اور جو عمداً شکار کرے اس پر
جزاء واجب کی ہے، (المائدہ - ۹۶) لیکن جو اہم میں غلطی سے شکار کر ڈالے اس کی جزا کو
فرعیت کیا ہوگی؟ اس سے قرآن خاموش ہے لیکن حدیث نے اس کو واضح کیا ہے کہ عمداً اور غلط
دونوں صورتیں جزا کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ۔ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں
(نساء-۲۳) رکھنا تمہارے اوپر حرام کہہ دیا گیا ہے۔

لیکن حدیث اسی پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور
بیٹی کو بھی بیک وقت نکاح میں رکھنے سے روکتی ہے۔ بظاہر اس اضافے کی کوئی بنیاد
زمان میں نہیں ملتی، لیکن اگر وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ کی علت پر غور کیا جائے
تو قرآن ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اصل بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی دو بہنوں
کو سوکنوں کی شکل میں رکھنا ان کے رشتہ اخوت کو قطع کرنے کے ہم معنی ہے۔ یہی علت
مالہ، بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کی ممانعت میں بھی پائی جاتی ہے۔
اس کی وضاحت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے موقع پر فرمادی ہے۔ وَاِذَا فَعَلْتَ
ذَٰلِكَ فَطَعَّمْهُ مِنْ رِجْلِكَ۔ اور جب تم یہ کام کرو گے تو اپنی قرابتیں کاٹ ڈالو گے۔
نیل الاوطار کتاب النکاح بحوالہ ابن حبان۔ الموافقات شاطبی ج ۳ ص ۱۹۲)

قرآن میں رضاعی رشتے صرف دو حرام قرار دیے گئے ہیں۔ ماں اور بہن۔ (النساء-۱۵۲)
لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی متعدد رشتے رضاعت کی بنا پر حرام ہیں۔
(مشکوٰۃ ج ۲ باب المومات بحوالہ صحیح بخاری)

قرآن مجید میں ایک واضح اصول کے ماتحت نواقض وضو کا ذکر کیا گیا ہے، سنت سے
معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ نیند اور دُور سے خارج شدہ سبب بھی نواقض وضو میں شامل
ہے۔

قرآن نے غر کو حرام ٹھہرایا ہے۔ لفظ خمر سے بظاہر شراب کی اتنی ہی مقدار کی حرمت
ثابت ہوتی ہے جو نشہ آدہ ہو لیکن حدیث نے مزید بتلایا۔ مَا اسْكُرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ
حرام۔ (مشکوٰۃ باب بیان الخمر بحوالہ ترمذی و ابو داؤد) جس مشروب کی زیادہ مقدار
نشہ آدہ ہو اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ یہ ممانعت، اصول سبذریعہ کی بنیاد پر ہے۔
اب چند مثالیں ایسی بیان کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث یا اجماع امت
کی بنا پر قرآن کا ظاہر مفہوم ترک کر دیا جاتا ہے۔ مَثَلًا رَبَّائِبُكُمْ الشَّقِي فَيُتَجَمَّعُ

کُتْمَہ (نمبر- ۲۳) تم پر وہ بریلیہ وکیاں حرام ہیں جو تنہا ہی نگرانی میں پروردگار سے پناہ مانگ رہی ہوں۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رہائش گاہ پر صحت حرام ہیں خواہ وہ زیر پرورش ہوں یا نہ ہوں۔ اس آیت میں "ف" وجودِ رحمہ کی قید محض اظہارِ واقعہ کے لیے ہے۔ کسی قانونی پابندی کے انشاء کے لیے نہیں ہے۔ (ابن کثیر رحمہ اللہ بحوالہ بخاری، مسلم۔)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقُصُّوا
اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں ضائع
مِنْ الْقُلُوبِ اِنْ يَخْشَوْنَ اَنْ
گے تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر
يَقْبِلَكُمُ الْاِيْمَانُ كَفَسًا ۱۔ نماز میں اختصار کر دو۔

(نمبر- ۱۰۱)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن سے خوف کی حالت ہی میں نماز قصر کی جاسکتی ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت ہو یا امن کی، دونوں صودقوں میں بحالتِ سفر قصر کی جاسکتی ہے۔ بلکہ بعض ائمہ کرام کے نزدیک قصر واجب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اَلْبَسُوا
اے ایمان والو! تم پر قصاص لازم
عَلَيْكُمْ الْقِمَامَ فِي الْقِتَالِ
کیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے
اَنْحِثْ بِاُخْتِكَ وَالْمَسْكِينَةَ بِالْعَبْدِ
غلام، غلام کے بدلے۔ عورت،
وَالْاُنْثَى بِالْاُنْثَى۔ (بقرہ- ۱۷۹) عورت کے بدلے۔

اس آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر ڈالے تو وہ مرد قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں عام مسلمان یکساں ہیں۔ تنکافاً و ماثلاً۔ اس لیے عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے گا۔ (ابن کثیر رحمہ اللہ)

اِنَّ الصَّغَارَ الْمَرْذُوقَةَ مِنْ ثَمَنِ الْبَيْتِ
بیشک صغار، مردہ پہاڑیاں

ساتھ دو وکیاں جو عورت کے پہلے خاوند سے ہوں، دوسرے خاوند کے لیے عہد بائیں ہوں گے

اَللّٰهُ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوْ اعْتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطُوفَ
مِیْهُمَا -
اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں
تو جس نے حج یا عمرہ کیا تو اس پر
کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنی طرفوں
کا طواف کرے۔ (بقرہ - ۱۵۹)

اس آیت سے بظاہر مفاد مردہ کے طواف (سعی) کا جواز معلوم ہوتا ہے، یعنی
اگر کوئی ایسا کر لے تو کسی قسم کا گناہ لازم نہ آئے گا، لیکن حدیث میں اس آیت کا بڑی نظر
بیان ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفاد مردہ کا طواف واجب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر
ج ۱ ص ۱۹۹ بحوالہ بخاری، مسلم)

لَا تُكْرَهُوْا فِیْكُمْ عَلٰی
الْبِغَاوِیْنِ اِذْ ذُنَّ اَتَّخَفْتُمْ
اپنی لونڈیوں کو نہ تا پہ مجبور نہ کرو۔
اگر وہ عفت و پاکبازی کی زندگی
گزارنا چاہتی ہوں۔ (نور - ۳۳)

اِنَّ اَزْذَنْ تَعَفُّنَا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ لونڈیاں عصمت و پاکدامنی
کے بجائے کسی اور وجہ سے بدکاری پر آمادہ نہ ہوں تو ان کو اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔
حدیث میں اس آیت کا جو شان نزول بیان ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِذْ
اَزْذَنْ تَعَفُّنَا کی قید اتفاقی یعنی اظہار واقعہ کے لیے ہے، احترازی نہیں ہے۔ (ابن کثیر
ج ۳ ص ۲۸۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احادیث اپنے مطالب و مضامین کے لحاظ سے تین حصوں میں
تقسیم ہو سکتی ہیں (۱) قرآن کے مترادف (مہم معنی) - (۲) قرآن سے زائد یعنی اس کے اجمال
کی تفصیل یا عموم کی تخصیص وغیرہ - (۳) ایک الگ حکم کا اثبات جس سے بظاہر قرآن ساکت
ہے، بلکہ بعض مواقع پر قرآن کا ظاہری مفہوم حدیث سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی
سے عدم تضادم احد عدم مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ صرف پہلی قسم کی احادیث کو قبول کیا جائے
باقی دونوں قسموں کو رد کر دیا جائے تو اس طرح کا خیال امت کے متفقہ تعامل کے یکسر خلاف
ہے۔ اس متفقہ تعامل کو قرآن نے سبیل اللہ منین قرار دیا ہے اور اس سے انحراف بد

غذاب جہنم کی شدید عید شائی ہے۔

اگر پہلی قسم کی احادیث ہی کو قبول کیا جائے تو یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ پہلی قسم کی احادیث تو قرآن کے ہم معنی ہیں۔ ان کے قبول یا عدم قبول سے دینی معاملات میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بہر حال اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ دوسری احادیثی قسم کی روایات کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن کا صحیح مفہوم ہی عقل اند پر گندہ ہو کر رہ جائے گا اور نئے نئے مفسرین جب سنت سے بے نیاز ہو کر قرآن کی تفسیر کریں گے تو امت کی وحدت پارہ پارہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے گی۔ مذکورہ بالا شواہد و نظائر سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ (باقی)

مولانا امین حسن اضلاعی

کی معرکتہ الآراء تصنیف

تزکیہ نفس

اسلامی تصوف

یا

اسلام کا مطلوبہ تزکیہ علم و عمل سمجھنے کے لئے اس کتاب کا ضروری مطالعہ منسلک

قیمت: قسم اول — چھ روپے

قسم دوم — چار روپے پچاس پیسے (محول ڈاک ملاوہ)

قسم سوم — تین روپے پچھتر پیسے

مکتبہ کا پتہ

مکتبہ "مِثاق" رحمان پورہ - اچھرہ - لاہور - ۱۲

افادات فراہی

از جناب خالہ مسعود رضا

اصول تفسیر

(۱)
رضائے الہی کا حصول، عہدِ فطرت کا ایفاء، خدا کی غلامی اور اس پر ولی خوشی اور اطہیان کی کیفیت انتہائے
سعادت ہے۔ اس انتہائے سعادت تک پہنچنے کا وسیلہ قرآن مجید ہے فائدہ اٹھانا، اسے سیکھنا اور سکھانا، اس
پہل کرنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا ہے۔ قرآن کریم سے قیلق ایمان و اسلام کی تصدیق اور جو مذکر فطرت
انسانی کی تکمیل ہے۔ یہی انتہائے سعادت کی طرف بلند ترین ذریعہ ہے، جبکہ نچلا ذریعہ انسان کی صفتِ خلق کرنا
ہے۔ چنانچہ انسان کی قلبی و ذہنی صفات کی تکمیل اس کی صفتِ گویائی ہی کی مرہونِ منت ہے انسان کی یہ صفت
الکرمی صفت پر ارتقا کرے تو اس کی منزل قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے اور پڑھنے والا اسی لئے
بنایا ہے کہ وہ اس ہدایت کو حاصل کر سکے جس کا وعدہ اس کے رب نے اس کے ساتھ کر رکھا ہے اور کلام
پڑھنے کے قابل ہو سکے تاکہ خدا کے تارے ہوئے نور سے روشنی پائے اور خدا کی نعمت اور رحمت کی
اس تکمیل ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَوْ شِئْنَا عَظَمَ الْقُرْآنَ خَلَقْنَا إِنْسَانًا عَلِيمًا
خُدائے رحمان نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے اس کو پڑنا سکھایا۔ (الاقصص ۱-۴)

دیکھو، ہم نے جو کچھ اوپر کہا ہے، اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کتنے اختصار کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے۔ ابتدا اپنی ذات کے ذکر سے کی کیونکہ وہی رحمت اور تعلیم کی ابتدا کرنے والا ہے۔ پھر یہ بیان کہ خدا کی رحمت کی تکمیل یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کی تعلیم دی۔ اور اس نے ہمیں اس لئے زندگی بخشی جو دنیا سکھایا کہ تم یہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہمیں سے بہن ماجہ کی اس ہدایت کی حکمت

موضع ہوتی ہے کہ خیر مکتبہ میں تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ اتم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن کیجھے اور کھائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو چونکہ خود خدا سے سیکھا اور امت کو اس کی تعلیم دی اس لیے حضور بلا شک و شبہ سب سے بہتر انسان تھے حضور کے بعد لوگوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جنہیں حضور نے تعلیم دی اور انہوں نے آگے یہ علم پھیلا یا علیٰ ہذا القیاس فرق مراتب اسباب و مسائل کی کثرت و قلت اور خلوص بیت اور استغفال کی کمی بیشی کے مطابق وہ سرے لوگوں کا وہ ہے پروردگار کی تعلیم قبول کرنے والا اس کے بندوں تک اس کو پہچانے سے بڑی بھلائی کیا ہو سکتی ہے؟ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر خیر و برکت کی چیز بھلا کیا ہوگی کہ وہ اس مقصود کو پالے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا؟ اگر تم یہ کہو کہ خدا نے انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تھا پھر وہ قرآن کے سیکھنے کھانے کی ترغیب کیوں دیتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہر قوم خدا ہی کی عبادت کی جویدار ہے مگر اس کی عبادت باطل اور ضائع ہوتی ہے جب تک رب کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق نہ ہو۔ قرآن تو ہے ہی رب کی تعلیم اور ہدایت۔ اس اعتبار سے یہ عبادت کی بنیاد اس کا محور اور عبودیت کا مغز اور جوہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی کلدت عبادت قرار پائی ہے۔

قرضیہ تدریس قرآن | قرآن مجید سے استفادہ کا دار و مدار اس کے سمجھنے پر ہے۔ کوئی بھی کلام اس وقت تک سمجھ نہیں سکتا جب تک کہ اس کے اجزاء اور ان کی ترکیب کو نہ سمجھا جائے۔ یہ کام بڑا محروم و کمزور ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں نے جب آیات اللہ میں غور و فکر ترک کر دیا تو سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دینے لگ گئے۔ حقیقت کتنی تکلیف دہ ہے کہ اہل حق کے ہاں حق و باطل شتیبہ بہ بائیں اور اہل کفر کے اندیش کی بجائے باطل کی صحبت پیدا ہو جائے۔ قرآن مجید میں مذکور و تفکر کے فرائض کئی آیات میں احساس دلایا گیا ہے بعض آیات میں مذکور فکر کے مواقع تو بتلوئے گئے ہیں مگر تدریس کے بعد ان سے جو حقیقت نکلتی ہے وہ بیان نہیں کی گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے ساتھ ساتھ حکمت کی تعلیم دینے پر بھی مامور تھے چنانچہ حضور نے اہل تعلیم بھی دی اس کا شوق بھی دلایا اور اس کے طریقوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی حضور کا دستور یہ تھا کہ کبھی کبھی صحابہ کرام کے سامنے کوئی مسئلہ پیش فرمادیتے تاکہ اس سے وہ خود استفادہ کریں مثلاً ابن عمرؓ کی دعا میں ہے کہ

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ دعوتوں میں وہ کونسا وقت ہے جس کے پتے نہیں چھوٹتے اور

وہ مسلمان سے شائبہ بہت رکھتا ہے۔ لوگ صحابہ کے دفتروں پر سوچنے لگے۔ عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں کجبر کے درخت کا خیال گزرا۔ پھر لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ حضور نے فرمایا: ”یہ کجبر کا درخت ہے۔“

حضور نے سوال کرنے سے بھی منع فرمایا تھا۔ منع سوال کا مقصد دوسرے مصالح کے علاوہ یہ تھا کہ لوگ خود بھی عقل اور سمجھ کو استعمال کریں صحیح بخاری باب العلم میں حضرت ثابت بن النضیر سے روایت ہے کہ: ”ہمیں قرآن کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کہنے سے روکا گیا تھا۔ ہمیں اس بات سے خوشی ہوئی کہ اب بادیہ میں سے کوئی عقل مند آدمی اگر حضور سے سوال کرے۔ ہم ایسے شخص کی بات غور میں لیتے تھے۔“

یہاں حضرت ثابتؓ کا منع سوال سے اشارہ آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسْأَلُوا سَأَالًا لَّا يَمْلِكُ الْغَافِلُونَ“ سے کیا گیا ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تمہارے لئے غلام کر دی جائیں تو تمہیں بتا دیں گی۔ اس کی طرف سے اشارہ عقل مند آدمی کہنے سے ان کی مراد شاید یہ ہے کہ وہ کسی اہم اور مفید معاملہ میں سوال کرتا۔

صحابہ کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی مجلسوں میں قرآن مجید کے معانی کے بارے میں سوال کرتے اور ان پر سوچا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ لوگوں سے پوچھا کہ سورہ نصر میں کس بات کا اشارہ ہے۔ مجلس میں جتنے بڑے لوگ تھے ان میں سے کوئی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی رائے ظاہر کی جس کی حضرت عمرؓ نے تصدیق کی۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کے اندر فہم قرآن اور تفہم فی الدین کا شوق دیکھا تو ان پر زیادہ عنایت کرنے لگے۔

علم اصول تاویل کی تدوین کی ضرورت | جہاں تک تاویل قرآن کریم کا ایک اہم علم قرار دینے کا تعلق ہے، ہمارے علماء نے اس صورت فقہ کی ضرورت کو

اس سے دین کیلئے کے مقصد کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اس علم پر اس طرح کا کام نہ ہو سکا جو ایک مستند فقیہ کے لئے جونا چاہیے تھا۔ ہم نے کما س کا استعمال ایک مجدد ائمہ میں ہوتا رہا اس لئے اس میں احتیاط بھی نہ ہو سکی جو اصول دین کے لئے کی جاتی ہے۔ یہ بات مخفی نہیں کہ دین کے اہم مقاصد نفس

سریندی، حنفیوں کی تربیت اور ظاہری اعمال یعنی اخلاق و خطایا و شراعی کی اصلاح میں۔ قرآنی مجاہدین ان سب کی طرف نہایت اہم طریقہ سے رہنمائی فرمائی ہے۔ یہ سب اجزاء باہم درگمے ہوئے ہیں اور ان کے جمع ہونے پر ان کی غایت اور مطلوب تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ انہی تینوں کی بنا پر تین علوم پیدا ہوئے۔ علم اخلاق و مواظبہ، علم کلام اور علم فقہ۔ علم تاویل کو اگر فقہ تک ہی محدود رکھا جائے تو علم اخلاق اور علم کلام اس کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے اخلاق و عقائد و عبادت کی بحثوں میں اپنی دلیک "تاویلات تک کے لئے بھی قرآن کو استعمال کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کو نہ صرف فقہ بلکہ پورے علم دین کی اصل قرار دیا جائے اور فقہ تاویل کو اس طرح مدون کیا جائے کہ اسے ہر وہ شخص استعمال کر سکے جو قرآن میں سے کوئی سا علم بھی حاصل کرنا چاہتا ہو۔

علم نظام

ادب کی بحث سے دین کے نظام میں اور انسان کی اصلاح میں قرآن کی تعلیم و تعلم کا جو مقام ہے، بخوبی معلوم ہو چکا ہے اب اس بات پر غور کرو کہ کچھ بغیر قرآن کا کیسے کیا ممکن ہے؟ کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ تکلم نے جس مقصد کے لئے اپنے کلام اور اسلوب بیان کو ذریعہ بنایا ہے، تم اس مقصد کے واقف ہو سکو گے جب تک کہ نہیں کلام کے مختلف حصوں کا اجمالی طور پر تعلق معلوم نہ ہو، اس کی مشکلات کا اندازہ تمہیں نہ ہو اور ربط کلام کے صحیح پہلوؤں کو تم الگ الگ نہ کر لو؟ ایک جگہ دوسرے جگہ سے کئی اعتبار مروط سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے موقعوں پر جو شخص جملوں کے ربط کا صحیح پہلو نہیں سمجھ سکتا یا اس کی تعین میں غلط کر دیتا ہے تو وہ اصل مفہوم کو کھو بیٹھتا ہے اور کلام میں جو علم و حکمت پائی جاتی ہے، اس سے وہ مطلع نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ تم کلام کے مختلف حصوں کا تعلق نہ مانے بغیر کلام کو سمجھ لو گے کیونکہ جب تم اس کے ایک طویل حصہ پر غور کرو گے تو اس کا کچھ مفہوم ذہن سے اتر جائے گا۔ پھر جب ایک حصے کے اجزاء کا تعلق سمجھنا چاہو گے تو دوسری طرف کے بعض پہلو نظر انداز ہو جائیں گے۔ اس طرح اجزاء کے کلام کی حقیقتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی، اس کے بقدر تم کلام کو نہیں سمجھ سکتے لیکن اگر یہ نسبتیں تم سمجھ جاؤ دیکھ لو کہ وہ عبارت بالکل مروط کلام سے جو ایک ہی جود رکھتی ہے، تو اس کا حسی بیان تم پر ظاہر ہو گا۔ معلوم ہوا کہ معرفت نظام ہی تدبر قرآن کی کنجی ہے۔

دین میں علم نظام کی اہمیت | جو لوگ علم نظام کی ضرورت کے تقاضا کی نہیں، ان کا ایک خطرناک گمراہی ہے کہ علم نظام اپنی مشکلات و دشواریوں اور غلطی کے اعلان

وجہ سے مہات دین میں سے نہیں، اس لئے ہمیں زیادہ اہم اور زیادہ نافع چیزوں ہی کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ من حسن اسلام المرء ثروث ما لا یحینہ (آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جو اس کے لئے مفید نہیں) ان لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ نظم کلام کے لطیف نکات تلاش کرنا اور بلاغت کے پہلوؤں کا استنباط کرنا فرصت کا کام ہے۔ جو شخص اس علم کو مہات علوم میں شمار کرے اور طلبہ کو اس پر آمادہ کرے، وہ انہیں ایک واجب بٹا کر دوسری طرف لگا دیتا ہے اور اس طرح نظام تعلیم میں دخل اندازی کرتا ہے۔ یہ شبہ ہم نے بعض ایسے لوگوں سے بھی سنا ہے جو نظم قرآن کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن اس لئے نازل ہوا کہ ہم اس پر عمل کریں اور اس کے نور سے ہدایت حاصل کریں۔ یہ اس لئے نہیں آیا کہ ہم اس کے لطافت اور اس کی بلاغت کے نکات تلاش کرنے کے درپے ہوں۔ تم نے دیکھا کہ باطل اپنا کام کرنے سے غافل نہیں ہوتا اور لوگوں تک پہنچنے کا راستہ تلاش کرنا اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ اس کا اگر ایک راستہ نہ کر دے تو دوسری جانب سے آدھکے گا۔ اللہ کی توفیق سے میں اس شبہ کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ اعتراض کر بولے ہماری بات نہیں سمجھتے۔ بلاغت کے نکات اور احکام کے پہلوؤں کا کرنا ہمارے نزدیک مقصود بالذات ہے اور وہی اصل غایت ہے۔ بلکہ نظام کلام کا جاننا اور آیات کے مفہوم کے ربط کا تلاش کرنا بھی ہمارا مطلوب نہیں۔ بیتام چیزیں اسباب ہیں مقصود قرآن کے بیانی کا مفہوم سمجھنا ہے۔ علم نظم اسی تدبر کا ایک وسیلہ ہے کیا اب بھی تم یہی گمان رکھو گے کہ تم اس سے متغنی ہو اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکمت، نور اور شفا کے حشریوں کے جاننے کی کوئی ضرورت نہیں، کیا تم پسند کرو گے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار کرو، جن کا قول یہ ہے کہ خدا کا دامن و نواہی جانتے کیلئے ہمارے لئے فقہ کی کتابیں کافی ہیں اور قرآن کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ظاہری احکام عباد اور عینوں سے وابستہ ہوتے ہیں اور عقاید اور عینیں باطن اخلاق سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح افراد کی درستگی کا دار مدار حاجت کی درستگی پر ہے اور حاجت کی درستگی کے لئے حکمت و تدبیر کے بعد نفسی اصول و کار ہوتے ہیں جب تک تمام کام ٹھیک ہوتے رہیں جیسے صحت کی حالت میں طبیعت رواں ہوتی ہے، اس وقت تک انقطاع و نیات کی درستگی اور اصلاح کے اصولوں کی حاجت نہیں کم ہوتی ہے لیکن جب فساد غالب آجائے، عقائد خراب ہو جائیں، بول بھلائی، فساد کا نظام متشرب ہو جائے، شریعت کا نظم پارہ پارہ ہو جائے اور ہمت و ہوائے نفس کی ہمت غالب آئے

لئے، اس وقت ہمیں اس بات کی شدید حاجت ہوتی ہے کہ خدائی حکمت معلوم کریں اشفاقا کا راستہ جانیں
 ہر دینی اختلافات کے فتنوں سے بچنے کی راہ تلاش کریں۔ یہ حکمت اور ہدایت قرآن حکیم سے حاصل ہو سکتی
 ہے۔ جیسے خود خدا نے نور اور شفا کا نام دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی حکمت سے کیا ایک ایسا آدمی واقف
 ہو سکتا ہے جو ہر اکے ایک جھوٹے یا ایک سوار کی سرعت کے ساتھ قرآن کے پاس سے نکل جائے؟ اگر
 ایسا ممکن ہو تا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آیات میں تفکر و تدبر کا حکم کیوں دیا تھا؟ اگر آیات میں معارف کے
 خواہی پر مشیدہ تھے تو تفکر و تدبر کا فائدہ کیا تھا؟ اگر مندراگمان یہ ہو کہ قرآن مجید کے معارف مکمل طور پر اس
 کی آیات میں بیان ہو گئے ہیں، چاہے کوئی نظم کو سمجھے یا نہ سمجھے بلوں کے نقصانات سے واقف ہو سکتا ہے۔
 جس طرح اصل قیمت ہواہر کی ہوتی ہے، انہیں ایک لڑی میں پرونا ضروری نہیں تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ
 گمان اس لئے پیدا ہوا کہ تم یہ سمجھتے نہیں کہ ہر رکب میں ترکیب اور نظم کی اہمیت ہوتی کیلئے۔ اور قرآن میں
 یہ چیز کتنی ضروری ہے۔ لب ہم خدا کی توفیق سے اس پر گفتگو کرتے ہیں۔

۱۔ اپنے ارد گرد اور اوپر نیچے کی موجودات پر نگاہ دوڑاؤ۔ تم دیکھو گے

معرفت نظام کی ضرورت

کہ یہ نفع بخشی اور تمتع کے لئے ترکیب دی گئی ہیں۔ ان کے منافع
 و عاص کا بڑا حصہ ترکیب ہی میں پوشیدہ ہے۔ اگر چاہو تو یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ ہر شے کی اصل ماہیت
 اور اس کے وجود کی حقیقت ترکیب ہی ہے۔ اس کی ترکیب ختم کر دو تو کچھ باقی نہ رہے۔ اسی نے صنعت
 و کمال کا راز بھی دست ترکیب ہی میں پنہاں ہے اور ترکیب کی مضبوطی یا کمزوری ہی کی بنا پر بنانے والے
 کی مدد و دم کی جاتی ہے۔ اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس کی ترکیب پر ہوتا ہے۔ گویا ترکیب ہی ہر چیز
 کی بنیاد ہے اور حقیقت اہل عقل سے پوشیدہ نہیں۔

اب کلام میں ترکیب کی اہمیت پر غور کرو۔ کلام کے تمام حصے آپس میں منقل ہوتے ہیں اور ترکیب
 کے بعدہ و معنی بنتے ہیں۔ ان کی صورت ترکیبی ہی کلام کے معنی متعین کرتی ہے کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ ایک
 خاص لفظ میں جب حروف ایک خاص ترتیب سے آتے ہیں تو اس میں معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک جملہ میں کلام
 کی ترتیب کا بھی یہی حال ہے۔ وہاں بھی جملہ کے معانی کلمات کی ترتیب سے متعین ہوتے ہیں۔ پھر مختلف جملوں
 ترکیب ہی کے نتیجہ میں ایک عمدہ کلام، ایک پسندیدہ گفتار اور ایک حکیمانہ بحث پیدا ہوتی ہے۔ جو علم و فضل و
 فصاحت و بلاغت پر مشتمل ہوتی ہے پس اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام میں خوبی اس کے نظام ہی سے پیدا

ہوتی ہے اور بلاغت کے لحاظ سے وہ اگر ادبنا ہوتا ہے تو اپنے اجزاء کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے نظم و ترتیب کی بنا پر ادبنا ہوتا ہے، لہذا کوئی شخص اگر کلام کے حسن بیان، قوت استدلال، اس کی تاثیر اور اس کی پریشیدہ حکمت سے واقف ہونا چاہیے تو اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ اس کے جملوں کی ترکیب کو سمجھے۔

اگر تمہیں ہمارے اس بیان پر اب بھی شک ہو یا تم مزید اطمینان یا وضاحت چاہو تو ایک فصیح و بلیغ خطبہ دوسرے میں زربیب و زریب ہو، امثالی ہوں و محبت و استمدلال ہو۔ اب اس خطبہ کا نظام درہم برہم کر دو اور جملوں کو مطالب کی رعایت کئے بغیر آگے پیچھے کر دو۔ اب دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ اس کے دعویٰ و دلیل کا تعلق اس کی مقدمات سے مقاصد تک تدریج، ضروری مقامات پر وضاحت، اس کا حسن بیان، کمالی بلاغت، اس کے مطالب، فوائد، حلی شہادت اور تاریخی، اخلاقی اور حکیمانہ معارف کا بیان کس طرح تاپید ہو جاتا ہے۔ نظام ختم ہونے پر اس حکیمانہ خطبہ کی حیثیت ہر بیان کی سی ہو جاتی ہے۔

۲۔ عام باتیں مرتب ہو کر اعلیٰ حقیقتوں تک پہنچاتی ہیں نظم کلام ہی ہے حمان اعلیٰ حقیقتوں اور حکمتوں تک پہنچائی کرتا ہے، یہی اعلیٰ حقیقتیں اصل غایت ہوتی ہیں جو شخص نظم کو نہیں سمجھتا وہ ان حقائق و حکمتوں اور غایتوں سے بے خبر رہتا ہے چنانچہ ایسے شخص کا حصہ اعتقاد و عمل میں کم رہ جاتا ہے صحیح عقاید کی آدمی کو خبر نہ ہونے میں ممکن ہے کہ وہ پروردگار کے بارے میں سوچنے میں مبتلا ہو جائے اور اس کے ساتھ اس کی صحیح نسبت قائم نہ رہے۔ اعمال کا دار و مدار بینوں پر ہے اور یہ عقاید ہی سے پھوٹتے ہیں، اس لئے ان کی حکمتوں اور غایتوں سے کم علمی آدمی کے لئے ان کی قرار واقعی بجا آوری کا دروازہ بند کر دے سکتی ہے مثلاً نماز میں ذکر کا فقدان یا زکوٰۃ میں تقویٰ کا فقدان ہو جاتے بعض اوقات یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ آدمی یا کلیہ ہی بعض اعمال کو ترک کر دے، جیسے بہت سے لوگ اللہ سے اعمال حج کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح قدر دان اور علیم ہے اسی طرح بخشش والا اور علم والا بھی ہے مگر جاننے والے اور نہ جاننے والے کیا برابر ہو سکتے ہیں؟

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے جس طرح احکام کی تعلیم کے لئے بھیجا اسی طرح حکمت کی تعلیم کے لئے بھی مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کو حکمت ہی کے ساتھ مربوط فرمایا اور اسے خیر کثیر کا نام دیا ہے۔ جو شخص اس حکمت سے غافل ہو جائے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصد، اپنے دین کی تکمیل اور اپنے نبی کی تعلیم کو نظر انداز کرتا ہے اور حضور کا قرار واقعی اتباع نہیں کرتا۔ اگرچہ ضروری نہیں کہ انسانی غایت مطلوب کو پہنچ جائے مگر ہماری طرف سے اس کی کوشش لازم ہے۔ انسان کی کوشش کے مطابق ہی اس کا

اپنا فضل اسے عطا کرتا ہے۔

۴۔ تاویل قرآن میں ہمارے ہاں بڑا اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہمارے عقائد مختلف ہوئے اور ہمارے دلوں کی اُلفت ختم ہوئی، یہ نظم کی خاصیت ہے کہ وہ تمام امور کو ایک وحدت کی نظر پھیرتا ہے اور مفہوم کے اختلاف کو ختم کرتا ہے۔

اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور ہر سورہ کامرکزی مضمون واضح طور پر سبکے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے اور سب کے منہ سے ایک ہی صدا بلند ہوتی۔

کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ
اور سب اللہ کی دسی کو مضبوط پکڑو اور منتشر نہ ہو۔
لیکن جب صورت اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے اور لوگوں نے اس جل اللہ المتین کو جس کی تعریف یہ ہے کہ
لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ
جس کے اندر باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہوتا ہے نہ اس کے پیچھے سے۔

ٹکڑے ٹکڑے سمجھ رکھا ہے تو اس اختلاف سے نجات کی کیا شکل ہو سکتی ہے؛ حالت یہ ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق قرآن کی تاویل کر رہا ہے اور کلام کو اس کی صحیح سمت سے ہٹا کر جس وادی میں چاہتا ہے اس کو گھسیٹے پھرتا ہے۔ ایسی حالت میں نظم کلام ہی کلام کے صحیح سمت کو متعین کرنے والی واحد چیز ہو سکتی ہے، اسی سے اہل بدعت و ضلالت اور اصحاب تحریف کی کج رویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے اور خدا کا کلام ان کی غلط تاویلوں اور تحریفوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۵۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے افضل اور پابندہ تر مضبوط ترین اور واضح ترین دلیل خود قرآن مجید ہے۔ ہم یہ بات بالبداهت جانتے ہیں کہ حسن ترتیب ایک بلند کلام کی سب سے بڑی خوبی ہے، ہم اعجاز قرآن پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ پس کیا ہم پسند کریں گے کہ قرآن کو حسن ترتیب سے عاری قرار دیں؟ ہم اس کے معافی کے ربط اور اس کے لوازم میں خود وفادار کرنے کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ ہم کسی بھی عقائد و پختہ کار آدمی کے کلام کو ترتیب سے عاری کر کے خوش نہیں ہو سکتے؟ کتنی دفعہ ایسا

ہوتا ہے کہ ایک فصیح و بلیغ خطیب جو حسن بیان سے لوگوں کو فریفتہ کر لیتا ہے، اُکی قدر تمہارے دل سے اس لئے اٹھ جاتی ہے کہ اس نے ربط کلام سے غفلت برتی اور ایک وادی سے دوسری وادی میں چلنے لگ گیا۔ وہ چاہے اپنے خطاب کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دینے کے لئے معذور ہو مگر یہ رویہ عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ایک بلیغ کلام سورۃ ترتیب کو برداشت ہرگز نہیں کرتا۔ اگر مرقعہ یہی ہے تو حجاز قرآن پر ایمان رکھنے والے آدمی کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ وہ قرآن میں حسن نظم اور اس کی ترتیب کی نجائی کو ثابت کرے۔

امام رازی تفسیر سورہ انفعام میں آیت وَإِذَا جَاءَتْكَ الْذِّكْرُ بَوَّابُونَ بِآيَاتِنَا کے تحت اس کے سبب نزول کی مختلف روایات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”مجھے یہاں ایک سخت اشکال پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ پوری سورہ بیک وقت نازل ہوئی تھی۔ اگر صورت معاملہ یہ ہے تو پھر ہر آیت کے بارہا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا سبب نزول فلاں واقعہ ہے۔“

اس مشکل کا ذکر زیادہ وضاحت کے ساتھ انہوں نے سورہ قہم سورہ کی آیت وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (الانبیاء) کے تحت کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

”اس آیت کے شان نزول کے بارہ میں یہ روایت ہے کہ کفار نے ازراہ شرارت کہا کہ قرآن مجید کسی بھی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا تو یہ آیت اتری میرے نزدیک اس طرح کی باتوں سے قرآن مجید پر سخت اعتراض لازم آتا ہے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن میں باہر کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ چیز قرآن مجید پر ایک بڑے اعتراض کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس اعتراض کے ہوتے ہوئے قرآن کو ایک مجزہ ثابت کرنا نا اہلگ رہا ہم اس کے ایک نظم کتاب ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے لے کر آخر تک بالکل مسلسل کلام ہے۔“

اس کے بعد سورہ کے مضمون پر اجمالاً گفتگو کر کے فرماتے ہیں:-

ہر شخص جس میں انصاف ہو گا وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر آیت کی تفسیر کی جائے
جو ہم نے کی ہے تو یہ سورہ شروع سے لیکر آخر تک ایسے منظم کلام کی صورت میں نکل
جاتی ہے جس میں ایک خاص موضوع پیش نظر رکھا گیا ہو۔ اور یقیناً یہ تفسیر اس تفسیر
سے کہیں بہتر ہوگی۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں۔“

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سُورَةُ الْقُرْآنِ

(تفسیر آیتِ پانچم سورۃ فاتحہ)

جس کے مطالعہ سے

- قرآن مجید میں غمزدگی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔
- آیت بسم اللہ سورہ فاتحہ کی حقیقت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اور

- قرآن فہمی کی راہیں کھلتی ہیں۔
- قیمت: ۷۵ پیسے (علاوہ محصولاٹ)

ملنے کا نکتہ

مکتبہ میثاق رحمان پورہ۔ اچھرہ۔ لاہور۔ ۱۲

اقتباسات و ترجمہ
بنا ب خالہ مسعود صاحب

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

بیسویں صدی سائنس کی فتنہ یوں کی صدی ہے۔ انسان نے اس صدی میں مادی اعتبار سے اتنی کامیابی حاصل کی ہے جس کی مثال پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ مصر، یونان اور روما کی ترقی عظیم الشان رہی ہوگی، لیکن ہمارے زمانے میں انسان نے قدرت کی اس قدر طاقتیں مسخر کی ہیں کہ گزشتہ اقوام کی ترقیاں اس تسخیر کے سامنے حقیر معلوم ہوتی ہیں۔ انہی حیرت انگیز کامیابیوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارے فلسفین اپنے آپ کو خدا کی کائنات کا راز دان سمجھنے لگے ہیں۔ ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ آج کے انسان نے قدرت کے پوشیدہ کارخانوں کا بھی کھوج لگا لیا ہے۔ اس غلط فہمی میں سائنسدان تو مبتلا نہیں، اس وجہ سے کہ ان کے فوق جہز کو ہمیں ملتی ہی اس خیال سے ہے کہ کائنات لامحدود ہے اور انسان کا علم ابھی اتنا نہیں کہ اس کا احاطہ کر سکے اور انسان اگر کسی وقت مطمئن ہو کے بیٹھ رہے تو قدرت کے خزانے دبیے کے دبیے رہ جائیں گے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا وہی لوگ ہیں جو سائنس کے کرشموں سے مرعوب ہیں۔ جن کے نزدیک خواہاذوں کا کرۂ زمین کے گرد گردش کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں کسی خدا کی خدائی نہیں چلتی۔ اگر کوئی خدا موجود ہو تا تو خلائی مسافروں کا راستہ مدد لیتا۔ ان لوگوں میں سے بیشتر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ سائنس نے فطرت کے اسرار سے پردہ اٹھا دیا ہے اور اب لوگوں کے لئے اہل مذہب سے کچھ حاصل کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔

سائنس سے مرعوبیت کا یہ مقام محض ایک نادانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی یہ کائنات ایک بحرِ ناپیداکا رہے۔ موجودہ دوری سائنس نے یا بحیثیت مجموعی انسان نے اس کا کھوج لگا کر جتنا علم حاصل کیا ہے، اس کی حیثیت وہی ہے جو سمند کے مقابل میں ایک قطرے کی ہوتی ہے۔ سائنس کے انکشافات اگر سو گنا زیادہ بھی ہو جائیں، جب بھی یہ دعویٰ کہ کائنات کا سمجھ ل کر دیا گیا ہے

اسی طرح مضحکہ خیز ہوگا۔ جیسا یہ اب ہے انسان کی اس تخی دامنی پر اصرار صرف مذہب ہی کو نہیں بلکہ سائنس کے اکشافات خود اس پر شاہد ہیں۔

آسمانوں کی بات تو خیر دوسری ہے، انسان سے سب سے زیادہ اگر کوئی امید ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین سے بخوبی واقف ہوگا۔ لیکن حقیقت اس سے کوسوں دور ہے۔ زمین کے متعلق بھی انسان کا علم اتنا ہی محدود ہے جتنا دوسری کائنات کے متعلق ہے۔ ادد اس کا ثبوت جدید تحقیقات نے ہم پہنچایا ہے۔ عالمی ارضی طبیعیاتی سال کی تحقیقات کے نتائج سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انسان اب تک جسے اپنی منزل سمجھے ہوئے تھا نہ صرف یہ کہ وہ اس کی منزل نہیں تھی بلکہ وہاں سے منزل کا راستہ بھی نہیں پہچانا جاسکتا تھا۔

آج سے پانچ سال پہلے اقوام متحدہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۹۵۷ء کو سائنس کی تحقیقات کا سال قرار دیا جائے۔ اور کرہ ارض کے بارے میں اس سال میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جائیں۔ اس سال سے عام طور پر لوگ عالمی ارضی طبیعیاتی سال کے نام سے واقف ہیں۔ ان تحقیقات میں حصہ لینے کے لئے ۶۶ اقوام تیار ہو گئیں اور کرہ زمین کے تمام گوشے تجربات کے لئے مخصوص کر لئے گئے۔ ان مقامات کی تعداد، جہاں تجربات کئے گئے، چار ہزار ہے۔ اس تحقیقاتی منصوبہ کے تحت آباد و غیر آباد زمین، کمسار و ریگزار، قطبین اور دور دراز جزائر، سمندر اور فضا غرضکہ ہر ضروری مقام پر تجربات ہوئے اور جدید ترین آلات استعمال میں لائے گئے۔ اس منصوبہ کی تحقیقات کے پورے نتائج مرتب کرنے میں تو سائنس دانوں کو مزید کئی سال درکار ہوں گے۔ لیکن جلد پچھپ معلومات اس سلسلہ میں سامنے آئی ہیں، ان کا مختصر سا خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

قطب جنوبی کے ارد گرد کا علاقہ انٹارکٹیکا کہلاتا ہے۔ اب تک سیاحوں نے اور جغرافیہ دانوں نے اس سرزمین کے جو نقشے تیار کئے تھے، جدید تحقیقات نے انہیں بالکل غلط ثابت کیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اب تک جس چیز کو انٹارکٹیکا کی زمین سمجھا جاتا رہا ہے، وہ دراصل زمین کی سطح ہی بلکہ بعض برہمنی سمندر تھا۔ قطب جنوبی کی اصل سرزمین جغرافیہ دانوں کی بتائی ہوئی مدد کی نسبت بہت مختصر ہے۔ انٹارکٹیکا کی ہوت کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ دنیا بھر کی ہوت کا نوٹے فیصد ہے۔ سورج کے موسم میں جب سورج نظر نہ آئے کی وجہ سے یہ براعظم تاریک ہوتا ہے اس وقت قریباً

روشن علاقوں کی نسبت یہاں کا درجہ حرارت ۹۰ درجے کم ہوتا ہے۔ انڈونیکٹ کی سطح مرتفع کا درجہ حرارت اس موسم میں منفی ۱۲۵ درجے ہوتا ہے اس شدید سردی کی وجہ سے دوسرے علاقوں اور قطب جنوبی کے درمیان ہوا کے دباؤ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ یہاں دوسو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان چلتے ہیں۔

اب تک انسان سطح سمندر پر چلنے والی سرد اور گرم روٹوں سے واقف تھا، چین کا پانی سمندر میں اسی طرح بہتا ہے جس طرح خشکی پر دریا بہتے ہیں۔ عالمی ارضی طبیعیات سال کی تحقیقات سے ان روٹوں کے مخالف سمت میں چلنے والی روٹوں کا انکشاف ہوا ہے۔ یہ روں سطح سمندر سے آدھ آدھ میل نیچے چلتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی کراویل رو ہے جو بحر الکاہل میں مغرب سے مشرق کو، خط استواء کے ساتھ ساتھ بہتی ہے۔ یہ رو ۳۰ میل چوڑی اور سنہ ۱۹۵۷ء میں لمبی نیپے اور امریکہ کے نسب سے بڑے دیا مس پی کی نسبت ہزار گنا زیادہ پانی لے جاتی ہے۔

جدید تحقیقات کے نتیجہ میں انسان ایک نئی دولت سے بھی واقف ہوا ہے۔ یہ دولت سمندروں کی تہ میں بکھرے ہوئے ایک کارآمد دھات منیگنیز کے گہے ہیں۔

بظاہر مضبوط علاقے ان تحقیقات کے بعد خطرے میں محسوس ہونے لگے ہیں۔ مثلاً جزائر ملائی کے متعلق یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ چار سو سالہ یومیہ کے حساب سے حرکت کر رہے ہیں اور چین ملک ہے کہ ان کی یہ حرکت ان کی غرقابی کا باعث بن جائے۔ کیل فوڈینا، جو اس وقت شمالی امریکہ کا ایک حصہ ہے، امریکہ سے لگتا ہوا معلوم ہوا ہے اس کے برعکس غلیج کیل فوڈینا اور بحر احمر میں نئی زمین ظاہر ہو رہی ہے۔

34187

سمندروں کے متعلق اب تک انسان جتنا کچھ جانتا تھا، نئی تحقیقات کے بعد وہ بالکل بیچ معلوم ہونے لگا ہے۔ جدید معلومات کے مطابق بحر اوقیانوس کی تہ سلسلہ ہائے کوہ سے بھری ہوئی ہے۔ ایک سلسلہ کوہ جو شمالاً جنوباً واقع ہے، تین سو سے بارہ سو میل تک چوڑا ہے۔ جزائر آئس لینڈ اور جزائر آئزوس میں داخل اسی پہاڑ کی چوٹیاں ہیں جو سطح آب کے اوپر ابھرائی ہیں۔ ان پہاڑوں میں بعض سے آتش فشاں ہیں۔ ان کی آتش فشاں کا مظہر سطح آب پر کے بیلے اور جزائر کے گرم آبی چشمے ہیں۔ ان غرقاب پہاڑوں کی سطح کہیں کہیں پھٹی ہوئی ہے اور یہ شکات بعض اوقات تیس تیس میل چوڑے

ہیں۔ سلسلہ کوہ کے واس میں سب آب سے تقریباً تین میل نیچے ایک ہزار میواں ہے۔ جس میں کھجوریں
کھجوریں چھوٹاں اجیری ہوتی ہیں۔

سب حوضوں کے نیچے کے جس سے بڑے سلسلہ کوہ سے صاف پانی مافق ہوتے ہیں وہ ایک
چالیس ہزار میل لمبا پہاڑ ہے جو کہ ارض کا حلقہ کئے ہوئے ہے۔ اس کی چوٹیاں بحراہ قیادوس اور بحرالکابل
کے ہزاروں جزائر کی صورت میں نظر آتی ہیں۔

بحرالکابل کی تہ میں بحراہ قیادوس کی نسبت ہزار علاقہ زیادہ پایا گیا ہے۔ اس میں چار علاقوں
ہیں جو بشرطاً عرفاً سب دین کے ۵ فی صد حصہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ دریاؤں تیس تیس میل چوڑی، تین تیس سو میل
لمبے علاقہ ۵۰۰ ہزار فٹ گہری ہیں۔ اسی طرح جنوبی بحرالکابل میں کئی کھائیاں ہیں جن میں سے بڑی کھائی ۱۰۰
میل لمبی اور ۲۵۰۰ فٹ گہری ہے۔

ایک عجیب و غریب اکشاف یہ ہوا ہے کہ بحرالکابل کا فاضل گھر میں کی سوئیں کے مختلف سمت میں
محسوس کر دیا ہے۔ کہہ ارض پر اس گردن کے نتائج کیا مرتب ہوتے ہیں؟ یہ سوال ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔
عالمی ارضی طبیعیاتی سال میں حاصل شدہ معلومات کی یہ ایک معمولی مثال ہے۔ لیکن یہی وجہت کہ
کے لئے کافی ہے۔ کہ انسان کا فہم محدود ہے۔ وہ اپنے آپ کو فطرت کا جتن بڑا مامور بھی
سمجھتا ہے مگر حق بات یہی ہے کہ رب کے پیدا کئے ہوئے نیکو کو سب سے دیا جانے والا
خود پر محدود رہا ہے۔ کوئی حقوق اس کائنات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

ماہنامہ علمی و ادبی

پرنسپل: مولانا محمد رفیع

مدیر: مولانا محمد رفیع

معاون: مولانا محمد رفیع

محرر: مولانا محمد رفیع

مطبع: مولانا محمد رفیع

عقائد

اس کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

کتاب کی تصانیف مولانا محمد رفیع نے لکھی ہیں۔

سراسر مودت اکبر

بن آسن اصلاحی

قرآن کی روشنی کا مفہوم

”قوموں کے عروج و زوال کی بحثیں مگر ان کی جید کی روشنی کا کیا مفہوم ہے؟ اس سے مراد کیا صورت مادی و سیاسی ترقی ہے یا صورت روحانی ترقی یا دونوں جو قوم زیادہ سے زیادہ علامت مغلوب کر لے یا مادی و سماجی اس کے پاس زیادہ ہوں تو یہ چیز اس کی عظمت کی دلیل بنائی جاتی ہے بلکہ ایک نظریہ کے مطابق یہ چیزیں ایک قوم کے قابل تقلید ہونے کی دلیل بھی ہیں کیا یہ بات درست ہے؟“

جواب :- قرآن مجید کی روشنی سے حقیقی ترقی وہ ہے جو خدا کی ہدایت اور اس کے احکام و انہی کی کامل فرمانبرداری و اطاعت کے ساتھ ہو۔ اسی ترقی سے روح اور جسم دونوں کے حقیقی تصنیفات بے شک ہوتے ہیں اور یہی ترقی مشترک طور پر تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمت و برکت کے دروازے کھولتی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے تمام ایسی قوموں کا ذکر ہوا ہے جنہوں نے مادی اعتبار سے بڑی ترقی کی لیکن عین اپنے دور ترقی میں وہ غلاب الہی نہیں ٹھہریں۔ اس کی وجہ ہے کہ مادی ترقی کے پہلو پہ پہلو انہوں نے روحانی ترقی نہیں کی۔ اس روحانی ترقی سے آدم کو ملنے کے سبب اسی کے اجتماعی و سیاسی کردار میں وہ اعتدال و توازن نہ پیدا ہو سکا جو ایک حاکم لائق عالم کے قیام کے لئے ناگزیر چیز تھا۔ اس بنیادی کمزوری کی وجہ سے ہر ستارہ و جگہ میں اس کے اجتماعی و سیاسی کردار کی ایسی غریبیاں نمودار ہو گئیں جن کو قدرت کا نظام زیادہ تھت تک نہیں برداشت کرتا بلکہ ایک خاص حد تک مت دینے کے بعد ایسے کردار کی حامل قوموں کو فنا کر دیتا ہے۔

قرآن مجید نے امت مسلمہ کی تشکیل جو نظام پیش کیا ہے اس میں مادی و سیاسی ترقی کو اس نے روحانی ترقی کے ساتھ باطل ہم آہنگ رکھا ہے۔ اس نے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کا ایک متوازن و متصل نظام ہی فرما دیا جو انسان کو ملّا فرمایا ہے جس کو اختیار کرنے سے وہ حقیقی سعادت

یاد ترقی حاصل ہو سکتی ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی صلاح و فلاح کی ضامن ہے لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس نظام کے چار جزویں عقائد، عبادات، قانون اور اخلاق۔ یہ چاروں جزو اس نظام کے اجزائے لاینفک ہیں۔ ان میں سے اگر کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو سارا نظام یا بالکل درہم برہم اور بے برکت ہو کر رہ جائے گا۔ علاوہ بریں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس کے اجزائے ترکیبی میں اخلاق کا جو عنصر شامل ہے وہ صرف انفرادی یا محدود معاشرتی اخلاق ہی کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کے اندر وہ اجتماعی و سیاسی اخلاق بھی داخل ہے جو کسی قوم کے عروج و نضال میں اعلیٰ عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس نظام میں عقائد کا جو حصہ ہے وہ ہم کو زندگی کے بارے میں صحیح نظریات و تصورات دیتا ہے ان نظریات و تصورات سے وہ انفرادی و اجتماعی اخلاق وجود میں آتا ہے جو اصل مقصود ہے اور جس پر ہماری دنیوی و اخروی سعادت کا انحصار ہے۔ عبادات کا نظام ان نظریات و تصورات محاورہ اسی کے ساتھ ساتھ اس اخلاق کو جو ان نظریات سے وجود میں آتا ہے استحکام اور پختگی بخشتا ہے۔

اگر کسی معاشرہ کی تربیت ٹھیک ٹھیک اسلام کے پیش کردہ اس نقشہ کے مطابق ہو جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس سعادت کا ضامن ہے جو انسان کی تخلیق کی غرض و غایت ہے۔

لیکن اس زمانہ میں مصیبت یہ ہے کہ اسلام کے اس پورے نظام کو درہم برہم کر کے دکھ دیا گیا ہے۔ اگر اس وقت خود مسلمانوں کا جائزہ لیجئے جو اسلام کے حامل ہونے کے مدعی ہیں تو معلوم ہوگا کہ کسی خطہ میں بھی آج ان کی یہ حالت نہیں ہے کہ وہ اجتماعی حیثیت سے پورے اسلام کو اپنلے ہوئے ہوں کچھ لوگوں کے اندر (سب کے اندر نہیں) اگر عبادات کا اہتمام ہے تو وہ اسلام کے قانون اور اس کے نظام اخلاق سے نا آشنا اور محروم ہیں۔ عقائد کا حال اکثریت کے اندر ایسے کہ عوام کے عقائد پرانی بدعات سے رنگ خود ہو چکے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے عقائد کی جڑیں نئی تعلیم نے اکھاڑ کے رکھ دی ہیں۔ اسلامی قانون اور اخلاق کے لحاظ سے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اس کے خال خال اجزاء تو ہمارے اندر فروغ پائے جاتے ہیں (وہ بھی زندگی کے

بعض خاص دائروں کے اندر، باقی سارا قانون اور پورا نظام اخلاق ہم نے کتابوں میں لکھ کر کیرٹوں کے حوالہ کر رکھا ہے۔

ان حالات کے اندر وہ حقیقی ترقی جو دین و دنیا دونوں کی صلاح و سعادت کی ضامن ہے بالکل خارج از بحث ہے۔ اس کا مظاہرہ کسی پہلے مسلمانوں نے کیا تھا اور اب..... بھی وہی اس کا مظاہرہ کر سکتے تھے لیکن یہ جب ہو سکتا ہے جب وہ اپنے پورے دین کو اپنائیں۔ اس کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ کچھ مسلمان نماز اور حج کا اہتمام کر لیں۔

یورپ، امریکہ اور روس وغیرہ ممالک میں آج جو ترقی پائی جاتی ہے وہ ہے تو اسی اجتماعی و سیاسی اخلاق و کردار کا ثمرہ جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے لیکن جس طرح ہم مسلمانوں نے اسلام کے بعض اجزاء کو لے لیا ہے بقیہ کو چھوڑ رکھا ہے اسی طرح ان قوموں نے اجتماعی و سیاسی کردار سے متعلق اسلام کے بعض اجزاء کو اپنا لیا ہے اور بقیہ کو چھوڑ رکھا ہے۔ ان کے اندر محنت، وقت کی قدر و قیمت، تلاش علم، شوق جستجو، بلند ہمتی، ایثار، خدمتِ خلق اور جمہوریت وغیرہ کی بعض وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اسلام کا ورثہ ہیں اور انہی خوبیوں کے نتیجہ میں ان کو موجودہ ترقیاں حاصل ہوئی ہیں لیکن چونکہ یہ قومیں اسلامی نظام زندگی کی دوسری چیزوں سے محروم ہیں اس وجہ سے ان کی یہ ساری ترقیاں بنی نوع انسان کے لیے رحمت کے بجائے عذاب بنتی جا رہی ہیں اور ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اب اس عذاب کے پھٹ پڑنے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔

مسلمانوں میں سے جو لوگ ان قوموں کی تقلید کی دعوت دیتے ہیں وہ اگر ان کی ان خوبیوں کی تقلید کی دعوت دیں جو فی الواقع ان کی نزقیوں کا باعث ہوئی ہیں تو میں اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا، یہ خوبیاں تو اسلام کا ورثہ ہیں اور ہمیں سے ان کو ملتی ہیں لیکن اگر ان کی تقلید کے معنی ان کی برائیوں اور گمراہیوں میں بھی ان کی تقلید ہے (جیسا کہ فی الواقع ہے) تو اس چیز سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس لیے کہ ان قوموں کی یہی برائیاں اور گمراہیاں تو ان کی اور ان کے نام مقلدین کی بربادی کا سبب بننے والی ہیں۔

تقریظ و تنقید

ابن ماجہ اور علم حدیث

تالیف : مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

شائع کردہ : نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

اس کتاب کے مؤلف مشہور و معروف عالم حدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانی ہیں جن کی شخصیت کا تعارف تحصیل حاصل ہے۔ سنن ابن ماجہ ہی سے متعلق ان کی ایک کتاب عربی زبان میں شائع ہو چکی ہے، جو اگرچہ ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن خیال یہ ہے کہ اس میں سنن ابن ماجہ پر دقیق علمی بحثیں ہوں گی۔ محترم مؤلف نے زیر نظر کتاب امام محمد ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات مرتب کرنے کے لیے لکھی ہے اور ضمناً اس میں بھی حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی سنن کا تعارف کرایا ہے۔ اس کتاب کا نام سنن کما سن کے مندرجات کا جواز اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں امام صاحب کی زندگی کے تفصیلی حالات، طلب علم کے لیے ان کی قربانیوں، ان کے علمی کارناموں، علم حدیث کے لیے ان کی خدمتوں اور مشقتوں اور ان کے تلامذہ وغیرہ کا تفصیلی بیان ہوگا۔ لیکن کتاب کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب ہمارے اندازے سے کلی طور پر مختلف ہے۔ ۳۶۰ صفحات کی اس کتاب میں امام صاحب کے حالات زندگی صرف تیس صفحات تک محدود ہیں اور ان کو پڑھ کر بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کیسے گزری اور علم حدیث کی انہوں نے کیا کچھ خدمت کی۔ محترم مصنف نے بلاوجہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ انہیں امام صاحب کے متعلق تاریخیوں میں کچھ مراد نہیں ملا۔

تاریخین کو خیال ہوگا کہ فاضل مصنف نے کتاب کے باقی صفحات سنن ابن ماجہ پر تنقید و تبصرہ میں صرف کیے ہوں گے، لیکن انہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ کتاب میں سنن ابن ماجہ کا تذکرہ بھی صرف ۸

اصحاحات میں کیا گیا ہے۔ اس تنقید کی نوعیت تعارف کی ہے، تنقید و تبصرہ کی نہیں ایسی بیٹے کے پڑھنے کے بعد بھی سنن کے بارے میں معلومات کی تشنگی باقی رہتی ہے۔

باقی کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ تقریباً ایک سو صفحات میں حفاظہ و مشائخ حدیث اور

واکو علم حدیث کا بیان ہے۔ اور اسی قدر صفحات میں ایک اہم موضوع حدیث اور وہ ابنِ حدیث کی تاریخ پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ کتاب کے مؤرخ الذکر حصہ میں محترم مصنف نے حدیث کی ضرورت اور حدیث کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی کوششوں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے کتابت حدیث کا تسلسل ثابت کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر امام ابنِ ماجہ کے زمانہ تک کے حدیث کے روشنیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ کو پڑھ کر منکرین حدیث کے اس پروپاگنڈے کا مسکت جواب مل جاتا ہے کہ حدیث کی کتابت حضورؐ کی وفات کے دو تین صدیاں بعد میں ہوئی یہ بحث ترتیب کتاب کے لحاظ سے اگرچہ ضائع آئی ہے لیکن اصل موضوع بحث کی نسبت اتنی زیادہ پیچیدگی ہوئی ہے کہ اس پر غالب آگئی ہے۔

اس کتاب میں کچھ اور اہم بحثیں بھی ہیں۔ مثلاً منکرین حدیث ہی کے اس پروپاگنڈے کا جواب بھی اس میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اور صرف گفتی کی چند حدیثیں ان کے علم میں تھیں۔ محترم مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام موصوف اپنے زمانہ کے علماء حدیث میں نہایت اونچا مقام رکھتے تھے اور انھوں نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا۔ طلب حدیث کے لیے مسافروں نے جو سفر کیے اور اس کے لیے ہر مشقتیں اٹھائیں، ان کے بارے میں بھی کافی معلومات دی گئی ہیں۔ انھیں پڑھ کر اپنے زمانہ کی کسل مندی اور حصولِ علم سے بے رغبتی پر رونا آتا ہے۔

کتاب کے آخری ایک سو صفحات افراد و قبائل، بلاد و مصادر اور کتب کے اشاریہ پر مشتمل ہیں تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کی حکومت کے تین نکتے بھی دیے گئے ہیں۔ آخر میں افلاطون نامیہ کتاب بڑے سائز کی ہے، سفید کاغذ پر چھپی ہے، جلد ہے اور قیمت آٹھ روپے ہے (۸ روپے)

☆ بیمہ زندگی اسلامی نقطہ نظر سے

تالیف : ابوسلمان الہندی

شائع کردہ : مکتبہ سعدیہ کراچی

صفحات ۱۲۶ قیمت ۲ روپے

اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بیمہ اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہے اور علماء دین کی طرف سے بیمہ خصوصاً بیمہ زندگی کے سلسلہ میں جو اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ کتاب کا آغاز ”علمائے کرام کے فتوؤں اور بیانات پر ایک نظر“ سے ہوتا ہے۔ اس باب میں علماء کے متضاد بیانات نقل کر کے مصنف نے یہ دکھایا ہے کہ علماء بیمہ کے موافق و مخالف دونوں ہی قسم کی رائیں رکھتے ہیں۔ گویا اس مسئلہ کو فروعی بنا کر..... اس کتاب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کے بعد بیمہ کو ناجائز سمجھنے والے علماء کے دلائل پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف کی رائے میں ان علماء کو بیمہ کے نظام سے بددی طرح واقفیت نہیں تھی اس وجہ سے انھوں نے اس کے متعلق غلط رائے قائم کر لی۔

علماء کے فتوؤں یا بیانات سے قطع نظر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس موضوع پر علم اٹھانے والوں کو سب سے پہلے یہ بات واضح کرنی چاہیے کہ معاشرہ میں بیمہ کی ضرورت پیش کیوں آئی ہے؟ بیمہ کا نظام کن معاشی حالات کے نتیجہ میں وجود میں آیا ہے۔ اور وہ کون سی وجوہ میں دین کی بنا پر آدمی زندگی کا بیمہ کرانے کی ترغیب پاتا ہے؟ ہماری رائے یہ ہے کہ ان بنیادی سوالوں کو اس کتاب میں باطل نظر انداز کیا گیا ہے جس سے نفس مسئلہ جو کون باقی رہا ہے۔

ہمارے نزدیک بیمہ کے نظام کو موجودہ دور کے اس معاشی نظام نے جنم دیا ہے، جو خدا کی ہدایت سے ہٹ کر قائم ہوا ہے۔ اس معاشی نظام کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر خود غرضی حد اعتدال سے بڑھ گئی ہے اور غلط نظام اخلاق و سیاست کے تحت پرورش پا کر اس خود غرضی نے وہ گھل کھلائے ہیں کہ زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ اس کے فاسد نتائج سے بچ سکا ہو۔ انسانوں کا باہمی تعلق اگر محبت و اعتماد، رافت و رحمت اور اخلاص و ایثار کی بنا پر تھا تو اس خود غرضی نے ان صفات کے بجائے تنگ نظری، جانبداری، بخل و حرص اور نفس پرستی کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر کی۔ اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ موسیقی، اختا، شراب، سینما، قمار اور تفریح و آسائش کے مقاصد کے لیے مال مرث کو نفاذ ایک پیدائشی حق سمجھ لیا گیا۔ لیکن اپنے فاضل مراٹے کو فردت مند لوگوں کی احادیث کے لیے مرث کرنے پر اکسانے والی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ اس پر مزید یہ تم یہ ہوا کہ زیادہ وسائل رکھنے والوں میں استعمال کا جذبہ پیدا ہوا اور استعمال کم تر وسائل رکھنے والوں کے حقوق پر بھی دست اندازی شروع کر دی۔ احادیث و ماری کے رجحان کے جیسے بھی یہی جذبہ کام کرتا ہے۔

جس معاشی و معاشرتی نظام کے اثرات یہ ہوں، وہاں تقدی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملازمت پیشہ اور کم پیشیت لوگ اپنا اور اپنے بال بچوں کا مستقبل کس طرح بہتر بنائیں اور استعمال پسند طبقے کی دست اندازیوں سے کس طرح محفوظ رہیں۔ اس کا علاج ان لوگوں نے یہ سوچا کہ زندگی اور جائیداد کا بیمہ کروایا جائے تاکہ اگر اسے وقت میں بال بچوں کو کھانا میسر آ سکے۔ گویا بیمہ تمدن کے ایک روگ کے علاج کے طور پر شروع کیا گیا اور یہی مختلف مراحل سے گزرتا ہوا مزید ترقی یافتہ شکل میں ہم تک پہنچا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں بیمہ کے نظام کی کیا واقعی ضرورت ہے؟ اسلامی نظام معیشت کا اگر بنیاد مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے معاشروں کے برعکس اسلامی معاشرہ کی بنیاد خود غرضی اور نفس پرستی کے بجائے خدا خونی اور اخوت و ایثار پر رکھی گئی ہے۔ اسلام نے جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق آدمی ہائز طریقہ ہی پر کما سکتا اور خرچ کر سکتا ہے۔ کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے اور تفریح و آسائش کے نام پر غیر ضروری روپیہ بہانے کی ذہنیت کو یہاں ختم کیا گیا ہے ان تمام طریقوں پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن سے لوگ دوسروں کا خون چوس چوس کر کروڑ پتی بنتے ہیں، دولت کو سیٹھنے کے بجائے معاشرہ میں گردش مینے کی تعلیم دی گئی ہے، حاجتمندوں کی اعانت یہاں امیروں کا فریضہ ہے۔ اندریں حالات ایک اسلامی معاشرے میں بیمہ کے نظام کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نظام میں اگر اس کی ضرورت باقی رہتی ہے تو وہ بیمہ کو اسلامی ثابت کرنے والوں کو بتانی چاہیے۔

علمائے کرام کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے قمار، سود، مغنیت اور تحکم فی القدر تمام پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ یہاں اس تمام بحث پر تنقید کرنے کا موقع نہیں لیکن چند ضروری چیزوں کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

مصنف نے یہ غلط فہمی بھی جگہ دینے کی کوشش کی ہے کہ بیمہ کے پیچھے احسان و حاجت دہانی اور

تعاون علی البیہر جیسے اچھے محرکات کام کرتے ہیں، حالانکہ قار و مود وغیرہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ دلیل گروہوں کی جائزے تو غریبوں میں رقم تقسیم کرنے کی غرض سے برا کھیلنا یا سودی کاروبار چلانا میں نیکی ٹھیک رہا ہے۔ یہ شاہد مصنف کو یہ معلوم نہیں کہ ایام جاہلیت میں فی الواقع اسی مقصد کے لیے جڑا کھیلایا جاتا تھا لیکن اسلام نے جوئے کے ان اچھے محرکات کا لحاظ کر کے اسے ملال نہیں رکھا بلکہ اس کے نظام کی غلطی کی بنا پر اس کی ممانعت کر دی۔

مصنف کی یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ بیمہ کا اصول ماننے سے تقدیر پر ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور بیمہ معنی ایک بچت کی اسکیم ہے۔ شاید وہ یہ بات بھول رہے ہیں کہ اگر بیمہ صرف بچت کی ایک اسکیم کا نام ہوتا تو انھیں اسے اسلامی ثابت کرنے کی زحمت نہ گوارا کرنی پڑتی۔ یہ تکلف کرنے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بیمہ بچت کے ساتھ یہ گارنٹی بھی دیتا ہے کہ اگر بیمہ دار کی موت آگئی تو اس کی اولاد کو وہ رقم بھی ادا کر دی جائے گی جو بیمہ دار اپنی زندگی میں ادا نہیں کر سکا تھا۔ بیمہ کی اس گارنٹی ہی سے آدمی خدا کی رزاقیت یا تقدیر پر بھروسہ کرنے کے بجائے بیمہ کمپنیوں کا سہارا تلاش کرتا ہے۔ بیمہ کے نظام کا یہ پہلو نہ ہو تو اس کی کمپنیوں کے وفاتر شاہی چند دن سے زیادہ کھلے نہ رہ سکیں۔

تبصرہ نگار کو اس کتاب سے نقصان کی ایک نامور تعریف بھی معلوم ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ نقصان اس ذہنی یا خیالی کیفیت کو کہتے ہیں جو حیب خالی ہونے کے پس منظر میں موجود ہوتی ہے مصنف شکر یہ کہ متوجہ ہیں کہ انسانوں نے یہ احساس بھی دلا دیا ہے کہ یہ ذہنی تکلیف صرف نامانی سودا کرتے وقت ہوتی ہے۔ بلکہ انٹر سٹ لیتے بیٹے وقت نہیں ہوتی۔ اسی لیے وہ انٹر سٹ کو 'ستین سانف' کا نام دیتے ہیں۔ مصنف کو بارہا حقائق سے مرعہ نظر کرنا پڑا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں البتہ ان کی اس بات کے جواب میں کہ قمار سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بیمہ سے نہیں پیدا ہوتیں، اتنا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیمہ کی رقم سیٹھنے کی نیت سے عزیزوں اور رشتہ داروں کو قتل کرنے اور جائیدادوں کو آگ لگانے کی ذہن تو کئی بار آئی ہے اور جہاں تک بیمہ کمپنیوں کا تعلق ہے ان کی بھی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی حادثہ پر ایسی رپورٹ حاصل کریں جس کے نتیجے میں انھیں کم سے کم نقصان ہو اب معلوم نہیں مصنف کو کس طرح کی خرابیوں کی تلاش ہے؟

یہ کتاب نیز پرنٹ پر مبنی لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

★ عیسائی معتقدات تعلیم انجیل کی روشنی میں

تالیف : صدر الدین

شائع کردہ : احمدیہ انجمن اشاعت اسلام - لاہور

موجودہ عیسائیت کے مروجہ عقائد و معتقدات کے خلاف خود بائبل سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ نازل ہوئی ہوئی ہے۔ اس ہتھیار سے قائد اٹھا کر یہ واضح کیا ہے کہ عیسائی مذہب کا دار و مدار جن بنیادی عقائد پر ہے تعلیمات انجیل کی روشنی میں وہ سب غلط ثابت ہوتے ہیں مثلاً انجیل خود شاہد ہے کہ کفارہ کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نہیں، نجات کا انحصار خدا کی فرماں برداری پر ہے، مسیح بشر اور خدا کے دو تھے، خدا نہ تھے۔ خدا کا بیٹا، کا محاورہ بعض فرماں بردار لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ کہ انجیل حضرت مسیح کا جو کردار پیش کرتی ہے وہ خدا کی کردار نہیں ہو سکتا۔

فاضل مؤلف نے خود اپنی جانب سے بہت کم لکھا ہے، زیادہ تر انجیل کی آیتیں پیش کرتے چلے گئے ہیں۔ اس لیے ان کی تحریر میں متانت و سنجیدگی ہے۔ البتہ کئی جگہ یہ سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے کہ بعض حوالوں کے درج کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے۔ خود اس کتاب کے لکھنے کا مقصد بھی مصنف نے واضح نہیں کیا اور کتاب کے دیباچہ میں مقصد تالیف پر ایک لفظ درج نہیں۔ وہ سہ کے صرف عنوان کتاب ہی سے آدمی اس مقصد کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ دیباچہ میں مصنف نے مسیحیوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات جتلا کر انھیں اپنے موجودہ رویہ پر نظر ثانی کرنے کا جو مشورہ دیا ہے، ایک منصف مراجع آدمی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

فاضل مؤلف اگر یہ بات بھی پیش نظر رکھتے کہ عیسائیوں کے نزدیک تثلیث اور کفارہ اسرار ربانی ہیں اور مسیح کامل انسان اور کامل خدا ہے تو کتاب کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ بائبل میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ساری نسل انسانی گنہگار ہے، درست نہیں۔ رومیوں باب ۵ آیت ۱۲ میں لکھا ہے۔

”پس میں طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی۔ اس لیے کہ سب نے گناہ کیا۔“

مصنف نے یہ تو واضح کر دیا ہے کہ اپنے ذاتی احوال کے لحاظ سے سب لوگ گنہگار نہیں ہیں لیکن پیدائشی طور پر گنہگار ہونے کے سببی عقیدہ کے بارہ میں کچھ نہیں لکھا۔

اس کتاب کا ایک تکلیف دو پہلو یہ ہے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بائبل کے فطرتاً سے بلا اظہار کراہت نقل کر دیے گئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب عیسائیوں کے مزعومات کی تردید کے لیے لکھی گئی ہے اور مصنف نے اپنی جانب سے اس میں کچھ زیادہ نہیں لکھا تاہم یہ ان کی بڑی فرد گرداشت ہے کہ خدا کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے وامن کو صاف کرنے کی انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی۔

بہر حال مسیحیت سے لپچی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب مفید ہوگی۔ ۱۲۰ صفحات کی یہ کتاب اچھے کاغذ پر ٹائپ میں شائع ہوئی ہے۔ (م - ۱ - س)

★ پیام انسانیت

تالیف : مولانا ابوالحسن علی ندوی

ناشر : ادارہ نشریات اسلام رحیم یار خان

یہ پمفلٹ محترم مصنف کی پانچ تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ملے جلے اجتماعات میں کیں اور جن میں دنیا کی موجودہ مشکلات کا حل پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کو بتایا۔ محترم مصنف کا سوز اور اخلاص ایک ایک فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ زبان نہایت شگفتہ اور آسان ہے جیسے معمولی استعمال کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ ۹۲ صفحات کے اس پمفلٹ کی قیمت ایک روپیہ ہے۔

(خ - م)

★ فقر محمدی

مصنف : نیاز الدین نیاز جالندھری

’فقر محمدی‘ پنجابی نظم کی کتاب ہے۔ جسے مصنف نے تبلیغ دین کے مقصد سے لکھا ہے۔ یہ کتاب عوام الناس کے لیے ہے اور مصنف نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعض

سبق آموز واقعات، چند آیات کا مفہوم اور تصورات کے کچھ احوال عام فہم انداز میں نظم کیے ہیں۔ مصنف کا جوش و جذبہ قابلِ داد ہے لیکن تبصرہ نگار کو اس نظم میں نہ زبان کی پیشگی محسوس ہوئی ہے اور نہ نظم کا معیار کچھ اونچا معلوم ہوا ہے۔ کتاب معمولی کا قدر پر مچی ہے۔ اس کی ضخامت ۵۲ صفحات ہے لیکن قیمت درج نہیں اسے مصنف کے ہاں سے ”رجائیہ ٹیکسٹائل ملز جھنگ روڈ ٹالی پور، پوسٹ بکس ۷۱“ کے پتہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (خ - م)

★ اسلامی پیغام کے اولین علمبردار

تصنیف: علامہ سیّد الدین خلیب

ترجمہ: محمد مسلم بیٹہ پوری فاضل عربی

ناشر: مکتبہ سعیدیہ فیض آباد براستہ قلیہ ضلع ملتان

اس کتاب کے مصنف علامہ سیّد الدین خلیب مصر کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ اسلامی پیغام کے اولین علمبردار مشاجرات صحابہ کے بارے میں ان کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اس مقالہ میں فاضل مصنف نے عربوں کے مخصوص خطیبانہ انداز میں یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام کے آپس کے تعلقات حب فی اللہ کا مظہر تھے بغض پرستی سے بے پاکیزہ ہستیاں اجتناب کرتی تھیں اور جن لوگوں نے ان کے اختلافات ظاہر کرنے کے لئے واقعات گھڑے ہیں، انہوں نے محض اپنی صحابہ دشمنی کی بنا پر ایسا کیا ہے فاضل مصنف نے اس سلسلہ میں جنگ جمل اور صلح تحسین اور مسئلہ خلافت حضرت علیؑ کا ذکر خاص طور پر کیا ہے اور شیعوں کی پھیلائی ہوئی روایات کی تغلیط کر کے ان مسائل کی ایسی تفسیر کی ہے جس سے صحابہ کے ایمان و اخلاق پر کوئی حرج نہ آئے۔

بہر حال مصنف کے خیالات سے پیشتر اتفاق ہے اور خصوصاً ہم ان کی اس بات کو بہت وزن دیتے ہیں کہ اب تک عموماً مؤرخین نے تاریخ اسلام کو غلط اسطر روایات سے مزین کر کے قلمبند نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص غلط سے غلط روایات کا سہارا لیکر محض تاریخ کا چہرہ مسح کر ڈالتا ہے تو کوئی اس کا ماتہ نہیں کڑھ سکتا، حالانکہ اس کے بیان کو قبول کرنے سے عقل سلیم بھی باز آتی ہے۔ ایک مستند تاریخ اسلام کی تدوین فی الواقع ایک بلی ضرورت ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے، صرف ایک مقالہ کا ترجمہ ہے اس لئے یہ توقع رکھنا کہ علامہ خلیب صاحب نے اس میں ہر غلط نقطہ نظر سے تحقیق کی ہوگی، درست نہیں البتہ اس کتاب میں تحقیق سے زیادہ خطابت موجود ہے اور بعض

اذکات طوالت کلام کا احساس بھی ہوتا ہے۔

ترجمہ عمراردان ہے، کہیں کہیں ثقیل بھی ہو گیا ہے۔ ۲۰ صفحات کی فیور پرنٹ پر چھپی ہوئی یہ کتاب ایک سیریز میں ملتی ہے۔ (خ-۲)

(لغیہ صفحہ ۴) سارے تین لاکھ الجزائر مسلمان شہید ہوئے۔ اس معاہدہ میں فرانس نے اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ الجزائر کے مستقبل کا فیصلہ خود الجزائر کریں گے۔ ان کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے مغربی ایک ریفرنڈم کرایا جائے گا۔ اور جب تک یہ رائے معلوم نہیں ہوتی، اس وقت تک ایک عبوری حکومت کام کرے گی۔ معاہدہ کی رو سے الجزائر کی حکومت اپنے ملک کے داخلی و خارجی مسائل طے کرنے میں آزاد ہوگی البتہ صحرائیں تیل کے کنوؤں اور بعض فوجی اڈوں پر فرانس کا قبضہ بدستور رہے گا اسی طرح فرانسیسی فوج کا الجزائر سے انخلا تین سال کے عرصہ میں ہوگا اور الجزائر کی حکومت الجزائر کے یورپی باشندوں کو فٹری حقوق دے گی۔

معاہدہ کی شرائط سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فرانس نے جاتے جاتے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں کامیاب بھی رہا ہے۔ تاہم مجموعی طور پر معاہدہ کے نتائج بارے میں کوئی پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔ یہ مستقبل ہی بتائے گا کہ الجزائر کیوں کے حق میں یہ معاہدہ کیسے لایا البتہ اس معاہدہ سے ختم ہونے کے بعد کہ اس کی تحریک فرانس کی طرف سے ہوئی ہے، یہ بات بالکل صاف ہو گئی ہے کہ الجزائر کی مسلمانوں نے اپنے زور بازو سے فرانس کو الجزائر میں عمل دخل رکھنے سے روک دیا ہے۔ انہوں نے بڑے بڑے وگروں حالات میں جنگ آزادی کے کٹھن کام کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے۔ انہوں نے جس موماند عزیمت اور صبر و ثبات کے ساتھ یہ جہاد مہادی رکھا اس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔

اس جہاد کا ایک اہم پہلو یہ رہا ہے کہ اس کی مشیت محض ایک بناوٹ کی نہ تھی۔ جو ملک کے ایک گوشے سے اٹھتی ہے یا ملک کا کوئی خاص گروہ اس کو ہنگامتہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو فرانس کو جسے عرصہ تک اپنی سارے پار لاکھ آزمودہ کار فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا۔ یہاں صور

مال یہ تھی کہ ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک الجزائر میں مسلمانوں کا ہر فرد اپنے دل میں آزادی کی تڑپ پاتا تھا اور فرانس کی ہتھیار پسندی کا طلسم توڑنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھا۔ ہمارے نزدیک مجاہدین کی کامیابی میں اس حقیقت کا بڑا ہاتھ ہے کہ الجزائریوں نے ہمیشہ قوم اس کے لیے جدوجہد کی۔

مسلمانان عالم کی طرف سے جہاد کے کٹھن سالوں میں مجاہدین کے ساتھ جو تعاون ہوا ہے وہ اتنا قلیل ہے کہ مسلمانوں کی ایک بیماری کا پتہ دیتا ہے۔ حدیث شریفہ میں ساری دنیا کے مسلمانوں کو جسدِ صمد قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کی ایک مطلوبہ صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر اس جسد کے ایک ٹکڑے کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسد اس کے کرب سے تمللاً اٹھتا ہے اس جہاد میں یہ بات واضح رہی ہے کہ مسلمان مالک کے نزدیک اپنے سیاسی علاقے اتنے محترم ہیں کہ ان کی وجہ سے یہ اپنے مسلمان ایسوں سے کوئی خاطر خواہ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ مسلمانوں میں اسلامی اخوت اور یک جہتی کا ن قدر فقدان ہے اور دوسری قومیں اس معاملہ میں کتنی بلند ہیں اس کا اندازہ آج سے تیس سال قبل سطین میں عربوں اور یہودیوں کی جھڑپوں میں بھی ہوا تھا جب یہودیوں کی امداد کے لیے دنیا بھر کے یہودیوں نے مل کر دس لاکھ پونڈ چندہ دیا۔ مگر مسلمانان عالم نے جن کی تعداد یہودیوں سے کم نہیں گنا زیادہ ہے، اہل کرب و شہداء ہزاروں پونڈ فراہم کیے۔ قوم کے اس جہود پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

الجزائر میں مسلمانوں کے اس جہاد نے محکوم قوموں کو استعماری طاقتوں سے نجات حاصل کرنے کا صحیح طریقہ بتا دیا ہے۔ یہ کہنا حقیقت کہ جھٹلانا ہو گا کہ فرانس کا ناک میں دم کر کے اسے پسپائی پر مجبور کرنے میں تیغ و تفنگ کی کثرت کا ہاتھ تھا۔ الجزائر میں مجاہدین نے یہ جنگ محض دیان و عزیمت اور ثباتِ استقلال کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر لڑی، مادی وسائل ان کے پاس محض برائے نام تھے۔ اگر وہی رسائل بھی انہیں حاصل ہوتے تو جنگ کا نتیجہ شاید بہت پہلے مل چکا ہوتا۔ کوئی عجیب نہیں کہ الجزائر کا یہ جہاد حریت و دوسری محکوم قوموں کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہو اور اس کے نتیجے میں استعمار کا خاتمہ ہو۔

اب جب کہ الجزائر اپنے مسائل و معاملات کے طے کرنے میں خود مختار ہے، دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ اپنی پالیسیوں کا رہنما کس پیرز کو بناتا ہے۔ اسلام کو یا غیر اسلام کو۔ ہمارے نزدیک اب وہ مرحلہ آگیا ہے جس میں الجزائر می مسلمانوں کو یہ ثابت کرنا ہے کہ انہوں نے سارا حق لاکھ مجاہدین کی قربانی اسلام اور مروت اسلام کے لیے دی تھی۔ ہماری دعا ہے کہ الجزائر آزاد قوموں میں بلند مقام حاصل کرے اس کی مشکلات دور ہوں ۱۲ سے خوشحالی اور امن نصیب ہو۔ اور یہ شمالی افریقہ میں اسلام کا علمبردار بن کر رہے۔

ماہنامہ میتاق کی جلدیں

جن حضرات کو "میتاق" کو پہانی ملیدی مطلوب ہوں وہ فوراً اپنے آرڈر ارسال فرمائیں۔
اس وقت دو تین شماروں کے سوا تمام پرچے دستیاب ہو سکتے ہیں۔
فرائش میں تاجید کے اس گرانقدر چیز سے محروم نہ رہیے۔
قیمت فی شمارہ (۴) ساٹھ پیسے
پرانے یا نئے مستقل خریداروں کو ہر پرچہ پچاس پیسے ہی میں دیا جائے گا۔

میجر

ماہنامہ "میتاق" مکان پورہ

وہ سجدہ، روح زمین جس سے کائپ جاتی تھی، اسی کو آج ترستے ہیں۔ منبر و محراب

« المنبر »

جن فتنوں کے خلاف معروف جہاد ہے :

- دین میں ترمیم و تحریف ○ انکار حنیف ○ قادیانیت ○ جہالت
 - عیسائیت ○ اشتراکیت ○ غیر اسلامی نظام ○ ظلم و استبداد
 - انتشار و منافرت ○ گروہ بندی و عصیت ○ فحاشی و ہر بات ○ وطن کشینی
- اگر آپ نکر و نظری کی گمراہی اور معاشرے کو اسلام سے منحرف کر دینے والی ان برائیوں کے خلاف جدوجہد کرنا چاہتے ہیں تو " المنبر " آپ کا بہترین معاون ثابت ہوگا۔

مفت روزہ المنبر لائل پور

زیر ادارت :

عبدالرحیم اشرف

— " المنبر " کی ہر سطر دعوت الی اللہ اور اظہار حق کے لئے وقف ہے، آپ " المنبر " کا مطالعہ فرمائیے۔

— " المنبر " کا ہر شمارہ اسلام اور عالم اسلام کے مسائل سے بھرپور ہوتا ہے۔

— " المنبر " نے مکہ معظمہ، بغداد، استنبول، ٹوکیو اور دوسرے اہم مقامات سے محافل و کوائف حاصل کرنے کا خصوصی اہتمام کر رکھا ہے اور متعدد محالک میں المنبر کے خصوصی نمائندے مقرر ہیں۔

— " المنبر " کے ذریعہ خدا کے دین کی منادی ہر شخص اور ہر گھر تک پہنچانے کے لئے ضرورتاً نصف کر دیا گیا ہے۔ آپ صرف چار روپے ادا کر کے سال بھر کے لئے " المنبر " طلب فرما سکتے ہیں۔

مینجر « المنبر » پوسٹ بکس ۱۰۱ - لائل پور

منشی عالی احباب اپنا زر سالانہ یا سہ ماہی " المنبر " کو بھیجا تو ان کو سہ ماہی یا سہ ماہی

مفت روزہ جدید اردو لائل پور میں ملے گا۔

11 MAY 1962

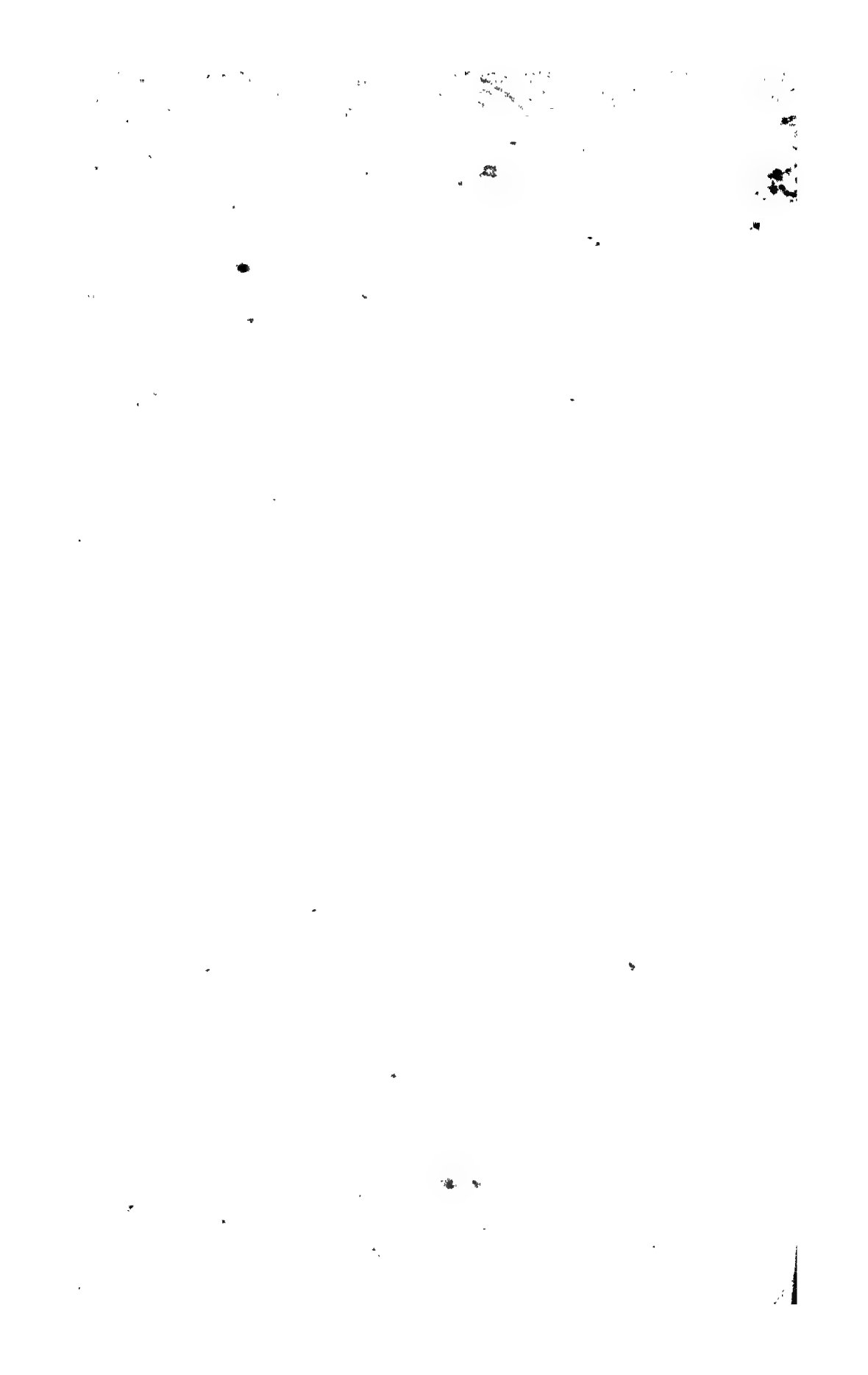
مئی ۱۹۶۲ء



ماہنامہ شاق لاہور

نمیر ادارت
امین ابن اصلاحی

قیمت
نئی پروجہ : ساٹھ روپے
سالانہ : چھ روپے (بارہ شلنگ)



ماہنامہ ہیشاق، لاہور

جلد ۶ | ذیقعدہ، ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ | شمارہ

فہرست مضامین

☆ تذکرہ و تبصرہ — امین احسن اصلاہی — ۲

تذکرہ قرآن

تفسیر سورۃ البقرہ — امین احسن اصلاہی — ۱۲

ادابات فراہی

اصول تفسیر — جناب خالد مسعود صاحب — ۲۴

مقالات

اسلم اور انسانی حقوق — مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاہی — ۳۳

اقتباسات و تراجم

سائنس کا اعتقاد حقیقت — ادراخ اجل باغ — ۴۵

تقریظ و تنقید — ۵۲

ہندوستانی خریداروں کیلئے پریل زر
کاپتہ
نیچر ماہنامہ "ہیشاق"
پکھری روڈ، لکھنؤ

پریل زر اور خط و کتابت کا پتہ
نیچر ماہنامہ "ہیشاق"
رگھو پورہ — اجمرہ
لاہور — ۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تذکرہ و تبصرہ

ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے شہر میں کچھ عرصہ سے ایک حلقہ مطالعہ قرآن جاری کر رکھا ہے۔ اس کے زیر اہتمام ہفتہ وار درس قرآن بھی ہوتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسلامی مباحث پر علمی و تحقیقی لکچروں کے لئے باہر کے اصحاب علم کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کی دعوت پر دو مختلف قوتوں میں رد و لکچر — تدبر قرآن کے ادب و شرائط — اور — قرآن کا فلسفہ و تدبیخ — کے عنوانوں سے درج ذیل کو بھی دینے کے موقع نصیب ہوئے۔ ان دونوں لکچروں میں شرک کے ذہن طبقہ کی ایک اچھی تعداد نے شرکت کی اور تقریروں سے پوری دلچسپی لی۔ یہ تقریریں ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ بھی کر لی گئی ہیں اور حلقہ کی طرف سے احادیث عام کی غرض سے ان کی اشاعت کی بھی کیم ہے۔ سبھی یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اکثر کے تعلیم یافتہ طبقہ کی دلچسپی برابر اس حلقہ کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور قرآن سے استفادہ کرنے والوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہونا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے حمایتِ فیض اور ہدایتِ ہم کی بنیاد ڈالی۔ یہ دہرہ اسلام کی غریب کا دفتر ہے اس دہرے میں اللہ کے جس بندے سے دینی کی خدمت بھی بن آئے، اس میں اپنا حق میں دھس لگا دے کی جھٹی چوٹی خواتین کا بھی انشاء اللہ دعا ہو کہ جو کل بڑی بڑی خدمتوں کی کھٹکے تھے انہیں حق و حقیقت قرآنی احادیث سے نصرت کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کام کے ساتھ ساتھ ایک اور نمایاں کام بھی سرانجام دیا اور قابل تقلید کام کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ ہے ایک اسلامی دارالافتاء کا قیام۔ اس دارالافتاء کا مقصد ان طلبہ کے لئے اسلامی تعلیم و تربیت کی تمام ضروری سہولتیں پیدا کرنا ہے جو مقامی کالج میں زیر تعلیم ہیں، ہم عرصہ سے یہ محسوس کر رہے تھے اور ہمارے اس احساس میں دوسرے بہت سے ارباب فکر و نظر بھی شریک ہیں کہ اس زمانہ میں جبکہ دین اور دنیا دونوں کی جامع درگاہیں مفقود ہیں اور ان کا قائم کرنا اور کامیابی کے ساتھ چلانا بحالات موجودہ تقریباً محال ہے لہذا ان کے دل کے طور پر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ ہر بڑے شہر میں ایسے ہوش قائم کئے جائیں جن میں کالجوں کے طلبہ کے لئے رہائش کی سہولتیں بھی فراہم ہوں اور ذی علم اور دیندار اساتذہ کی مگرانی میں ان کو اسلامی تعلیم و تربیت سے بھی آراستہ کرنے کی کوشش کی جائے یہ ایک صحیح کی راہ ہے جو موجودہ حالات میں تعلیمی اداروں کے مضر اثرات کو کم کرنے اور ان کے اندر سے سید و سول کو پھانٹ کر ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اسلام کی راہ پر لگانے کے لئے اختیار کی جا سکتی ہے۔

اس وقت جدید تعلیم و تہذیب کے ہادو نے ہماری پوری قوم کو بالکل مسحور کر رکھا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس امر واقعی سے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ ان کالجوں اور یونیورسٹیوں میں آج بھی ایسے کتنے نوجوان موجود ہیں جو اسلامی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے اندر شدید تشنگی رکھتے ہیں لیکن ان کے سامنے مشکل یہ ہے کہ ان کے اپنے کالجوں اور ہوسٹلوں کے ماحول میں ان چیزوں کے حامل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں اور شہروں میں ایسا کوئی دوسرا نظم نہیں جس سے وابستہ ہو کر وہ اپنی موجودہ تعلیمی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ اپنی دینی تعلیم و تربیت کی بہ تنہا بھی پوری کر سکیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم و تربیت کے افسوں نے جن کو ہلاک کر چھوڑا، وہ تو ہلاک ہیں ہی، لیکن جن کی براہی صورت ابھی تک زندہ ہے ان کو بھی ہم نے ہلاک ہونے ہی کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ حالانکہ تھوڑی سی مٹی بھی ان کے لئے فراہم ہو جائے تو خدا کے فضل سے ان کے اندر زرخیزی کی بڑی صلاحیتیں ودیعت ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ انہوں نے ہماری یہ دیرینہ قنایا بھی پوری کرنے کے لئے ایک قدم اٹھایا، اگر یہاں بھی یہ تمام ایک بالکل انتہائی قدم ہے لیکن ترجیح ہے

کہ شر کے اہل خیر حضرات نے اگر اس ہوش کی اسلامی قدر و قیمت پہچانی تو ڈاکٹر صاحب اس کو ایک مفید ہوش کے درجہ پر انشاء اللہ بہت جلد پہنچا دیں گے۔ فی الحال اس مقصد کے لئے ایک موزوں مکان کرایہ پر لے لیا گیا ہے۔ اسلامی دین بکھنے والے چند بیرونی اور چند مقامی طلبہ نے اس میں داخلہ لے لیا ہے۔ مفید اسلامی کتب پر مشتمل ایک کتب خانہ اس کے اندر قائم کر دیا گیا ہے۔ عربی زبان اور اسلامی علوم کی تعلیم کے لئے دو اہستادوں کی خدمات پہلے سے حاصل تھیں ادواب ہمارے مخدوم و محترم دوست مولانا عبد الغفار حسن صاحب طلبہ کی تعلیم و تربیت اور حلقہ مطالعہ قرآن کی نگرانی کے لئے مستقل لائپور سے منظمی منتقل ہو گئے ہیں۔ مولانا کی صحبت دین کے علم و عمل کے طالبوں کے لئے ایک عظیم نعمت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ طلبہ اور اہل شہر ان کے فیض سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

اس تقریب سے ہم سب سے پہلے تو اپنے ملک کے دینی خدمت گزاروں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے شہروں کے طلبہ کے لئے بھی اسی نمونے کے ہوش قائم کریں، خاص طور پر بڑے شہروں میں ان کی ضرورت بھی شدید ہے۔ امدان کی کامیابی کے امکانات بھی زیادہ ہیں۔ اس سلسلہ میں طریق تربیت و تعلیم یا طریق کار سے متعلق اگر کسی کو مشورہ یا رہنمائی کی ضرورت محسوس ہو، تو وہ مولانا عبد الغفار حسن صاحب سے حلقہ مطالعہ قرآن، چوک کنواں پور والا منظمی کے پتہ پر رجوع کر سکتا ہے۔

دوسری گزارش ہم ملک کے اہل خیر حضرات سے کریں گے کہ اس زمانہ میں دین کی تعلیم کو مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے یہ طریقہ بتنا مفید ہو سکتا ہے، وہ سرا کوئی طریقہ شاید ہی مفید ہو سکے۔ یہ ہوش دین و دنیا دونوں کے جامع مدارس کے بالمقابل بہت ننھے ننھے مصارف سے قائم ہو سکیں گے اور نئے تعلیمیافتہ نوجوانوں کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے اور ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو دین کی طرف مصروف کرنے میں ان کا رول انشاء اللہ نہایت شاندار رہیگا۔ اس وجہ سے جو اصحاب ثروت اس کام میں تعاون کر لیں گے، ہمیں امید ہے کہ وہ اپنے مل سے دین کی نہایت مفید خدمت انجام دیں گے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے جتنی اجر کے مستحق ہوں گے۔

ہماری تیسری گزارش طلبہ اور ان کے سرپرستوں سے ہے کہ جہاں کہیں اس قسم کے ہوش بنیں

میسر آئیں وہ ان سے پورا چور اٹھائے جو طلبہ مشکری میں ہیں یا وہاں قیام کر کے ان کے لئے تعلیم حاصل کرنا ممکن ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی ناشکری کریں گے اگر اس اختتام سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ بات کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ گو اللہ کا دین ہم میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے، لیکن ہم اس کے محتاج ضرور ہیں، اگر ہم نے سب کچھ سیکھا، لیکن خدا کے دین ہی کو نہیں سیکھا تو ہمارا سارا سیکھنا اور پڑھنا ہمارے لئے صرف وبال بنے گا۔

۲

بہیں پرویز صاحب کے ایک پُر زور حمایتی کی طرف سے ایک مراسلہ موصول ہوا ہے جس میں پچھلے نو ان علماء بد بڑی بے دہی کی گئی ہے جنہوں نے پرویز صاحب پر کفر کا فتوے لگایا ہے، پھر ہم سے باصرار یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم ان کے مراسلہ کو مہیشاق میں چھاپیں اور پوری ایمانداری کے ساتھ اس پر اپنی رائے ظاہر کریں، اگر پرویز صاحب ہمارے نزدیک بھی اسی طرح کافر ہیں جس طرح دوسرے علماء کے نزدیک وہ کافر ہیں تو ہم بھی علماء کے سمجھنا ہو کہ ان کے کفر کا اعلان کریں اور اگر ہم اس فتوے کے بعد بھی پرویز صاحب کو بدستور مسلمان سمجھتے ہیں تو اخلاقی جرات سے کام لے کر اس فتوے کی پوری طاقت سے تردید کریں۔

اس مراسلہ کے علاوہ ہیں کافر گزشتہ کے عنوان سے خود پرویز صاحب کی طرف سے بھی ایک پمفلٹ موصول ہوا ہے۔ اس کے بیچنے سے بھی ان کا مقصد غالباً یہی ہو گا کہ ہم اس پر اظہار رائے کریں لیکن اس وقت نہ تو ہم اس فتوے پر کوئی رائے ظاہر کرنا چاہتے نہ پرویز صاحب کے پمفلٹ اور صاحب مراسلہ کے مراسلہ پر۔ ان چیزوں پر کسی اظہار رائے کی ضرورت محسوس ہوتی تو یہ کام ہم بعد میں کریں گے اور انشاء اللہ نہایت تفصیل سے کریں گے، اس اظہار رائے کے بجائے اس وقت ہم پرویز صاحب اور ان کے حمایتیوں کی خدمت میں اپنے چند مشورے عرض کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ وہ ان مشوروں کو اخلاص پوری سمجھیں گے اور قبول کریں یا نہ کریں لیکن اپنی ضرورت ضرور کریں گے۔

پہلی گزارش یہ ہے کہ وہ یہ موقف اختیار نہ کریں کہ علماء کو کسی پر کفر کا فتوے لگانے کا حق نہیں ہے اس امر پر تو شبہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کسی کے کفر و ارتداد پر اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے۔ لیکن یہ بتانا کہ کیا چیز کفر ہے اور کیا چیز اسلام ہے۔ ہر حال میں علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری

ان پر اللہ اور رسول کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔ اگر وہ اس کو ادا نہ کریں گے تو اس کے لئے وہ حد اللہ و حد دار ٹھہریں گے۔ یہ ذمہ داری یوں تو ان پر ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن خاص طور پر اس زمانہ میں تو اس کے تمام مسائل یہی ہیں، اس لئے کہ اس دور میں مسلمان کا دمتوں کو لوگوں کے کفر و ایمان کے معاملہ سے کوئی تعلق باقی ہی نہیں رہ گیا ہے، وہ یا تو سیکولرزم کے پردے میں غیر جانبدار بن کر بیٹھ گئی ہیں یا پھر مغربیت کے زیر اثر آزادی و بے قیدی کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر علماء بھی لوگوں کی ہدایت و ضلالت کے معاملہ سے بالکل بے تعلق ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ملے گا کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت شیطان اور اس کی ذریعات کی صرف ایک بھرا گاہ بن کر رہ جائے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس فتوے کے جواب میں تاویل بازی اور مناعہ انگیزی کی جو روش اختیار کی گئی ہے یہ بالکل غلط ہے، علماء نے جو فتویٰ دیا ہے وہ پرویز صاحب کی کسی بہیم عبارت یا کسی مطلق تحریر یا مجمل قول پر مبنی نہیں ہے کہ اس کی توضیح و تشریح کی ضرورت پیش آئے۔ وہ یہ فتویٰ پرویز صاحب کے ایسے عقائد و نظریات پر مبنی ہے، جن کو وہ ایک مدت دواڑ سے بیان کر رہے ہیں بلکہ بالاصل ان کی وضاحت میں پرویز صاحب نے سیکڑوں بلکہ ہزاروں صفحات سیاہ کئے ہیں صرف بیان ہی نہیں کئے ہیں۔ بلکہ بڑے مشدد و مد سے لوگوں کو ان کی دعوت بھی دی ہے۔ صرف دعوت ہی نہیں دی ہے بلکہ ان کے چنار میں مسلمان قوم کے تمام اسلاف و اصناف کو شامل اور یہ خوف بھی ٹھہرایا ہے۔ ہر داستان لٹنے تک بار و اعادہ کے ساتھ ضمنی اور سناٹی جاہلی اور بدعتیہ و تہذیب کے بھی تمام مراحل سے گزر چکی ہو، اس کے متعلق جب یہ بات کہی جاتی ہے کہ پرویز صاحب کا مطلب یہ نہیں بلکہ یہ ہے تو اس پر ہمدردی کے بجائے آدمی کو غصہ آتا ہے۔ اس قسم کی روش صرف وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو صنعتِ دُور ہوتے ہیں۔ ہمارا مادی اس طرح کے حالات میں صرف دو ہی راہیں اختیار کرتا ہے۔ اگر اسے اپنے عقائد و نظریات پر جزم ہوتا ہے تو ان پر ٹوٹ جاتا ہے، اسے اس بات کا کچھ فکر نہیں ہوتا کہ وہ کن سے کٹ رہا ہے اور کن سے جڑا رہا ہے اور اگر اس پر اپنے نظریات و عقائد کی غلطی واضح ہو جاتی ہے تو بر ملا اپنی غلطی کا اقرار کر لینا ہے۔ اس امر کی اسے فدا پر دانی نہیں ہوتی کہ دوست اور دشمن اسے کیا کہیں گے۔ یہ روش صرف بے کرد لوگ اختیار کرتے ہیں کہ دوسرے تو غمِ خشک کے

کرتے ہیں لیکن سب کسی سخت قسم کی گرفت میں آجاتے ہیں تو لوگوں کی آنکھوں میں تاویلات کی دھل جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری ساری باتوں کو اس وقت ایک طرف رکھئے، یہ بتائیے کہ آپ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ایک جوت شرعی ہونے کے منکر ہیں یا نہیں اور حضور کے احکام و ہدایات کو واقعی اور منکامی احکام کا درجہ دیتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے (اور اثبات کے سوا آپ کس شکل میں اس کا جواب دے سکتے ہیں؟) تو میں صاف کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دوسرے لفظوں میں انکار ہے۔ قادیانی حضرات نے ختم رسالت کا انکار کر کے رسالت کا انکار کیا آپ حضرت نے سنت کا انکار کر کے راستے دونوں کے بظاہر وہ ہیں۔ لیکن منزل ایک ہی ہے۔ آخر جو باتیں آپ لوگوں نے اتنے تندہ سے کہی ہیں ان کی تاویل کس کس طرح سے کریں گے اور ان تاویلات بارہ سے فائدہ کیا؟ اس طرح کی تاویلات کس کو ملتیں کر سکیں گی یہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے پرویز صاحب سے کبھی کوئی پرغاش نہیں ہوئی۔ پہلے ان کے ساتھ میرے دوستانہ مراسم رہ چکے ہیں، عجیب بھی ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکے دل و دماغ کو بدل دے اور ان کے زبان و قلم سے اسلام کی خدمت ملے۔ لیکن ان کے بارے میں اپنے ان ہمدردانہ جذبات کے باوجود میں یہ امر واقعی بھی واضح کئے دیتا ہوں کہ میں نے جب جب انکی کوئی تحریر پڑھی ہے (اور اب ایک رسالہ کے ایڈیٹر ہونے کے سبب سے مجھے اکثر ان کی تحریریں طوعاً یا کرہاً پڑھنی پڑتی ہیں) تو میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گو بظاہر وہ صرف حدیث کے منکر ہیں لیکن حقیقت میں وہ رسالت کے منکر ہیں۔ جو شخص سنت کا منکر ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا رسالت پر ایمان کیا معنی رکھتا ہے؟ قرآن قرآن وہ بہت پکارتے ہیں لیکن ان کے ہاتھ قرآنِ حدیث سے بھی زیادہ مظلوم ہے۔ انہوں نے عربی لغت اور عربی گرامر سب اپنے گھر میں بیٹھ کر گھڑی ہے۔ ہر قاعدہ اور ہر طاغوت سے بے نیاز ہو کر مجرد اپنی خواہشات کے تحت تامل کرنے کے معاملہ میں ان سے زیادہ بے ہنگ آمادی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ قادیانی حضرات تو کس گنتی میں ہیں۔ انہیں تو اکثر مسالوات میں اپنے ڈرامے کا لہجہ سے عادی ہیں۔

ان دھوکے سے بھرائے ہر ایک ان دوستوں کی یہ کوشش تو بالکل فہول ہے کہ خرافات کے

اس مزید پرمایہ کے پردے والیں تاجتہ اگر ان میں بہت سے تو اس کو باطل دخی کر دیں اور سرور ایمان و اسلام کی سیج خدمت کا آغاز کریں۔

ہم ان دوستوں کو یہ مشورہ بھی دیں گے کہ وہ اپنے ذہنوں سے یہ معاملہ باطل نکال دیں کہ تکفیر کے فتوے سے آدمی ملت کا ہیرو بن جایا کرتا ہے۔ سرسید وغیرہ کا ہیرو صاحب نے طار دیا ہے تکفیر کے فتوے سے ہیرو نہیں بنے۔ بلکہ اپنی شاندار قومی خدمات کے سبب سے ہیرو بنے۔ دینی معاملات میں ان سے بوجے اعتدالیاں ہوئیں وہ ہرگز کسی فتنہ پروری اور فرقہ سازی کے شوق میں نہیں ہوئیں، بلکہ محض حمایت اسلام کے جوش میں صادر ہوئیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی لکھا، پھر اسے خلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی حمایت و مدافعت میں لکھا۔ لیکن چونکہ ان کو دین کا پورا علم نہیں تھا اس وجہ سے انہوں نے اس راہ میں بہت سی ٹھوکریں کھائیں۔ لیکن پھر کچھ علم نے ان کی تکفیر کی۔ لیکن مسلمانوں کی حمایت میں چونکہ ان کی خدمات نہایت شاندار تھیں، ان کا خلوص ہر فتنہ سے بالاتر تھا، ان کی ساری زندگی قوم کے لئے ایثار و قربانی کا ایک مرقع تھی۔ اس وجہ سے مخاطبات پر ان کی تکفیر شاق گذری، تاہم ان کے مخصوص مذہبی نظریات کو تھوڑے سے مغرب زدہ بے خبروں کے سوا کسی نے قبول نہیں کیا۔

اب موزنہ کیجئے کہ کجا سرسید اور کجا پرویز صاحب۔ چارٹر اور گلہری میں کیا لہنتہ ران کے صیغہ اعمال میں بحر اس کے کہ کتاب فردی کی انکارسنت اور انکار رسالت کا فتنہ اٹھایا، دین پاک کی تبلیغ کی، کچھ بے خبر مسلمانوں کو گمراہ کیا اور کون سا کارنامہ درج ہے لیکن اپنی ذات کے ساتھ حسن ظن ملاحظہ ہو کہ محض اس دلیل سے اپنے آپ کو اسلام کا بہیدہ بڑا یہ ہیرو ثابت کرنا چاہے ہیں کہ کفر کے فتنے ابوحنیفہ، احمد بن حنبل اور اسماعیل شہید پر بھی لگ چکے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ہر کشتہ تیغ حسین بن جانا ہے، اگرچہ اس کا سر چوری اور ڈکیتی ہی کی راہ میں قلم کیا جائے۔ عجیب غریب منطق قادیانی حضرات بھی بہت استعمال کرتے ہیں اور یہی حضرت کی اس بوالغضوبی کا ہمیشہ ہنسی آتی ہے۔

دراز دستی ہیں کو تو امتیاز ہیں

پرویز صاحب نے مختلف گروہوں کے علماء کے ایک دوسرے کے خلاف فتوے کا جو ریکارڈ شائع کیا ہے، یہ بھی ان کے حق میں کچھ سودمند نہیں۔ اس میں خطبہ نہیں کہ مختلف مسلمانوں کے غالی مولویوں نے گروہی تعصبات و نزاعات کے جوش میں ایک دوسرے کے خلاف فتوے دے ڈالے ہیں۔ لیکن اس سے اس فتوے کی اہمیت ذرا کم نہیں ہوتی جو انہوں نے پرویز صاحب کے خلاف دیا ہے۔ کچھ بریلویوں کا دیوبندیوں کے خلاف یا کچھ دیوبندیوں کا بریلویوں کے خلاف کوئی فتوے دے دینا الگ چیز ہے اور کم و بیش ایک ہزار علماء کا جن میں مسلمانوں کے ہر مسلک قسطنطنیہ کی علامت شامل ہیں، پرویز صاحب کے کفر پر اجماع کر لینا ایک مختلف چیز ہے اس قسم کا اجماع قادیانیوں کے سوا کسی کے کفر پر بھی اس ملک میں نہیں ہوا ہے۔ اس وجہ سے ہم پرویز صاحب اور ان کے ساتھیوں کو نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس معاملہ کی نزاکت پر نہایت سنجیدگی سے غور کریں، یہ نہ خیال کریں کہ اس دور کفر بدستی میں کوئی ان کا کیا بچاؤ لے گا جھاڑ تو بیشک کوئی ان کا کچھ نہیں لے گا۔ لیکن یہ بیشک کوئی ہم کئے دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے دلچسندی کے بجائے صند اور مرٹ دھری سے کام لیا تو وہ قادیانیوں کی طرح مسلمانوں کے سوا دُشمن سے بالکل کٹ جائیں گے اور یہ بات ہمارے لئے بھی غم انگیز ہوگی اور ان کے لئے بھی نہایت افسوسناک ہوگی۔

آخر میں ہم یہ بات بھی واضح کئے دیتے ہیں کہ پاک و ہند کے جن علماء کے اس فتوے پر دستخط نہیں ہیں، ان کو اس فتوے سے الگ خیال کرنا محض ایک مناسطہ ہے مگر کچھ لوگوں نے اس پر دستخط نہیں کئے ہیں تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ فتوے پر دستخط کرنا ان کے رجحان طبعیت اور ذوق کے خلاف ہے یا یہ ہے کہ اس دور میں اس چیز کو وہ کچھ زیادہ مفید نہیں سمجھتے ہیں۔ ہر سے جیسے لوگوں کے لئے یہ وہ بھی ہو سکتی ہے کہ فتوے لکھنا یا اس پر دستخط کرنا میں نے اپنے منصب سے ہمیشہ ایک ہونہی چیز سمجھا ہے لیکن یہ بات کہنے میں مجھے ذرا حجاب نہیں کہہ رہا تھا کہ خیالات و محتاج کو پیش لے، ہمیشہ کفر و منکارت بکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ حد و تنگی کا صحیح رخ اختیار کریں اور دین سے ناواقفوں کے لئے غم نہ بنیں۔

کھنڈوں سے ایک ہفت روزہ نمائے وقت کے نام سے نکلا ہے۔ اس کے مدیر مولانا حسین الرحمن اور اس کے نگران مولانا ابوالحسن علی اور مولانا محمد منظور نعمانی ہیں۔ انہیں اپنی خصوصیت و اہمیت کے اعتبار سے اس بات کا حق ہوتا ہے کہ اس کا ذکر ان صفحات میں کیا جائے۔

تقسیم کے بعد سے بھارت کے مسلمان جس دور مظلومیت سے گزر رہے ہیں، اس کا سب سے زیادہ شکار ایک پہلو کچھ عرصہ سے یہ نظر آ رہا تھا کہ جو لوگ وہاں مسلمانوں کی رہنمائی اور قیادت کے پوزیشن میں ہیں وہ خود بالکل سیرت اور سرسبکی کی تاریکی میں گھرے ہوئے محسوس ہوتے تھے جس کی کسی بھی کوئی چیز ہم نے پڑھی یہی محسوس کیا کہ اس کے آگے بالکل اندھیرا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ خود کو صبر جائے اور کہ صبر مسلمانوں کو جانے کی دعوت دے۔ صبر ہے کہ جو لوگ خالص اسلامی قیادت اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے عزم و جزم کے ساتھ کام کر رہے تھے ان کو بھی حالات کی بے مہری نے تھیں یہ باندہ کہہ کے مقام سیرت و یاس پر لے جا کر کھڑا کر دیا تھا۔ یہ صورت حال ہمارے لئے نہایت پریشانی اور غم کا باعث تھی قوموں کی زندگی میں سخت سے سخت دور بھی آئے گذر جاتے ہیں اور قوم زندہ جاتی ہے بشرطیکہ مشکلات کے اندھا کے لہجوں کی سوج بوج اور انعام و عطا نہ نکلتا رہتا ہے لیکن جب یہ جواب دیتے ہیں کہ سسٹن کوئی روشنی ہی باقی نہ رہ جائے تو پھر اس قوم کا زندہ باقی رہنا محال ہو جاتا ہے ہم بھارت کے پانچ کروڑ مسلمانوں کے مستقبل سے متعلق اسی تشویش اور بوجھانی اضطراب میں مبتلا تھے کہ ایک روز بھارت کی ڈاک سے یہ اخبار موصول ہوا۔ ہم نے امید و بیم کی ایک خاص کیفیت کے ساتھ اس اخبار کی سطرسطر پڑھی اور پڑھنے کے بعد محسوس کیا کہ ہمارے دل پر غم و الم کا جو بوجھ تھا اتر گیا ہے اور ملک و ملک میں زندگی اور امید کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ اب تک اس اخبار کے چار شمارے نکل چکے ہیں اور ہر شمارہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہے اس کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے الہامی مروج کی یاد تازہ کر دی ہے۔ وہ کچھ زیادہ مبالغہ سے کام نہیں لے رہے ہیں مولانا شبلی نعمانی مروج کے متعلق سنا ہے کہ ان کو ہفتہ بھر الہامی کا انتظار رہتا تھا جب آجاتا تو اس کو مطالبہ کرنے کے بعد سامنے اپنے میز پر رکھ لیتے اور اس وقت تک اس کو میز سے اٹھانے کی اجازت نہ دیتے۔ جب تک اس کے بعد کا نمبر ان کے میز پر اس کی جگہ لے لینے کے لئے

نہ آجاتا۔ کچھ بھی معاملہ نہ اٹھے ملت کے ساتھ بھانا ہے

اس اخبار کی سطر سطر سے ایمان کو غذا، روح کو تقویت، کھڑک کو رہنمائی اور عزم و حوصلہ کو ایک حیات تازہ ملتی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے لئے بھارت کا مظلوم مسلمان اس وقت سخت محتاج تھا اس اخبار کے بانیوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس بنیاد کو پالیا ہے جس پر بھارت کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی تشکیل و تعمیر ہونی چاہیے۔ اس وجہ سے اس کی دعوت ابتدا سے بالکل صحیح رخ پر ہے اس دعوت میں مسلمانوں کے دین، مسلمانوں کی تہذیب اور مسلمانوں کی عالمگیر برادری کے جو حقوق و مطالبات ہیں، ان کا بھی پوری جرأت اور پورے اعتماد کے ساتھ اظہار و اعلان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی ہندوستانی قومیت کے جو حقوق و واجبات بھارت کے مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں، کھٹے دل کے ساتھ ان کا بھی اعتراف کیا جا رہا ہے البتہ جو چیزیں ہندو اکثریت کسی عقلی و فطری دلیل کے بغیر ان واجبات کی فہرست میں شامل کرنے پر مصر ہے ان کا انکار کیا جا رہا ہے اور یہ انکار ایسی مومنانہ عینیت اور صاف گوئی کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ بڑھ کر روح و جد میں آجاتی ہے۔

ہیں یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ یہ اخبار بڑی تیزی کے ساتھ مقبول ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اسکی مقبولیت میں نہاد فرمائے اور اس کو نظر بد سے محفوظ رکھے، جن لوگوں نے ملت عزیز کو زندہ کرنے کے لئے یہ بازی کھیلی ہے ان کی درازی عمر کے لئے دل سے دعائیں ملتی ہیں اپنی زندگی کے جو دن باقی ہیں، اگر وہ کچھ قدر وقیمت رکھتے ہیں تو رب کریم ان کو بھی مولانا علی میاں اور مولانا نعمانی کی عمر دل کے ساتھ جوڑ دے کہ ان کے پاکیزہ ہاتھوں سے یہ ملت مظلوم کی نذر نہ ہو جائیں۔

اس اخبار کا سالانہ چندہ ہندوستان کے لئے دس اور پاکستان کے لئے گیارہ روپے ہے۔ جو لوگ خریدنا چاہیں، وہ ہفت روزہ ندائے ملت لکھنؤ کے چہرہ پر فرائش کریں۔ اور ہم ہر دردمند مسلمان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کو ضرور خریدے گا۔

تفسیر سورہ بقرہ

۲۹۔ نسخ کی حقیقت اور اس کی ضرورت (۲۵)

اس مجموعہ آیات کی تمام اہم تعلیمات کی طرف ہم آیات کی وضاحت کے ضمن میں اشارہ کرتے آئے ہیں غور سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے وہ کافی ہے البتہ نسخ کا مسئلہ جو آیت ۱۰۶ میں بیان ہوا ہے مزید وضاحت کا محتاج ہے ہم اس کے بعض اہم پہلوؤں پر یہاں روشنی ڈالیں گے اور اس سلسلہ میں استاذ امام مہ فرامی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر سے بھی استفادہ کریں گے۔

ادھر نسخ سے مستفاد جو آیت گزری ہے، اس پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے۔ فرمایا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا فَأَبَیْتُ بِمِثْلٍ خَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا (جو آیت (حکم) ابھی ہم منسوخ کرتے ہیں یا اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے مانند دوسری لاتے ہیں) سیاق و سباق اور نظم کلام کی روشنی میں ہم۔ اس آیت کا تعلق صرف ادیان سابقہ سے مانا ہے۔ اہل کتاب نے یہ اعتراض جو اٹھایا تھا کہ قرآن جب پکار کتاہوں کو آسانی تسلیم کرتا ہے تو ان کی تعلیمات کو منسوخ کیوں کرتا ہے۔ قرآن نے یہ ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اب آیت اس جواب کی نوعیت پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ یہ ہر پہلو سے مقبول اور اطمینان بخش ہے یا نہیں۔ آیت پر تکرر کرنے سے جواب کے دو پہلو واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ایک دیکھیں نسخ خوب سے خوبتر کی طرف عروج اور ترقی کے نقطہ نظر سے ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی تکمیل ہے جو اس نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے فرمایا تھا کہ دینا آخری نبی بھیجے گا جو اللہ کی مشیت کو کامل کرے گا، تمام تعلیمات کو بحال کرے گا تمام خواہشات کو

ٹھہرائے گا اور لوگوں کو ان بہت سی پابندیوں سے آزاد کرے گا، جو اس وقت ان پر ہیں۔

اس حقیقت کو واضح طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھئے

الف۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی اس نقطہ کمال تک پہنچی ہے جس نقطہ کمال پر وہ قرآن حکیم میں نظر آتی ہے۔ اس تدریجی ترقی کے لئے جو بھر مقتضی ہوئی ہے وہ انسان کی فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ تدریجی تربیت ہی کے ذریعہ سے اس مقام تک پہنچ سکتا تھا جس مقام پر پہنچ کر وہ خدا کے دین کامل کا اہل بن سکا ہے۔ اس مقام پر پہنچنے سے پہلے تک اس کو جو دین ملا۔ وہ بنیادی طور پر تھا تو اسلام ہی لیکن اپنی ظاہری شکل و صورت یا بالفاظ دیگر اپنی شریعت کے اعتبار سے بہت کچھ انہی سانچوں پر ڈھلا ہوا تھا جو سانچے اس عہد کے ذہنی عقلی اور اخلاقی و تمدنی تقاضوں سے مناسبت رکھتے تھے تدریجی تربیت کے ذریعہ سے جب اس کی فطرت کے تمام مصورات واضح ہو گئے اور اس کی عقل بلوغ کو پہنچ گئی، محسوسات و رسوم کی قیدوں اور قومی و قبائلی تنگنائیوں سے آزاد ہو کر اس نے سوچنا سمجھنا شروع کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس کو اسلام اس شکل و صورت اور اشکیت کے لباس میں دیا جو ٹھیک ٹھیک اس کی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ کوئی چیز نہ اس سے کم ہے نہ اس سے زیادہ۔ یہ ترقی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ پچھلی شریعتوں کی بہت سی چیزیں بدلیں اور اسلام میں وہ اپنی ان شکلوں میں نمودار ہوں جو ان کی بالکل معیاری اور فطری شکلیں ہیں۔

ب۔ نورات کے بہت سے احکام کی ظاہری شکل بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ جس وقت نازل ہوئے تھے خام حالت میں تھے، ان کو پختہ ہونے کے لئے کسی اور فصل و موسم کا انتظار تھا۔ اسلام کے ظہور نے ان کے لئے وہ منتظر موسم فراہم کیا اور وہ پختگی کو پہنچے۔ مثلاً شراب ان کے ان صرف عبادت خانہ کے ذمہ داروں کے لئے حرام تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ یہ چیز تقویٰ و طہارت کے سنائی ہے اور ایک دن آئے گا کہ یہ سب کے لئے حرام ہو کے رہے گی۔ چنانچہ اسلام نے اس کی حرمت کے سلسلہ میں پہلا قدم اس مقام سے اٹھایا کہ نماز کے اوقات میں اس کو حرام ٹھہرایا۔ پھر تدریج اس کو بالکل حرام کر دیا رعایات بلکہ قرآن کے اشارات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر جو لوگ زیادہ ذہین اور روح دین کے ذوق آشنا تھے۔ وہ پہلا ہی حکم سن کر کھانا کھانے پر توجہ دیتے اور اسی وقت سے وہ شراب سے بالکل تائب ہو گئے۔ اسی طرح کھانے پر توجہ

کی دوسری چیزوں کی حلت و حرمت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں یا تو بنی اسلاف کے خاص قومی ذوق کے تحت ان کے لئے حرام عسٹرائی گئیں یا ان کے بیجا قسم کے سوالات کی سزا کے طور پر مثلاً اونٹ یا ذبیحہ کے بعض حصوں کی چربی یہ سونٹیں اپنی ہئیت اسی سے ظاہر کر رہی تھیں کہ یہ عارضی اور وقتی ہیں ایک دن آئے گا کہ اس قسم کی تمام پابندیوں فطرتِ انسانی کے منافی ہونے کے سبب سے اٹھ جائیں گی۔ چنانچہ دینِ فطرت نے الیوم احل لکم الطیبات (اب ہمارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں) کا عام اعلان کر کے اس قسم کی تمام پابندیوں کو غشوہ کر دیا۔ لہذا اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن مقصود یہاں تفصیل نہیں بلکہ ایک حقیقت کی طرف صریح اشارہ ہے۔

ج۔ تکمیل و ترقی کی اس ضرورت کی طرف حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے نہایت غیر مبہم الفاظ میں اشارہ بھی فرمایا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

”خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سزا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حروب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو اپنے خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جو کہ وہ میرا نام لے کہے گا نہ سنے تو میں ان کا مصاب اس سے لوں گا۔“ (تثنیہ ۱۸ = ۱۵-۲۰)

ان آیات میں جہاں ایک طرف نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا صریح الفاظ میں وعدہ ہے وہیں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ دینی کی تکمیل آپ ہی کے ذریعے ہوگا۔ حدیب کے مقام میں نبی اسرائیل نے خود اس امر کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ اب مزید شریعت کا جو بھرا تھا۔ کی طاقت اپنے نذر نہیں رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراف منفع کی تحقیر فرمائی اور وعدہ فرمایا کہ وہ ان کے بھائیوں میں سے حضرت موسیٰ کی مانند ایک دوسرا نبی برپا کرے گا اور اس کے خدا

اپنے دین کی تکمیل فرمائے گا۔

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔
 مگر اب میں اپنے بیٹے مانے کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پہچنتا کہ
 تو کہاں جاتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ میں نے تم سے یہ باتیں کہیں تمہارا دل غم سے بھر گیا۔ لیکن
 میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو
 وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ اگر
 دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں تصور وار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے
 میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راستبازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے
 پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار
 مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے۔ مگر اب تم ان کی برداشت
 نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا،
 اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی
 خبریں دے گا۔

ان آیات میں ”مددگار“ اور ”سچائی کا روح“ یا بعض دوسرے ترجموں میں ”معزٰی“ اور ”وکیل“ کے
 الفاظ جو وارد ہوئے ہیں، ان کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ حضور
 کی طرف سے یہ بات منطقی ہو سکتی ہے کہ وہ تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اور حضور ہی کی نشان
 دہی ہے کہ ”وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔“ بعینہ یہی بات قرآن مجید
 میں ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ ما یمنطق عن الہوی ان ھو الا وحی یوحٰی۔ وہ یہ اپنے
 ما سے نہیں کہتا بلکہ یہ وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ پیشینگوئی فرمائی کہ نبی موعود وہی وہی کچھ کہے گا جو خداوند خدا
 کے منہ میں ٹٹلے گا اور جو خبر وہ دے گا اس میں وہ سچا ٹھہرے گا۔

تورات اور انجیل کی انہی پیشینگیوں کی طرف سبہ اعراف کی مندرجہ ذیل آیتوں میں اشارہ
 دیا گیا ہے۔

قَالَ عَذَابُهُ أُصِيبُ بِهِ مَنْ
 أَشَاءُ وَرَجَعْتُ وَرِسْتُ كُلِّ
 شَيْءٍ فَأَنَا كَتِبْتُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ
 وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ
 بِأَيْتَاتِي يُؤْمِنُونَ ۚ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
 الرَّسُولَ الْيَقِيَنَّ الْوَعْدَ الَّذِي يَبْعَثُ
 مَكْتُوبًا عِنْدَ هُمْ فِي
 التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَا مَرْحُمُ
 بِالْعَدْرِفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ
 الْمُنْكَرِ وَيَجْلُ لَهُمُ الصَّيِّبَاتِ
 وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ
 عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي
 كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ
 وَعَزَّرُوهُ وَكَصَّرُوهَا وَاتَّبَعُوا النُّورَ
 الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ
 هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

فرمایا کہ رہا میرا عذاب تو میں اس کو نازل
 کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تو
 ہر چیز پر محیط ہے۔ سو میں اس کو لکھ رکھوں گا
 ان لوگوں کے لئے جو مجھ سے ڈرتے رہیں گے
 زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیتوں پر ایمان
 لائیں گے۔ یعنی جو پیروی کریں گے اس رسول
 اور نبی امی کی جس کو لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے
 ہاں تو رات اور نیکیل میں وہ ان کو حکم دیتا
 ہے نیکی کا اور روکتا ہے بُرائی سے اور
 ان کے لئے جائز کرتا ہے تمام پاکیزہ چیزوں
 کو اور حرام ٹھہراتا ہے نا پاک چیزوں کو،
 اور ان سے دور کرتا ہے ان کے بوجھ اور
 ان پابندیوں کو جو ان پر پہلے سے تھیں پھر
 جو ایمان لائے اس پر اور جنہوں نے اس کی
 تائید اور مدد کی اور اس رہبشنی کی پیروی کی
 جو اس کے ساتھ آتاری گئی، وہی لوگ فلاح

پانے والے ہیں۔

(۱۵۵-۱۵۶)

(۲) جواب کا وہ سرا پہلو یہ ہے کہ یہ نسخہ تجدید و احیائے دین کے تقاضے کے تحت ہے
 اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جو شریعت ملی تھی اس کے کچھ حصہ کو جیسا کہ قرآن مجید
 میں تصریح ہے انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔ اس فراموش کردہ حصہ میں سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ
 نے ضروری ٹھہرایا اس دین کامل کے ذریعہ سے اس کی تجدید فرمادی تاکہ دین کے نوازہ سے ہر دور
 پس منہل کی غفلت اور نالائقی سے ضائع ہوگئی تھی، حد از سر نو محفوظ ہو جائے اور اگر اس کے کسی حصہ
 حکمت الہی نے ضروری نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہوا کہ اس حصہ کو نظر انداز کر دیا جائے

تو اس کی جگہ اس کے ہم پایہ و ہم مرتبہ دوسرے احکام عنایت فرمائے۔

یہاں اللہ کا بولفظ استعمال ہوا ہے وہ فراموش کرا دینے کے معنی میں ہے اہمیت زیر بحث میں اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، یہ نسبت اسی طرح کی ہے جس طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا ہے خلاساذاخوا اذاع اللہ قلوبہم (جب وہ کج ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کج کر دیئے) اسلوب بیان اس شخصیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ اپنے قانون حکمت کے مطابق کیا اور اس لئے کیا کہ وہ اپنی شریعت کے معاملہ میں اپنی جہ پھرائی کے سبب سے چیز کے مستحق تھے۔ لیکن چونکہ شریعت الہی تمام انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے اس وجہ سے جس طرح اسکے وقتی احکام کی اسلام کے دائمی اور اعلیٰ احکام کے خدایہ سے تکمیل کی گئی، اسی طرح اسکے فراموش کردہ اور ضائع شدہ احکام کی ان کے مماثل احکام کے ذریعہ سے قرآن میں تجدید کی گئی۔

(۲) نسخ کی یہ ضرورت تکمیل دین اور تجدید شریعت کے پہلو سے بیان ہوئی اور ایسی واضح ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے لئے اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی، لیکن قرآن مجید نے نسخ کے صرف انہی دو پہلوؤں کے بیان پر اکتفا نہیں فرمایا ہے، بلکہ ایک تیسرے پہلو سے بھی اس کی ضرورت بیان فرمائی ہے۔ یہ پہلو دین و شریعت کی تطہیر کا پہلو ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی شریعت کو ان بدعتوں اور عاداتوں سے پاک کرنا جو اہل بدعت اور خواہش پرستوں نے ان میں عادی ہوا۔ اس کا ذکر سورہ حج کی اس آیت میں ہوا ہے جس کا سوال ہم اوپر دے آئے ہیں۔ فرمایا ہے فینسخہ اللہ ما یلحق الشیطان ثم یحکم اللہ آیا تم (پس اللہ مٹا دیتا ہے اس چیز کو جو شیطان داخل کر دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے)

اس پہلو سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ نسخ و دہیات اور ابطال باطل کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اشرار و مفسدین نے آسمانی صحیفوں اور الہی شریعتوں میں جو بدعتیں اور من گھڑت چیزیں طامش، انبیاء علیہم السلام نے ان سے دین کو پاک و صاف کیا اور اس کی اصل تعلیمات کو از سر نو زندہ کر کے ان کو قائم کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان کی اکثریت انہی انبیاء پر مشتمل تھی جو کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے۔ بلکہ ان میں سے بیشتر کا من صرف یہی تھا کہ وہ پہلے سے نازل شدہ شریعت کو بدعتوں اور تحریفیات سے پاک کر کے

اس کو اس کی اصلی حالت پر لوٹا دیں۔ اس اُمت میں یہ خدمت اللہ و رسول کی طرف سے طلبہ کے لیے چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ برادرین کو بدعات و تحریفات سے پاک کرتے اور اُمت کو کتاب و سنت کی طرف لوٹاتے رہیں۔

پچھلی شریعتوں میں اس قسم کے جو اضافے کئے گئے اور اسلام نے جن کو منسوخ کر کے ان کی اصل حقیقت پیش کی یہاں ہم ان کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں تاکہ اس پہلو سے نسخ کی جو ضرورت و اہمیت ہے، وہ اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آجائے۔

حمایہ دینیات کے باب میں یہود اور نصاریٰ نے جس قسم کی لغویات کا اضافہ کیا اور قرآن نے جن کی اصلاح کی ان میں سے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا نیسرا ہے یا مثلاً یہ کہ یہود اللہ کے بیٹے اور اس کے بیٹے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان زمین کے پیدا کرنے سے تھکان ہو گئی اس دہرے اس نے ہفتہ کے دن آرام فرمایا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بات کا اقرار لے رکھا ہے کہ جب تک کوئی نبی وہ قربانی پیش نہ کرے جس کو کھانے کے لئے آسمان سے آگ اُترے اس وقت تک وہ اس پر ایمان نہ لائیں یا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں برص کی بیماری تھی۔ قرآن مجید نے اس قسم کی تمام باتوں کی تردید کر کے اصل حقائق واضح فرمائے۔

اسی طرح یہود نے اپنی بدکارانہ زندگی کو جائز ٹھہرانے کے لئے اکثر انبیاء علیہم السلام سے متعلق نہایت بیہودہ قسم کی روایات اپنے صحیفوں میں شامل کر دیں جو ان کے اخلاق کو باطل مجروح کر دینے والی تھیں۔ قرآن مجید نے ان انبیاء کو اس قسم کے تمام اتہامات سے بری کر کے انکی زندگیوں کو دھن کے مہلی رنگ میں پیش کیا۔

اعمال کے باب میں ان لوگوں نے جس قسم کی بدعتیں کیں ان کی بعض مثالیں اس سورہ میں گزر چکی ہیں اور بعض کا ذکر آگے آ رہا ہے مثلاً ان کا وہ رویہ جو انہوں نے اپنی قوم کے قیدیوں کے بارہ میں اختیار کیا، یا جو روش انہوں نے مؤد کے معاملہ میں اختیار کی۔ نصاریٰ نے ستمیہ راہ گردان مروڑے ہوئے سامان کو جائز کر لیا۔

اسی طرح ان لوگوں نے تائید اور واقعات کو بھی بالکل منسوخ کر کے اپنی خواہشات کے رنگ میں پیش کیا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خاندان کعبہ کی تہذیب کے اکثر حصہ پر بدعنوانی دیا گیا

حضرت ابراہیمؑ کا تعلق بیت اللہ سے ثابت نہ ہو سکے اور اس طرح ہر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشینگوئیوں کو منسوخ کیا جاسکے۔ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ سے متعلق بیانات میں بھی اسی مقصد کے تحت بہت سے تصریحات کئے گئے۔ قرآن مجید نے ان تمام تحریفیات کا پردہ ہٹا کر کیا درہل محتائق بے نقاب کئے۔ اسناد امامؒ نے رسالہ دیج میں ان چیزوں پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ آگے ہم بھی مناسب مواقع سے بعض مفید باتوں کی طرف اشارے کریں گے۔

شرعیات اسلامی میں نسخ کی نوعیت | مذکورہ بالا تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ سورہ بقرہ کی زیر بحث آیت

کا تعلق تمام تر ادیان سابقہ سے ہے اور اس میں جس نسخ کا حوالہ ہے اس کی ضرورت اور اس کی حکمت اس قدر واضح ہے کہ کسی انصاف پسند کے لئے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ اسلامی شریعت میں بھی نسخ ہے یا نہیں تو اس بارے میں ہمارے یہاں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو نہ صرف نسخ کے قائل ہیں، بلکہ اس کو بہت زیادہ وسعت دیتے ہیں، دوسرا گروہ اس کا یقین منکر ہے۔ تیسرا گروہ اس کا قائل تو ہے لیکن اس کو صرف چند احکامات تک محدود مانتا ہے۔

ان میں سے پہلے وہ نے اس کے دائرے کو جو بہت زیادہ وسعت دی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک نسخ کا ایک خاص مفہوم ہے یہ لوگ ان تمام مواقع میں بھی نسخ مان لیتے ہیں جہاں کوئی بات کسی عام کو خاص یا خاص کو عام کر رہی ہو یا کسی اجمال کو تفصیل کا رنگ دے رہی ہو، حالانکہ اس طرح کے مواقع میں نسخ ماننے سے زیادہ معقول بات یہ ہے کہ عام و خاص اور مجلس و مفصل کے درمیان توفیق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ توفیق نہایت آسانی کے ساتھ پیدا کی جاسکتی ہے۔

جو گروہ نسخ کا یقین منکر ہے اس کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام حالات کے تابع ہیں جو احکام منسوخ ہوئے ہیں وہ صرف اس وجہ سے منسوخ ہوئے ہیں کہ جن حالات کے اغد وہ قائل ہوئے تھے۔ وہ حالات تبدیل ہو گئے۔ اب اگر وہی حالات دوبارہ پٹ آئیں تو وہ احکام بھی از سر نو بحال ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے جو احکام اب ظاہر منسوخ ہیں۔ وہ فی الحقیقت منسوخ نہیں ہیں۔

بلکہ اپنے مخصوص حالات کے اندر بدستور قائم و زندہ ہیں، یہ گروہ اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں بات بھی پیش کرتا ہے کہ اسلامی شریعت کا ارتقاء بالترتیب نرمی سے سختی کی طرف ہوا ہے اس وجہ سے جب حالات اس بات کے مقتضی ہو جائیں کہ نرمی کی طرف ہٹا جائے تو یہ پلٹنا اسلام بشریعت کے مزاج کے عین مطابق ہو گا۔

ہمارے نزدیک اس رائے میں متحدہ غلطیاں ہیں۔

اولیٰ تو بھانجے خود یہ دعویٰ ہی بالکل بنے بنیاد ہے کہ اول اول شریعت ملکی تھی، بعد میں یہ سخت ہوئی ہے۔ قرآن مجید پر غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض احکام میں اس کا ارتقاء اگر نرمی سے سختی کی طرف ہوا ہے مثلاً تحريم شراب اور حکم صیام وغیرہ۔ تو بعض احکام میں سختی سے نرمی کی طرف بھی ہوا ہے مثلاً صلوة اللیل اور تعداد منقائین کے معاملہ میں۔ اس وجہ سے یہ فارمولہ بنا کر کہ شریعت کا ارتقاء نرمی سے سختی کی طرف ہوا ہے نسخ کے بارے میں کوئی نتیجہ نکال لینا مبالغہ سے محفوظ نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور ہمارے دور میں جو فرق ہے اس کو اس لحاظ سے ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلامی شریعت کی دنیا کو دعوت دی۔ اس وقت اسلام کی تعلیمات لوگوں کے لئے بالکل نئی اور انوکھی تھیں، آپ کے مصائب کی تعداد تو بڑی تھی، لوگ جاہلی رسوم و عادات کے اتنے خوگر تھے کہ ان کے لئے نکلنا آسان نہ رہا۔ اس کے اس زمانہ میں حالات اس سے بہت مختلف ہیں۔ دنیا میں مسلمان کروڑوں کی تعداد میں۔ اسلامی احکام و قوانین لوگوں کے لئے کوئی نیا نوں اور اجنبی چیز نہیں ہیں، اس وجہ سے اس زمانہ کو اس زمانہ پر قیاس کر کے ایک کے احکام کو دوسرے پر منطبق کرنا ہمارے خیال میں کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اگر حالات کی تبدیلی کے سبب شریعت کے منسوخات کی طرف پلٹنے کے سبب تسلیم کر لیا جائے تو اس سے غلہ پسند طبائع کے لئے شریعت سے فساد کی ایک ایسی راہ کھل جاتی ہے جس کا بند کھانا کھن ہو جائے گا۔ اس زمانے میں بڑی آسانی کے ساتھ اس دلیل کے سوا بعضہ، نماز، روزہ، شراب اور عید زنا وغیرہ کے بارے میں ہولت پسند لوگ ایسے اجتہاد شروع کریں گے کہ دین کے مسئلہ میں انسان ہی اٹھ جائے گی۔ بنائے جانی میں بھی گروہ ماحول کے ہاں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اور آج بھی اس کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اسی چیز کی آڑ سے کہ بہت سے

دوں کے لئے شریعت کی حرام کی ہوئی بہت سی چیزوں کو جائز ٹھہرا دیا، اور پھر ان کے اندر
ان چیزوں کی حرمت کا احساس بھی نصحت ہو گیا۔

اس امر میں شبہ نہیں کہ بگڑے ہوئے ماحول میں بعض مرتبہ اچھے داعیان دیں نے بھی نوداروں
رزمسکوں کیلئے شریعت کے بعض معاملات میں نرمی برتی ہے۔ لیکن اس نرمی کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی،
وہ حالات کی تبدیلی کے تحت شریعت کے منسوختات کے اختیار کرنے کے قائل تھے، بلکہ یہ اس
م کی ایک سنجیدگی اور مسامحت تھی جس قسم کی سنجیدگی بعض مرتبہ اربابِ اصلاح و تربیت اپنے کمزور
برگڑے ہوئے مریدوں اور شاگردوں کے کسی معاملہ میں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس نوع کی مسامحت
بمانہ تربیت کا ایک جزو ہے۔ یہ اس توقع پر اختیار کی جاتی ہے کہ بالآخر اس طرح کے خام
رگوں کی حالت صحبت اور تربیت سے اصلاح پذیر ہو جائیگی۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اکثر حالات میں یہ توقع
دری بھی ہوتی ہے۔ بشرطیکہ تربیت کرنے والے خود تقویٰ کی صفات سے متصف رہے ہیں، محض
مذمہ نافی اور برفروشی کی دکان نہیں چلاتے رہے۔ اس چیز کو اس امر پر معمول کرنا ہمارے
زدیک صحیح نہیں ہے کہ یہ لوگ حالات کی تبدیلی کے تحت حکمت شریعت کو چھوڑ کر منسوختات
کے اختیارات کرنے کے قائل تھے۔

ان و بوء کی بنا پر ہم نسخ کے باب میں مذکورہ بالا دونوں مسکوں کو کمزور سمجھتے ہیں۔ اب وہ
یہ تفسیر مسلک یعنی ان لوگوں کا مسلک جو قرآن کی بعض آیات کو منسوخ مانتے ہیں۔ ہمد سے تنذیک
ہی مسلک صحیح ہے۔ ہر سی یہ بات کہ وہ آیات کون کون سی ہیں، وہ کن آیات سے منسوخ ہوئی
ہیں اور ان کے منسوخ ہونے کی علت کیا ہے تو ان سوالوں کے جواب دینے کا یہ موقع نہیں
ہے۔ اس کتاب میں اپنے اپنے موقع پر یہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئینگی۔ یہاں صرف چند
اصولی باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

ایک قویہ کہ قرآن کا کوئی حکم اگر منسوخ تھا ہے تو قرآن ہی سے منسوخ ہوا ہے اور نہ نسخ و
منسوخ دونوں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قرآن کے کسی حکم کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں
کر سکتی بعض فقہاء نے روایت کی کہ قرآن کے لئے نسخ مانا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ مسلک صحیح
نہیں ہے، اسی مسلک کا مصنف اس خدا مانع ہے کہ اس کی ترویج کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ اس نسخ کا تعلق تمام تر صرف احکام و قوانین سے ہے، عقاید و ایمانیات یا اخلاق و صفات یا واقعات و حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عقاید و ایمانیات اور واقعات و حقائق ایسی چیزیں نہیں ہیں جو آج کچھ ہوں اور کل کچھ اور بن جائیں لیکن احکام و قوانین میں اگر کوئی ترمیم اصلاح خود قانون کا دینے والا کر دے تو اس سے قانون کے مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس سے اصل مقصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

تیسری یہ کہ اس نسخ کی ضرورت اس وجہ سے نہیں پیش آئی کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی قص ہے جس کے سبب سے اس کے نازل کئے ہوئے قانون کو تجربات اور آزمائشوں کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ بلکہ اس کی وجہ صرف بندوں کی بعض خطری خامیاں اور کمزوریاں ہیں، جن کے سبب سے وہ بسا اوقات کسی قانون کے قبول کرنے میں تدریج اور تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر غایت درجہ مہربان ہے۔ اس وجہ سے اس نے یہ پسند فرمایا کہ وہ اپنے قانون میں اس تدریج و تربیت کو ملحوظ رکھے۔

یہ تدریج اور تربیت قرآن کے ناسخ اور منسوخ احکام پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے، کہ مختلف تقاضوں کے تحت مختلف طرز عمل کی مقتضی ہوئی ہے۔ مثلاً

بعض حالات میں یہ اس بات کی مقتضی ہوئی ہے کہ معاشرہ کے ابتدائی حالات کے تقاضوں کی مناسبت سے کسی باب خاص میں کوئی عارضی حکم دیا جائے اور جب معاشرہ اپنے بلوغ کو پہنچ جائے تو اس عارضی حکم کو آخری اور کامل حکم سے بدل دیا جائے۔ مثلاً ابتدائے ورڈ کے حقوق کے تحفظ کیلئے وصیت کا حکم دیا گیا، بدکاری کے سد باب کے لئے پچاسویں قسم کی تہذیب کی ہدایت کی گئی، انصار و صحابہ کی اخوت کو اخلاقی اخوت سے بڑھا کر قانونی اخوت کا درجہ دیا گیا۔ لیکن بعد میں جب معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ کی حیثیت اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو وراثت کے آخری اور حتمی قانون اور زنا کی عین اور قطعی حد نے ان عارضی قوانین کو منسوخ کر کے خود ان کی جگہ لے لی۔

بعض حالات میں یہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ عام انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی قانون مجباً درجہ اپنی آخری حد پر پہنچے، مثلاً شراب جو نہ اہل عرب کی گمشدگی میں پڑی ہوئی تھی، امیں جو سے ابتداء یہ صرف نماند کے اوقات کے لئے حلال ہوئی، مذہب جو نہ کہ عرب جیسے گرم ملک کے لئے

ری سخت چیز تھا اس وجہ سے شروع شروع میں اس کے ایام بھی کم رکھے گئے نیز سفر اور مرض کی صورت میں فدیہ دے دینے کی بھی گنجائش رکھی گئی۔ لیکن بعد میں جب طبائع کو ان چیزوں سے انس ہو گیا و شراب کی قطعی حرمت کے حکم، ماہ رمضان کی تعداد کی تکمیل کی ہدایت اور فدیہ کی اجازت کی منسوخی نے ان ایوان میں بھی شریعت کو کامل کر دیا۔ ان احکام کے بعد صرف اضطرار کے تحت ایک محدود بشرط اجازت باقی رہ گئی۔

بعض صورتوں میں اس کا اقتضایہ بھی ہوا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ساقیہ شریعت کے کسی حکم پر عمل کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک آزاد چھوڑ دیا گیا۔ لیکن بعد میں اس اجازت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ اسلامی شریعت کا مستقل حکم دے دیا گیا۔ مثلاً قہر کے معاملہ میں۔ اس سے مقصود جیسا کہ قرآن میں واضح کیا گیا ہے مسلمانوں کا امتحان لینا تھا کہ کون خدا اور رسول کی وفاداری میں بختہ ہے اور کون اب تک اپنی پچھلی روایات ہی اندھا پرستار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتحان ترسیت ہی کا ایک جزو ہے۔ اسی طرح بعض حالات میں یہ اس بات کی متقاضی ہوئی کہ معاشرہ کی افرادی قوت کی کمی کی تلافی کے لئے وقتی طور پر بعض ایسے احکام بھی دیئے جائیں جو کیفیت کو بڑھانے والے اور قلت تعداد کی حالت میں زیادہ فوہ اٹھانے کی صلاحیت پیدا کرنے والے ہوں مثلاً ابتداء عام مسلمانوں کو بھی تہجد کی پابندی کا حکم دیا گیا۔ میدان جہاد میں ایک کو دس گنا کار کا یہ مقابل قرار دیا گیا۔ جماعتی استحکام و تطہیر کے تقاضوں کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی رازدارانہ بات کر نیے پہلے صدقہ کی ہدایت لگینی جب میں مسلمانوں کی افرادی قوت بڑھ گئی تطہیر جماعت کا وقتی مقصد حاصل ہو گیا تو ان چیزوں میں تخفیف کر کے ان کو اسی عام سطح پر کر دیا گیا جو پہلے سے ان کیسے شریعت میں مقرر تھا یہ ہم نے صرف بعض معمولی باتوں کی طرف اشارات کئے ہیں۔ یہاں پیش نظر تمام نسخ و منسوخ آیات کا استقصا اور ان کے مصالح کی وضاحت نہیں ہے تفصیلی بحث منسوخ آیات کے تحت جیسا کہ عرض کیا گیا اپنے اپنے مقام میں ہے اس تمام تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ خدا کی شریعت قرآن مجید میں اپنے زرق و کمال کے آخری درجہ پر پہنچ گئی ہے اب اس کے بعد کسی نسخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس خیریت میں تمام احکام کے ساتھ مشکل اور مجید کن حالات کے لئے رخصتیں اور رعایتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں اس وجہ سے حالات کی تبدیلی کے عذر پر منسوخ احکام کی طرف پلٹنے کے لئے بھی کوئی وجہ ہوا نہ باقی نہیں رہی البتہ اہل جنت کی پیدا کردہ صلاحاتوں کے نسخ کا کام قیامت تک باقی رہے گا اور یہ کام اسلام میں علماء اور معصومین کے سپرد ہے۔

افادات فراہمی

جناب خاندان مسعودیہ

اصول تفسیر

(۲)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امور عالم کی نسبتوں کو نہ سمجھا جائے تو آدمی ان کی حکمتوں سے اندھیرے میں رہتا ہے۔ یہ چیزیں بعض اوقات خدائے تدبیر و دانائے انکار کا باعث بھی بن جاتی۔ بہت مثال کے طور پر جن لوگوں نے خارجی حوادث اور تاریخی واقعات پر غور نہ کیا، ان کی علتوں کو نہ سمجھا اور ذہنوں پر ان کے اثرات کا مشاہدہ نہ کیا تو وہ ان کے فائدوں اور حکمتوں کو نہ پاسکے۔ یا تو وہ خدا کا مطلق انکار کر بیٹھے یا جبر کا فلسفہ بنا کر اور دنیا کی بے مصلحتی کا یقین کر کے خدا کے انکار کے قریب جا بیٹھے۔

اب جس طرح یہ ممکن ہے کہ آفاق و انفس پر تدبیر کرنے والے اور نہ کرنے والے دو گروہ ہو سکتے ہیں اسی طرح یہ بھی ممکن تھا کہ کلام الہی کے معاملہ میں بھی اس طرح کے دو گروہ بن جاتے۔ جہاں پھر جن لوگوں نے آیات کے مفہوم کو سورہ کے اجزاء کی مناسبت معلوم کئے بغیر سمجھنا چاہا ان پر کلام کی حکمت اور بلاغت و استدلال کے پہلو سے اس کا حسن نہ کھل سکا بلکہ جہاں کہیں ایک آیت کے زیادہ معانی کا احتمال ہوا وہاں یہ لوگ مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پاسکے۔ ایسے مقامات پر غلط تاویل اختیار کرنے کے نتیجہ میں بعض اوقات ایک غلط رائے یا رجحان مذہب یا ایک فاسد عقیدہ پیدا ہو گیا۔ گویا تدبیر نہ کرنے والا آدمی اوپر تلے کئی اندھیروں میں رہتا ہے۔ اس کا زیادہ شکیں بلکہ نتیجہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دینی فاسد تاویلات کے ذریعہ باطل پسندوں اور اہل بدعت کے لئے دروازے کھول دیتا ہے اور بعض اوقات محض رائے یا اس نفسانی خواہش کی بناء پر لوگوں کو

دین کے خالق اور اسرار کا محرم بھی ہیں، یہ آدمی قرآن کی تائید کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص قرآن اور اس کے حکیمانہ نظام میں تدبیر کرتا ہے وہ اس کے نظم کی خوبصورتی، اس کی بلاغت کے اعجاز اور اس کی دقیق جگہوں سے واقف ہوتا ہے۔ اس پر معافی کے دروازے کھلتے ہیں۔ جس مقام پر کئی تاویلات ممکن ہوں، وہاں وہ ایک ہی صحیح تاویل کی طرف رہنمائی پاتا ہے۔ اس طرح وہ واضح حق کو اختیار کر رہا ہوتا ہے اور باطل کے ٹکنبے میں نہیں آنے پاتا۔

نظم قرآن کی دلالت | قرآن مجید اسلام و ایمان یعنی شرائع اور عقائد کی بنیاد ہے۔ فرمایا

كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِى مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَا نُورًا نَهْدِيْكَ بِهِ مِّنْ نَّشَآءِ مِّمِّنْ عِبَادِنَا وَاَتٰكَ لَتَهْدِيْ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوری ۵۳)

اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم کی روح وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، جس کے ذریعہ ہم اسے ہدایت دیتے ہیں جسے اپنے بندوں میں سے دینا چاہیں اور تو سیدھے رستہ کی طرف بلاتا ہے۔

پس جب قرآن دین کیساتھ پوری پوری مطابقت رکھتا ہے تو اس کے نظام میں غور و فکر کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ غور و فکر کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح قرآن لے چونکہ اصولوں اور بنیادوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ جب تم اس میں تدبیر کرو گے تو دراصل دین کی حکمت اور اس کے نظام امور کی طرف رہنمائی پاؤ گے۔ یہ بات مثال سے اس طرح سمجھو کہ قرآن نے اپنے نظم سے یہ بات واضح کی ہے کہ ایمان کی بنیاد شکر ہے۔ قرآن تمام شریعت کو اسی شکر کے تحت لاتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جو شخص نعمات میں رحمت، حکمت اور قدرت کی نشانیاں دیکھے وہ ان سے ایک رحیم و حکیم، قادر و عزم مند و مہربان ہو جائے۔ پھر وہ اس کا شکر کرتا ہے۔ اس کی حمد کرتا ہے۔ اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اس کی ناراضگی اور اس کے غضب سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ جب یہ احساسات پیدا ہو جاتے ہیں تو اس آدمی کا جذبہ ایمانی و معنویت متحسّس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ ابْعَثَكُمْ
نَ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ
سَکِیْمًا عَلَیْکُمْ (نساء ۱۵۸)

اللہ تمہیں عذاب دے کہ کیا کرے گا۔
اگر تم نے شکر کیا اور ایمان لائے اور اللہ
قدر دہان اور علم رکھنے والا ہے۔

یہاں دیکھو رب رحیم پر ایمان سے پہلے جزد بشکر بہ دلالت فرمائی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ
نے اپنی کتاب کا مقدمہ سورہ الحمد کو بنایا اور اسی سورہ کو نماز کی بنیاد اور شرائع و اسلام کا مقدمہ
قرار دیا۔

مزید غور کرو تو شکر کے مظاہر و مواقع اگرچہ بیشمار معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے ممکن دو
ہیں — ایک تخریث نعمت اور خدا سے منعم کی تحقید، دوسرے خدا کے دیئے ہوئے مال
میں سے نذر و قربانی — گویا نماز کا دوسرا رخ خدا کی مخلوق کے ساتھ احسان کا سلوک اور نیک
مقاصد کے لئے انفاق طعیر اور زکوٰۃ سے انکار کفر سے اتنا ہی قریب سمجھا گیا جتنا کہ ترک نماز ہے۔
یہ حقیقت صائبہ میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے سمجھی اور زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں سے
جھل جاتے سمجھا۔ ان کے استدلال کی ترتیب گویا یہ تھی کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، وہ از روئے
شریعت ہم سے الگ ہیں اور ہمیں ان سے قتال کا حکم ہے تو جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان کے
لئے بھی جیسی حکم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ نماز کے ساتھ ہوا ہے۔ جب کتاب اللہ میں
اس کی جگہ نماز کے بعد ہے تو لازماً یہی جگہ اس کی دین کے اندر بھی ہونی چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ
نے یہ حقیقت نظم قراں ہی کی رعایت سے سمجھی۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حقیقت کی تصریح فرمائی ہے۔ مرقس کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں
نے توحید اور مخلوق کے ساتھ احسان کی وصیت کرنے کے بعد فرمایا۔ ان دونوں سے بڑھ کر کوئی
دوسرا حکم نہیں۔ حق کی رعایت میں یوں آتا ہے۔

”خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری بانی اور اپنی ساری عقل سے
محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے
بابر محبت رکھ۔ انہی دونوں کا حکم ناموس نے اور تمام انبیاء نے دیا ہے۔“

قرآن مجید نے اپنے نظم اور نص کے ذریعہ بالکل اسی حقیقت پر دلالت کی ہے۔
یہ جاننے کے بعد کہ رب رحیم پر ایمان کی بنیاد شکر پر ہے۔ اگر تم صبر کی حقیقت پر غور کرو گے
تو معلوم ہوگا کہ یہ کہوت پر ایمان کی اساس ہے اور یہ دونوں ایمان کے رکن ہیں۔ تیسرا رکن ایمان
بالرسالت ہے۔ اس کا تعلق ایک پہلو سے خدا کے ہادی اور رازق ہونے کی صفات کے ساتھ ہے
اور دوسرے پہلو سے خدا کی صفات عدالت و حکمت سے یہ متعلق ہے۔

گویا اب یہ متیقن ہوا کہ شکر اور صبر تمام شرائع اور اچھی خصلتوں کو محیط ہیں۔ دین کا مدار بھی
شکر اور صبر ہی پر ہے۔ دین کی تمام تعلیمات انہی دونوں بنیادوں پر تعبیر ہوتی ہیں۔ مثلاً نماز،
زکوٰۃ، خضوع، والدین سے حسن سلوک اور ان کی اطاعت، قرابتداروں کی امداد اور مخلوقات
سے احسان شکر سے متعلق ہیں اور روزہ، جہاد، عفت، بردباری، فضولیات سے اجتناب،
توکل، خشیت اور تقویٰ صبر سے متعلق ہیں۔ گویا شکر اور صبر اپنے اپنے لشکروں کے
سربدار ہیں۔

اب غور کرو گے تو قرآن مجید کے واقعات تمہیں صبر یا شکر ہی کی تعلیم دیں گے۔ مثلاً ایک
موقعہ پر ارشاد ہے۔

مَا يَنْفَعُ خَالِكُ الْأَيْمَنِ لِيُحْيِيَ
حَبَّارُ الْكُفْرِ (الزہیم)

اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے
والے اور شکر کرنے والے کے لئے۔
ہمارا یہ تمام استنباط قرآن مجید کے نظم سے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تم آیات کے
نظم اس کے مطالب اور سورتوں پر اور ان کے عمود پر غور کرتے ہو تو اس سے شریعت اور
احکام کا نظام سمجھ میں آتا ہے۔

یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ قرآن کے اندر
نظم کی تلاش میں یکس تنہا ہوں۔ مجھ سے پہلے

علم نظام میں علماء کا حصہ

علماء کی ایک جماعت نے اس راہ میں کوششیں کی ہیں۔ علامہ سیوطی اتفاق میں لکھتے ہیں
پہلے شخص جنہوں نے علم مناسبت (علم نظم) کو علم کی شریعت قرار دیا وہ سیوطی ہیں۔
اب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔ ان کے لئے منبر رکھا جاتا تھا۔ پر پچھ کر وہ قرآن کی آیتیں

کی شرح کرتے اور بتاتے کہ فلاں آیت فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھی گئی، اور فلاں سورت کے فلاں سورت کے ساتھ رکھنے میں کیا حکمت ہے اور علمائے بغداد کی تنقید کہتے کہ یہ لوگ علم نظم سے بالکل محروم ہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے ابن عربیؒ کا بھی مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے۔

”آیات قرآن کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک سلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں ایک عظیم الشان علم ہے۔ صرف ایک عالم نے اس علم سے عرض کیا ہے۔ اسی اشمول پر اس نے پوری سورہ بقدرہ کو منظم کر دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ہم پر یہ دروازہ کھولا، لیکن ہم نے لوگوں کے اندر اس علم کے قدر و دان نہیں پائے۔ ساری دنیا دول ہمتوں اور کاہلوں سے بھری ہوئی ہے۔ پس ہم نے اس کو مہربند ہی رکھا اور اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کے اس معاملہ کو اسی کی طرف لٹا دیا۔“

مفتی و علماء نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ اس بارہ میں لکھتے ہیں: ”ابو حیان کے شیخ علامہ ابو جعفر بن زبیر نے خاص اس عزمان پر ایک کتاب تالیف کی ہے۔ اس کا نام البربان فی مناسبتہ سور القرآن“ ہے۔ ہمارے پیمبروں میں شیخ برہان الدین بقاوی نے بھی اپنی کتاب ”نظم الدرر فی تناسب الآی والسور“ میں نظم کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔“

اس کے بعد علامہ سیوطیؒ نے خود اپنی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس میں سورتوں اور آیتوں کی مناسبت کے علاوہ اعجاز قرآن کے مختلف پہلو بھی انہوں نے بیان کئے ہیں اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں۔

”نظم کا علم ایک نہایت اعلیٰ علم ہے اس کے اشکال کی وجہ سے علماء نے اس سے بہت کم بحث کی ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ تناسخ میں جنہوں نے اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی ہے انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآنی حکمت کا جو مندرجہ ترتیب و نظم کے اندر چھپا ہوا ہے۔“

خود مجھے امام بازمیؒ کی تفسیر بصر میں آیت دلوجعلناہ قدانا عبد بیا الخ
سجدہ کے تحت نظم قرآن کے متعلق ان کا بیان ملا (و اس نے پہلے نقل کیا تھا چکا ہے)
مخدوم مہاشیؒ کی تفسیر کا موضوع ہی نظم ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کا نام تبصیر الرحمن
بیر اللسان رکھا ہے۔

علم نظم کے پوشیدہ رہنے کے اسباب | علم نظام کے جاننے والے
اگرچہ پہلے ہی رہے ہیں لیکن

۱۔ کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اب ہم وہ اسباب بتاتے
۲۔ جن کی بنا پر یہ علم پوشیدہ رہا ہے۔

قرآن مجید میں نظم کے وجود کا انکار جن لوگوں نے کیا ہے۔ انہوں نے اپنی غرضی
۱۔ ایسا نہیں کیا، اگر وہ اس انکار پر مجبور نہ ہو گئے ہوتے تو اس سے یقیناً باز رہتے۔
۲۔ کی وجہ یہ ہے کہ کوئی عظیم آدمی لوگوں کے درمیان اپنا کلام پرآگندہ حالت میں
وڑنے پر غرض نہیں ہوتا۔ اگر کلام کی پرآگندگی ایک مدت کے بعد ہی مصنف پر ظاہر ہو
۳۔ تے تو وہ اس پر نظر ثانی کر کے اسے دور کر دیتا ہے۔ اسی طرح جس شخص سے آدمی جن قلم
۴۔ بنا ہو، اسے بے ریل سے متہم نہیں کرنا۔ البتہ اگر وہ اُس کے سمجھنے سے عاجز آ جائے،
پھر اپنی ذات کے قصور کو تسلیم کرنے کی بجائے اسے کہنے والے کی خامی پر محمول کرتا ہے۔
۵۔ حاملہ تو اس وقت پیش آتا ہے جب کلام مخلوق کا ہوتا ہے۔ لیکن اگر کلام پاک، بلند مرتبہ
۶۔ لق کا ہو، وہ ترقیب نزول پر مرتب بھی نہ ہوا ہو، اس کا القا ایک امانت دار فرشتے نے ایک
۷۔ بے ضعیف اللسان نبی پر کیا ہو جو فصاحت اور بیان میں شہرت رکھنے والی قوم میں سے
۸۔ وایہ نبی کو کئی مرتبہ پڑھ کر سنا یا بھی گیا ہو اور پھر اس بات میں بھی شک کرنے کی گنجائش
۹۔ ہو کہ ہر چیز کا حسن اور اس کی فصاحت اس کے مناسب اجزاء ہی میں مضمر ہوتی ہے۔ تو
۱۰۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ اور اس کی کتاب پر ایمان لانے والا ایک مسلمان کس طرح
۱۱۔ ممکن کر سکتا ہے کہ یہ کتاب نظم سے جاری ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے حوالہ میں
۱۲۔ لکھا ان کا کیا ہے انہوں نے اصل اسباب کی بنا پر ایسا کیا جس کے گمراہی کا عمل ہو

کہتے تھے اب ہم ان میں سے چند اہم اسباب کا ذکر کریں گے۔
 پہلا اور سب سے قوی سبب کلام اللہ کو ہر عیب اور نقص کے الزام سے بری ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بیشتر مقامات پر قرآن کا نظم بالکل ظاہر ہے لیکن اگر لوگوں کا دھوئے یہ ہوتا کہ پورا قرآن منظم ہے اور اس کے نظم کی رعایت لازمی ہے وہ ایسے مقامات پر بہت مجبور ہو جاتے جہاں نظم کی تلاش اس کے دقیق ہونے کی وجہ سے مشکل ہے۔ لہذا انہوں نے اس مسلک ہی کو اختیار نہ کیا۔ نظم سے لاعلمی کو انہوں نے اپنے قصور پر محمول اس لئے نہ کیا کہ بظاہر بعض چیزیں اصول نظم کے خلاف انہیں نظر آئیں مثلاً آیت
 كَا فُضِّلَ عَلَى الصَّلٰوةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی (البقرہ) تمام نمازوں کی حفاظت کے واسطے اور خصوصاً درمیان نماز کی۔

یہ آیت جس موقع پر آئی ہے اس سے پہلے عورتوں کا ذکر ہے۔ اس آیت کے بعد دوبارہ کلام اسی پہلے ذکر کی طرف لوٹ جاتا ہے، اگر درمیان میں یہ آیت نہ ہوتی تو بعد از بیان متصل ہوتا جن لوگوں نے اس آیت کی مناسبت واضح کی ہے انہوں نے کوئی ایسی چیز نہیں پیش کی تھی ایک انصاف پسند آدمی قبول کرے اور اس کی پیروی کرے۔ جو لوگ وجود نظم پر یقین رکھتے ہیں ان میں سے بعض نے اس آیت کے متعلق اپنے فہم کی درماندگی کا اعتراف کر لیا اور پہلی محفوظ طریقہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے برسوں کے فکر و تدبیر کے بعد اس مشکل سے ہمارے لئے پردہ اٹھا دیا۔ اس پر اللہ رب العالمین کا شکر ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی رستہ نہ پا سکتے۔
 سبب دوسرا جو پہلے کی نسبت کم اہم نہیں ہے، لیکن اس کا تعلق مصنفین کے بجائے عام قارئین سے ہے۔ یہ ہے کہ جن لوگوں نے نظم کی طرف توجہ کی مثلاً امام رازیؒ انہوں نے اس مشکل کام میں بہت ہی سہجہ سہری اور سلی چیزوں پر قناعت کر لی۔ امام رازیؒ اگرچہ فطری علوم اور فہم و فکارت میں بہت آگے ہیں لیکن ہر دیکھنے والا کو ان کا کلام دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ جس نظم کا یہ متحرک امام دعوے کرتے ہیں وہ بادیہ و غریب فکر کے ان سے ملتی رہا ہے۔ جب وہ اس کی خاطر کمزور سے کمزور بات بھی کہہ دیتے تو جتنے داناں علم کا شوق راقی نہیں جتنا جس شخص پر یہ اثر پڑتا ہے وہ یا تو نظم کا اقرار کرنے

جو اس علم سے باخبر ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اوپر اس کا دروازہ بند کر لیتا ہے یا تنگ کیا کر کئی
ض نظم کی دعوت بھی دے تو یہ اس کی ہمت پر کلاں حیس دھرتا یا وہ یہ رائے
تیار کر لیتا ہے کہ قرآن چونکہ
الگ وقتوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوا ہے۔ اس لئے اس میں نظم کی تلاش
ممل ہے۔

نیسویں سبب جو نظم قرآن کے اخفاء کا باعث ہوا ہے۔ تاویل کے متعدد پہلوؤں
ثوں اور روایتوں کا موجود ہونا ہے۔ نظم کلام کو ایک وحدت کی طرف لے جانے والی چیز
ہے۔ تاویلیں جتنی مختلف ہوں گی نظم کی تلاش اسی قدر مشکل ہوگی۔ ان اقوال و روایات
دیکھ کر آدمی اس شش و پنج میں پڑ جائے گا کہ ان میں سے کون سی رائے اختیار کرے۔
کی حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو ایک چوراہے پر کھڑا ہو اور اسے یہ نہ معلوم ہو کہ
سے کس رستہ پر جانا ہے۔ اس صورت حال اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر
م یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ صرف اسی تاویل پر قناعت کی جائے۔ جس سے کلام منظم
ہو جائے اس طریقہ کو ہم نے تاویل کے اعتبار سے زیادہ اچھا اور اصول بلاغت کے مطابق
ایا ہے سلف کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک نے صرف ایک تاویل اختیار کی۔
لیکن بعد کے لوگوں نے اختلاف اقوال کو پھیلا دیا۔ یہ معاملہ ہر علم کے
ساتھ ہوتا ہے۔ جب کتابیں زیادہ ہو جاتی ہیں علم مدون ہو جاتا ہے اور اس کا سیکھنا آسان
ہو جاتا ہے تو لوگ نجر اور کمال کی حرص میں کثرت اقوال مذہب
ای کو علم سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ طلب الكل فوات الكل کے مفہوم کے مطابق انہیں اس طرح
علم حاصل نہیں ہوتا۔ علم تفسیر کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہے جو شخص اس علم میں مشغول ہو وہ اسے اقوال
کا ایک سمندر پر پائے گا۔ اگر آدمی ان اقوال کی محافظت کرنے لگے تو نظم کے طریقہ پر چلنا
مکن نہیں ہوتا۔ اس کے لئے واحد طریقہ یہی ہے کہ سلف کے طریقہ پر عود کر آئے
پر غور کیا جائے اور سنت ثابتہ سے اس کی مطابقت تلاش کی جائے۔ اس کے نتیجے میں نظم
کے میں آئے گا اور تاویل صحیح ہوگی

چوتھا سبب تو تیسرے سبب سے قریب ہی ہے، یہ ہوا کہ آیت فرقوں اور گروہوں میں
 گئی تو ہر ایک فرقہ نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق کلام الہی سے دلیل یعنی جا ہی وہ
 ہے ظاہر کلام سے اپنے مطلب کی تاویل لے لیتے یا کلام کے احتمالات سے مطلوبہ نتیجہ
 نکال لیتے، ان کے لئے برابر تھا۔ یہ بات تو پوشیدہ نہیں کہ رائے یا وہم کا غلبہ ایک بعید
 نیز کہ قریب اور کمزور کو قوی بنا دیتا ہے۔ جب ہر فریق نے اپنے اپنے مقصد کے مطابق تاویل
 لی تو نظم کی رعایت ممکن نہ رہی، کیونکہ کلام تو بہر حال سیاق اور اجزاء کے موقع کے مطابق
 ہی ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ نظم کی رعایت بھی کرتے تو ان کے نقطہ نظر کا ضعف واضح ہو جاتا،
 ورنہ ان کے مسلک کے خلاف لے جاتا۔ جیسے ایک کلمہ جبت تک الگ رہے تو اس
 کے کئی معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب اسے ایک کلام میں جگہ دی گئی ہو۔ تو
 اس کے معانی کے احتمالات کی کثرت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے وہ معنی متعین ہو جاتے
 ہیں جو جملہ کے مجموعی معنوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔

مولانا امجد الحسن صلاوی

تفسیر تذکرہ قرآن

(تفسیر آیت بسم اللہ وسورۃ فاتحہ)

جس کے مطالعہ سے

- قرآن مجید میں غور و فکر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔
- آیت بسم اللہ وسورۃ فاتحہ کی حقیقت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اور

- قرآن مجید کی راہی مکتبی ہیں

قیمت ۱۰ روپے (مجلد، مصداق)

مکتبہ میثاق، رحمانپور، پسر لاہور ۱۱

مَقَالَات

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مدظلہ

اسلام اور انسانی حقوق

انسانی عظمت و فضیلت کا تصور جو اسلام نے پیش کیا ہے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس قدر نمایاں ہے کہ اسلام میں انسان کی برتری تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اسے یہاں جو حقوق و اختیارات دیئے گئے ہیں وہ بھی واضح طور پر دوسرے مذاہب کی نسبت زیادہ ہیں۔ دوسری مخلوقات پر اسے جو فضیلت اور برتری حاصل ہے اس کے بارے میں قرآن مجید کا ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَا هُمْ فِي الْبَرِّ وَابْجَدَّ رَدْقَانَا هُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَا هُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (بنی اسرائیل ۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور بھرپور میں انہیں سواری دی اور پاکیزہ چیزوں میں انہیں اور اپنی بہت سے مخلوقات پر انہیں فضیلت دی۔

انسان کی یہی فضیلت مٹی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ متعین کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ فرقہ فاشیوں نے جب یہ سوال کیا کہ شب و روز عبادت و اطاعت میں ہم کوئی کوتاہی نہیں کرتے، پھر انسان کو خلافت و نیابت کا مستحق کیوں سمجھا گیا ہے جبکہ ان کے اختیارات کا نتیجہ فساد و خونریزی کی شکل میں نکل سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت و کرامت ہی کا حوالہ دیا جس سے فرشتے مطمئن ہو گئے۔ انسان کی یہی عظمت و فضیلت مٹی جس کی بنا پر اسے امت الہی کا وہ باہر گراں سپہو کیا گیا جس کے نخل سے کائنات کی ساری چیزوں نے انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلٰی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَابَيْنَ اَنْ يَّحْمِلَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ
ہم نے آسمانوں، پہاڑوں اور زمین کے سامنے
امانت پیش کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے
انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، لیکن انسان نے
اسے اٹھا لیا۔ (احزاب ۷۲)

دوسری مخلوقات پر انسان کی فوقیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اسکے
خاتمہ اور آرام کے لئے پیدا کی گئی ہیں، تخلیق عالم کا باعث و مقصد وہی ہے اور تمام کارخانہ حیات
اس کے اہتمام کے لئے بنایا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے
مَنْ اَلَدِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ
جَبِيْعًا (لقمہ ۲۹)
وہی ہے جس نے تمہارے لئے مٹی و ملب
پکھڑا کیا جو زمین میں ہے۔

یعنی زمین کے اندر جو کچھ ہے سب خدا کی طرف سے انسان کے استفادہ کیلئے ہے اور کائنات
کی تمام چیزیں اس کے لئے مسخر کر دی ہیں، فرمایا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا
فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَّا فِی الْاَرْضِ وَاَنْ
اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعْمًا ظٰہِرًا
وَبَاطِنًا (لقمان ۲۰)
کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے خاتمہ کیلئے
وہ سب کچھ مسخر کر دیا جو آسمانوں اور زمین کے
اندر ہے اور تم پر اپنی مہلتی اور بھیجی قسم کی
نعمتیں پوری کر دیں۔

زمین و آسمان، رات، دن، چاند، سورج، آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے، شجر و حجر، دریا اور
پہاڑ، بارش اور ہوائیں، سرسبز و شاداب کھیتیاں اور تر و تازہ میوے اور پھل، سحانات اور دیگر تمام
اشیاء جو حدود و شمار سے بھی باہر ہیں خدا کی عظیم نعمت ہیں اور انسان کے تمتع کے لئے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ ذَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءٌ فَاَخْرَجَ مِنْهُ الْثَّمَرٰتِ
یٰۤاٰدَمُ اَنْزَلْنَا لَكَ
اَللّٰہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا
کیا اور آسمان سے بارش اتاری تاکہ اس سے
تمہارے مزاق کے لئے پھل لگائے اور کشتیاں
تمہارے لئے مسخر کیں تاکہ وہ دریا میں اس کے
حکم سے چلیں اور اور تمہارے

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَمَنَعَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ فَامْنُونِ
وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَ
إِنَّا كَرَّمُكُمْ كُلِّ مَاسَاَلُمُوهُ
وَلَا تَعْبُدُوا إِلَهًا إِلَّا
تُخْصَوْنَ هَآئِلًا إِلَّا نَسَا
لَظَلُّوْهُمْ كَقَارٍ ۝

لئے دیا مسخر کئے اور سورج و
چاند کو ایک دستور پر اور رات و دن
کو تھارے لئے مسخر کیا اور جو چیزیں
تم نے اس لئے مانگیں جن کی تمہیں
ضرورت ہوئی اس نے وہ سب عطا
کیں اور اگر تم اس کے انعامات کا شعور کرنا چاہو
تو نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ انسان بڑے بے انصاف
اور ناشکر ہے۔

(ابراہیم ۳۲ تا ۳۴)

اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بے شمار ہیں ان کی تفصیل میں جانیکی ضرورت نہیں سب صوف قابل غور بات یہ رہ جاتی ہے کہ جس دین میں انسان کو اتنی کرامت و عظمت بخشی ہو گئی ہو اور کہا گیا ہو کہ سارا کارخانہ عالم انسان کے استعمال فائدہ کے لئے بنایا گیا ہے کیا اس میں انسانوں کے جائز حقوق و مطالبات اور امتیازات و مراعات کا جیسا کہ اسپر لازم لگایا جاتا ہے خیال نہ رکھا گیا ہو گا؟ اور کیا اس دین نے انسان کی جان و مال عزت و آبرو اور آزادی رائے و غیر حقوق کا احترام نہ کیا ہو گا؟ اس متنبہ کے بعد اب ہم ان حقوق و مراعات پر غور کریں گے جو اسلام نے انسان کو دی ہیں۔

دنیا میں انسان کا سب سے پہلا ہم اور بنیادی حق یہ ہے کہ وہ زندہ رہے اور اسکی جان ہر اعتبار سے محفوظ ہو اسے کسی قسم کا خطرہ اور ضرر لاحق نہ ہو اسکی زندگی ہر اعتبار سے مطمئن اور پرسکون ہو اور وہ خود ہر طرح خوشحال اور فاسخ البال ہو۔

جہان کی حفاظت

اس اہم اور بنیادی حق کا اسلام نے اتنا خیال رکھا ہے کہ اس کا عشر عشر بھی ان خدا ہمد میں نہیں پایا جاتا جو دم و درونت کے پیکر اور اہنسا اور عدم تشدد کے علمبردار خیال کئے جاتے ہیں۔ حدود و تعزیرات کے اکثر احکام و قوانین مدنی زندگی میں نازل ہوئے لیکن انسان کی زندگی کی حفاظت اور جہان کی تسکین کا حکم کہ ہی میں نازل ہو گیا تھا۔ سورہ بنی اسرائیل میں جو قوانین و احکام دیئے گئے تھے ان میں سے ایک اہم حکم یہ بھی تھا۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اسے

اَلَا بِالْحَقِّ وَ مَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا
فَعَدْنَا جَعَلْنَا يَوْمَ لَيْثِهِمْ سُلْطٰنًا
فَلَا يُسِيرُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ
مَنْصُورًا (بنی اسرائیل ۳۳)

نہ مارو اور جو مظلوم مارا جائے تو اس کے
وارث کو ہم نے اختیار دیا ہے اور چاہیے
کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے اس کی مدد
کی جائے گی۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلٰهًا
آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ
اللَّهُ اَلَا بِالْحَقِّ (فرقان ۶۸)

خدا نے اپنے محبوب نیک بندوں کے جو اوصاف گنائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ
(خدا کے ساتھ کسی دوسرے) اس کے ساتھ کسی دوسرے
معبود کو نہیں پکارتے اور ناحق اس جان کو نہیں
مارتے جسے اس نے حرام کیا ہے۔

یہ اجمالی حکم تھا اسکی پوری تفصیل مدنی زندگی میں بیان کی گئی جہاں مقتول کا قصاص لینے کا
حکم دیا گیا اور اس میں کسی آزادی یا غلام، مرد یا عورت کی تمیز روانہ رکھی گئی۔ فرمایا۔
اِنَّمَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَتَبَ عَلٰیكُمْ
اِصْرًا فِي الْقَتْلِ (بقرہ ۱۷۸)

ایمان والو تم پر مقتولین کا قصاص (لینا)
فرض کیا گیا ہے۔

قصاص کے اس حکم سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ اس طرح مزید لوگوں کی زندگیاں تنف
ہوں گی یہ حکم غریزی کا باعث بنے گا۔ اس غلط فہمی کو بڑی قوت سے دور کیا گیا اور بتلایا گیا
کہ قصاص میں مرنے والوں کی موت سے بحیثیت مجموعی قوم کی زندگی محفوظ ہوگی۔ قصاص کا مقصد
قتل و غریزی کا بالکل سد باب اور نوع انسانی کی بقا و تحفظ کی عام ضمانت ہے۔ فرمایا

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حِكْمٌ يٰۤاُولٰٓئِیْ
اَلَا لَّيْلَیْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ۱۷۹)

اے عقل مندو تمہارے لئے قصاص کے اند
زندگی ہے تاکہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

جو لوگ زمین میں فساد برپا کرنے امن عامہ میں خلل ڈالنا اور انسانی زندگی کے سکون و راحت
از صہم برہم کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے قرآن نے بڑی عبرتناک اور سخت سزا تجویز کی۔ فرمایا
اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُّحَارِبُوْنَ
اِلٰهًا وَ سَرُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ
فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ

ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے
رسل سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں
فساد پھیلانے میں ہے کہ بڑی طرح قتل کئے

يَسْأَلُوا أَوْ يَصْلُوا أَوْ تَقْطَعُ أَيْدِيَهُمْ
وَأَجْلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْنَ
مِنَ الْأَرْضِ (المائدہ ۳۷)

جائیں یا بھالسی دیئے جائیں یا ان کے
اُدھر کے ماتھے اور اُدھر کے پیر کاٹ ڈالے
جائیں یا جلا وطن کر دیئے جائیں۔

عربوں میں اس کا بھی دواج تھا کہ وہ اپنی اولاد کو فقر و فاقہ اور دوسری الجھنوں سے بچنے کیلئے
قتل کر دیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس مشرکانہ اور ہیمانہ خصلت کا کئی مقام پر ذکر کیا ہے اس
شیع اور ناگوار معاملہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا حکم فرمایا۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ
تَكُونُ نَزْوَظُهُمْ وَإِيَّاكُمْ
إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا
كَبِيرًا (ذبی اسرائیل ۳۱)

تنگی اور فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ
کرو ہم انہیں روزی دیں گے اور تمہیں بھی
ہم ہی روزی دیتے ہیں انہیں مارنا بہت
بڑا گناہ ہے۔

اسلام کو انسان کی جان اس قدر عزیز ہے کہ اس نے ہر شخص کو نہ صرف یہ کہ دوسروں کی
جان پر حملہ آور ہونے سے منع کیا ہے، بلکہ خدا سے بھی اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ اپنی جان
کی حفاظت کرے غیر معمولی عبادت و ریاضت کر کے انسان اپنے آپ کو اگر مشقت و تکلیف دیتا ہے
تو یہ بھی اسلام کو پسند نہیں اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ بیشک تمہارے اوپر تمہارے جسم
تمہاری آنکھ اور تمہارے دوسرے اعضاء نیز متعلقین کے بھی حقوق ہیں۔ جو لوگ دنیا
کی پریشانیوں سے گھبرا کر خودکشی کر بیٹھتے ہیں انہیں جہنم کی وعید سنائی گئی۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔

مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ
فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهَا
خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا
وَمَنْ تَحَسَّى شَيْئًا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسَمُهُ فِي
يَدِهِ يَتَحَسَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا
مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِّكَ
خَدَّيْكَ يَسِيرُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فِي أَهْلِ نَارٍ

جو شخص پہاڑ سے گر کر اپنے کو ہلاک کر دے
تو وہ جہنم میں داخل ہوگا اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ
گرتا رہیگا اور جو شخص زہر کھا کر ہلاک ہو اس کا
زہر اس کے ماتھے میں ہوگا اور جہنم میں اسے ہمیشہ
ہمیشہ نگھٹتا رہے گا اور جس شخص نے چھری اور
لوہے سے اپنے کو ہلاک کیا تو اسکو جہنم میں لایا
جائیگا جہر اس کے ماتھے ہوگا جسے وہ پیٹ میں

يَكْفُرْكَ خَالِدًا مُجْلَدًا فِيهَا اَبَدًا گھونپتا ہوگا اور وہ اس حالت میں ہمیشہ رہیگا۔
 مرنے والی قدر نہیں بلکہ اسلام نے تو اس سے بھی منع کیا ہے کہ کوئی شخص مجرد خودکشی کے بارے میں
 سوچے یا اپنے دل میں اس کا خیال لائے یا موت کی آرزو یا تمنا کرے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔
 لَا يَقْتَتِلَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ اِمَّا كَوْنِي شَخْصٍ مَوْتٍ كِيْ اَرْزُوْنَهُ كَرِهًا اَوْ لِحُبِّهِ
 مُحِبًّا فَلَعَلَّهٗ بَيْنَ دَاوَدَ وَاِمَّا مُسِيْبًا کام کر رہا ہے تو ممکن ہے ہلاکت اس کی اور افسوس
 ہو اور اگر بدگوار ہے تو شاید آتش دوزخ میں ہے۔

اسلام نے جس طرح جان مارنے اور قتل کرنے کو بہت بڑی مصیبت قرار دیا ہے۔ اسی طرح خدا کے رسول
 کے ساتھ کسی قسم کا ظلم و تعدی کرنے سے بھی منع کیا ہے، لوگوں کے جسم و روح کو کسی طرح کا صدمہ
 پہنچانا یا انہیں کسی بہانے بھی ستاتے اور دکھ دینے سے نہایت شدت کے ساتھ روکا ہے۔ اس کے
 نزدیک بقول خواجہ حافظ مردم آزاری سے کوئی بڑا گناہ نہیں ہے۔

مباح درپے آزار و ہرچہ خواہی کر کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہ نیست
 اس لئے اسلام نے تمام لوگوں پر دوسرے لوگوں کے حقوق عائد کئے ہیں۔ ماں باپ کے
 حقوق کیا ہیں، ازواج و اولاد کے معاملہ میں کیا طرز عمل ہو، اعزہ و اقربا کے ساتھ کس طرح
 پیش آنا چاہیئے، محانوں اور پڑوسیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ چھوٹے بڑے اور
 ہمعصر لوگوں میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور دوست و دشمنوں کے ساتھ بھی کیا معاملہ
 کرنا چاہیئے۔ ان سب کا جواب صرف ایک پسنے سن سلوک اور خوش معاملگی ہے کہیں بھی اس کی
 اجازت نہیں دی گئی ہے کہ آدمی کسی آدمی کے ساتھ ظلم نا انصافی، حتی تعنی اور اذیت کا برتاؤ کرے
 اس کے متعلق قرآن مجید اور حدیثوں میں اس قدر ہدایات دی گئی ہیں کہ ان کو نقل کرنا موجب طوالت
 ہوگا اور یہ تو محض جالی کی حفاظت کا سوال تھا۔ اسلام دوسری طرف اس بات کی بھی کوشش
 کرتا ہے کہ ہر شخص دنیا میں ترقی کرے اور خوشحالی کی زندگی بسر کرے۔ وہاں اسباب و ذرائع
 کو حیا کرتا ہے۔ جن سے آدمی دنیا میں فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو آرام و راحت پہنچائے۔
 اور اپنی ترقی و صلاح و کامرانی کی راہ اختیار کرے۔

یہ تو انسانی کی جان بسم اور روح کا معاملہ تھا، اسلام نے تو عام مخلوقات، جانداروں پر فطرت

اور شہزادوں اور امراء کے معاملہ میں بھی الہی تعلیم دی ہے جو ان کی حفاظت اور نگہداشت کی
درجہ طور سے خاص ہے۔

مال کا تحفظ انسان کی جان کے بعد اس کے مال کا درجہ ہے اسلام جس طرح انسان کی
جان کو معزز و محترم سمجھتا ہے اسی طرح مال کو بھی محترم سمجھتا ہے۔ وہ کسی شخص کو

میں اسکی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسرے کی جان کی طرح اس کے مال پر حملہ آور ہو یا زبردستی سے اسکا جائزہ
لیتے سے کسی کے مال پر قبضہ کرے اس لئے اسلام نے تمام ایسے طریقوں کا سد باب کیا ہے جن سے
وگ دوسروں کا مال ختم کرتے ہیں قرآن نے چوری کرنے والوں کی یہ سزا مقرر کی ہے

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا يَدَيْهِمَا (مائہ ۴۱)
چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ
کاٹ دو۔

فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ وہ ایک معزز اور شریف
گھرانے کی عورت تھی اس لئے لوگوں کو اس کے ہاتھ کاٹے جانے کے متعلق تشویش ہوئی انہوں نے
حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے نہایت چہیتے تھے اس کے متعلق سفارش کرائی۔ آپ سخت
برہم ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ پچھلے طبقہ کے لوگوں کو
تو احکام و حدود جاری کرتے لیکن اوپر کے درجہ کے لوگ جب جرائم کا ارتکاب کرتے تو ان سے دو گونہ
کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ لیتا۔

چوری کے علاوہ ناجائز طور سے مال لے لینے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً خیانت، دھدھانی، ڈاکہ،
فحش بے ایمانی، دھوکہ، فریب، رشوت، ناپ تول میں کمی پٹی اور سود وغیرہ ان سب کو اسلام نے
نہایت قبیح اور مرموم فعل قرار دیا ہے قرآن نے ایک مختصر سی آیت میں حرام خوری کی تمام شکلوں کی
ذمت کر دی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ
بَيْنَكُمْ يَالْبَاطِلِ اَلَا أَنْ تَكْفُرُوا بِمَا كُنْتُمْ
عَنِ كَرَاهٍ مِنْكُمْ (نساء ۲۸)
اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا
مال ناحق طور سے مت کھاؤ۔ الا آنکہ وہ باہمی
رضامندی سے ہیں جس کا معاملہ ہو۔

یتیم بچوں سے زیادہ مظلوم اور قابلِ رحم طبقہ کون ہو گا لیکن ان سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بھی

لوقی نہیں بتایا جاتا، ان کے مال کو ہڑپ کرنے کے لئے اچھے اچھے بارسا بھی کیسے کیسے جتن کرتے اور اپنی طاقتِ خواب کرتے ہیں لیکن قرآن نے ان کو یہ وعید سنائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ الَّتِي كَانَتْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلِكُمْ لِقَاتِهِمْ يَوْمَئِذٍ مُّشْتَرِكَةٌ حَبِطَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي صِعَابٍ نَّارٍ ذُكِّرُوا وَلَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ عَظِيمٌ (نساء ۹)

یو لوگ یتیموں کا مال نا جائز طور سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈالتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں جائیں گے۔

سود کی کاروبار سے بڑھ کر کونسا ڈاکہ ہو سکتا ہے اور دراصل اس کے ذریعہ سرمایہ داروں بھول کا لوہا پیٹے ہیں لیکن قرآن پر نے پورے سو برس پہلے اس جالمانہ اور بیجا ذرسم کو ختم کر چکا تھا۔ مگر افسوس کہ آج کل کی ترقی یافتہ دنیا میں جو دباغہ عام ہے کہ اچھے اچھے پاکباز اور پاکدامن بھی اس لعنت سے لپٹنا پ کو نہیں بچا سکتے ہیں۔ ایک جگہ اہل ایمان کو سود خوری پر کتنی سخت تنبیہ کی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُطُحِ (آل عمران ۷۵)

اے ایمان والو! دنگ چوگان کر کے سود اٹھاؤ۔ (۱۳۰)

سود کی ہی بنا پر اے ایک ایسا جرم قرار دیا گیا جو خدا و رسول سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ ذَلِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْهُمْ مُّؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَبْذِ اللَّهِ ۖ وَرَسُولِهِ ۚ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سودورہ کیا ہو اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمہارا رویہ خدا و رسول سے لڑائی لڑنے کا ہے سو اعلان کر دو خدا و رسول سے جنگ کا (اد) اس اعلان جنگ کے نتیجہ کے لئے تیار رہو اور اگر تم (سود سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے۔ نہ تم کسی پر غم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

(بقرہ ۲۸۸)

احادیث میں سود خوری کی تمام حیثیات کی تشریح کر کے ان کی طاعت کی گئی ہے۔ اسی طرح رضیعت سے بھی منع کیا گیا ہے فرمایا۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ وَتُدْخِلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ
لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ كَعَالُونَ (بقرة ۱۸۸)

آپس میں ایک دوسرے کا مال نا سہا مٹز
طریقہ سے ممت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک
پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جانتے
جو بھتے حق تلفی کر کے کھا جاؤ۔

آنحضرت مسلم نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں شخصوں کی مذمت کی، آپ نے حاکموں
کو خاص طور سے اس سلسلہ میں ہدایات دیں یہاں تک کہ رعایا سے ختم تحائف لینے کی بھی انہیں
اجازت نہیں دی۔

شریعت اسلامی نے کسی کا مال دبا جانے اور اس میں خیانت کرنے سے منع کیا ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہدایات اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ ہر قسم کی خیانت اور بددیانتی سے روکا۔ اپنے
منافق کی بہین علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی بتائی کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے
تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔

خیانت کی ایک خاص قسم غلول ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز کسی آدمیوں کے درمیان
مشترک ہو اور تقسیم نہ ہوئی ہو لیکن کوئی فریق دوسرے شرکاء سے چھپا کر اس میں سے لینے ایسا خاص
طور پر اس وقت ہوتا تھا جب بالغ غنیمت حاصل ہوتا اور امیر و کبیر اس میں تقسیم سے پہلے ہی تصرف
شروع کر دیتے تھے اس لئے غلول سے بھی منع کیا گیا۔ قرآن میں ہے

وَمَنْ يَخْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ (آل عمران ۷۶)

اور جو کوئی غنیمت کرے گا تو وہ قیامت
کے دن اپنی خیانت لے کر آئے گا۔

ناپ تول میں کمی بیشی کر کے بھی دوسروں کا مال ہڑپ کیا جاتا ہے۔ موکا نڈاروں اور بیوپاریوں
کی عام ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ خود فروخت کرتے ہیں تو وزن میں کمی کرتے ہیں اور جب وہ کسروں
سے چیزیں خریدتے ہیں تو زیادہ تول کر لیتے ہیں۔ اس لئے قرآن پاک نے اس ناجائز کا نڈا کی جگہ
ذریعہ عام طور سے غریبوں کی حق تلفی ہوتی ہے بڑی شدت سے ممانعت کی ہے۔ فرمایا۔

وَفُؤَا الْكَيْلِ وَلَا تُكْوُوا مِيزَ
الْحُسْبَانِ (انعام ۱۰۵)

اور ناپ تول پورا دو اور (اس میں) کم کرنا نہ
نہ بنو اور تولو سیدھی ترازو سے اور لوگوں کی

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
فِي الْأَمْوَالِ الَّتِي هِيَ لِلْعَامِلِينَ (شعراء ۸۱-۸۳) امت پھرو۔

سورہ بنی اسرائیل میں بواخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَنُوا
بِالْقِسْطِ أَيْسَ الْمُسْتَقِيمِ ذَالِكُمْ خَيْرٌ
وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (بنی اسرائیل ۳۵) ۷۔

اس معاملہ کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے بڑی وضاحت سے ایسر تکبیر فرمائی۔

وَيْلٌ لِلظَّالِمِينَ الَّذِينَ إِذَا
اُكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ
وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْ ذَرَوْهُم
يُخْسِرُونَ أَلَا يَتْلُو أُولَٰئِكَ
بِمَعْنَى مَبْعُوثُونَ لِيُؤْمَرَ عَظِيمٌ
(مطففين ۱-۲) خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو (ناپ تول
میں) کمی کرتے ہیں اور جو لوگوں سے پورا پورا تول
کر لیتے ہیں (لیکن) جب عود تول یا وزن کر کے
دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں کیا انہیں اس کا خیال
نہیں کہ انہیں ایک بڑے سخت دن کے لئے
اُتھایا جائے گا۔

غرضیکہ ناجائز طریقہ سے جس طرح بھی دوسروں کا مال لیا جائے اسلام اسے حرام قرار دیتا ہے۔

جان و مال ہی کی طرح انسان کو اس کی عزت و آبرو بھی مناسبت
عزیز اور محبوب ہوتی ہے۔ بلکہ ایک خود ارادگی جان و مال کا ضیاع

عزت و آبرو کی حفاظت

برداشت کر سکتا ہے لیکن عزت و ناموس پر کسی قسم کا دھبہ لگانا پسند نہیں کر سکتا۔ اسلام کو انسان کے اس جذبہ
الہامی کا یہ راز افشاں ہے اس سے اس نے عزت و وقار پر بڑے لگنے والی ہر چیز بلکہ اس کے شائبہ تک
کی روک تھام کی ہے۔ زنا، بدکاری، بہتان، الزام تراشی اور انسانی آبرو اور حرمت کو منہر پہنچانے والی
ہر چیز کو روک تھام کرتا ہے۔

انسانی عزت و وقار کے لئے سب سے زیادہ کھلا ہوا پیچ اور معاشرت و سوسائٹی کے ماحول پر

مناظرع اور دھبہ زدہ ہے اسلام زنا کا بھی مخالف ہے اور زنا کے اسباب و محرکات کا بھی ٹکڑا
کی محنت دیکھنا سنی پر کہیں سے بھی حرف نہ آ سکے۔ زنا کے متعلق فرمایا۔

لَا تَقْعُدُوا الدِّينَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً زنا کے قریب نہ پیشو بیشک وہ بیکاری
سُوءِ سَبِيلًا (یعنی اسرائیل ۳۲) اور غلط راستہ ہے

خدا نے رحمان کے پاکیزہ بندوں کا ایک وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے، انحضرت
ﷺ علیہ وسلم کو تاکید کی گئی کہ جب مومن عورتیں آپ سے بیعت کے لئے حاضر ہوں تو وہ شرک و
فحش کی طرح زنا سے بھی اپنی دستبرداری کا اعلان کریں تو ان سے بیعت کر لیجئے۔ کنوارے زنا کار مرد
درت کی سزا یہ بتائی کہ انہیں سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر شادی شدہ ہوں تو سنگ لگائے جائیں
جیسا کہ اوپر گذرا زنا اور مشغولیت کو دعوت دینے والی جتنی چیزیں ہو سکتی ہیں سب سے شریعت
میں منع کیا گیا ہے۔

اسی طریقے سے کسی بے گناہ کو جان بوجھ کر مجرم بنانے کی کوشش کرنا اور اس پر غلط الزام عائد کرنا
بہتان لگانا بھی بڑی مصیبت ہے۔ چونکہ اس کا مقصد بھی لوگوں کو بدنام کرنا اور ان کی عورت و اولاد پر
یکرنا ہے۔ اس لئے قرآن پاک نے اس سے بھی سختی سے روکا۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
بِأَيِّ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا
بِهَتَانًا وَ إِثْمًا مُّبِينًا (احزاب ۵۸)
جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے
بن کے (الزام) لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ
بہتان اور واضح حق تلفی کا وجہ اٹھاتے ہیں۔
بعض لوگ خود مجرم ہوتے ہیں مگر وہ اپنا جرم دوسروں کے سر قوپنے کی کوشش کرتے ہیں اس قسم
لوگوں کے بارہ میں فرمایا۔

وَمَنْ يَكْسِبْ خِلَئِفَةً أَوْ إِثْمًا فَمَنْ
يَمُ بِمَ بَرِيئًا فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا
إِثْمًا مُّبِينًا (نساء ۱۱۲)
اور جس نے خلیفہ گناہ کا ارتکاب کیا اور پھر
اس نے اس کی تحت بے قصور پر لگائی تو اس نے
بہتان اور واضح حق تلفی کا بار اپنے اوپر لا دیا۔

اس قسم کی مذموم حرکت کرنے والوں کی قانونی سزا یہ مقرر کی کہ۔

وَالَّذِينَ يَذُمُونَ الْمُحْسَنَاتِ ثُمَّ لَمْ
يُؤْتُوا رُبْعَهُنَّ فَلَاحِلٌ لَهُمْ
مِنْهُنَّ جَلْدٌ وَلَا أَقْبَلُوا لَهُمْ
جولوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی جسٹ
لگائیں پھر چار گناہ نہ لگائیں تو ان کی سزا
دو سے بارہ اور پھر کسی ان کی گواہی قبول

اقتباسات و تراجم

ادارہ اجمل بانگ

سائنس کا اعتراف حقیقت

"یہ مضمون کمپنی مورسین (CRESSY MORRISON) سابق صدر نیویارک سائنس اکیڈمی کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے جس میں مصنف نے دو سات باتیں بنائی ہیں، جہاں بتا رہا ہے کہ سائنس دان کو خدا پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اس مضمون سے لوگوں کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کثیر الاشاعت ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ نے اسے فرائز پر دو مرتبہ شائع کیا۔ اور یہ دور جس میں سے ہم گزر رہے ہیں سائنسی انکشافات و ایجادات کا دور ہے جوں جوں سائنس کی ترقی کا ہر عکاس بلند ہوتا جا رہا ہے اس کی روشنی سے ہر غور و فکر کرنے والے قلب میں یہ حقیقت زیادہ سے زیادہ جاگزیں ہوتی چلی جا رہی ہے کہ کائنات کی تخلیق کسی عظیم مطلق کے ارادہ کی مرہونِ مرت ہے۔ غاروں کے زمانہ سے لے کر اب تک پچھلے نوے سالوں میں ہم نے قدرت کے بہت سے سرسبزہ بازوں کو کھولا ہے اور متعدد انکشافات کئے ہیں۔ ایک ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ یہ علم و انکشافات ہمیں خدا کی معرفت سے قریب تر کرتے چلے جا رہے ہیں۔

جہاں تک میرے غور و فکر کا تعلق ہے۔ مندرجہ ذیل اسباب و وجوہ کی بنا پر میں خدا پر ایمان لانے پر مجبور ہوں۔

اندریاضی کے غیر متبادل قانون سے ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ ہماری یہ کائنات ایک بہت بڑے مقبر عظیم نے بنائی ہے۔

— فرض کیجئے آپ دس ایکٹیں جس پر ایک سے لے کر دس تک نمبر لگے ہوئے ہیں، لیکن

جیب میں ڈالتے ہیں اور انہیں آپس میں ابھی طرح خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اب آپ جیب میں ہاتھ ڈالیں اور ایک نمبر والی اکٹی نکالنے کی کوشش کریں۔ ایسا کرنے کے بعد آپ اسے دوبارہ جیب میں لگا دیں اور سب کو ایک مرتبہ پھر بلا جلا کر اب دو نمبر والی اکٹی نکالنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح سے اس عمل کو دہراتے ہوئے آپ دسوں اکٹیاں نکالنے کی کوشش کریں۔

علم ریاضی کی رو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے ایک نمبر والی اکٹی صحیح نکالنے کا امکان دس میں ایک ہے۔ ایک نمبر والی اور دو نمبر والی اکٹیاں صحیح نکالنے کے امکانات سو میں ایک کے برابر اور ایک نمبر والی، دو نمبر والی اور تین نمبر والی اکٹیاں صحیح نکالنے کے امکانات ایک ہزار میں ایک کے برابر ہیں۔ اس طرح آپ کے دسوں اکٹیوں کو صحیح نکالنے کے امکانات ناقابل یقین حد تک کم ہو جاتے ہیں یعنی دس ارب میں صرف ایک۔

اس کے بعد اب آپ دیکھیں کہ ہر جاندار کو زمین پر زندگی گزارنے کے لئے ایک خاص ترتیب ضرورت کے ساتھ بے شمار چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ سب اسے اپنے اپنے وقت پر ملتی رہتی ہیں۔ کون سر پھرا اسے نظام ربوبیت نہیں کہے گا! اسے اصلاح اور حکمت سے بھرا ہوا ایک کارنامہ نہیں کہے گا۔ اور اسے ایک اتفاقی حادثہ کا نام دے گا۔

———— زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ اگر ایسی بجائے صرف ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومنا شروع کر دے تو فیتہ کے طہر ہمارے دن اور رات اب سے دس گنا لمبے ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو سورج زمین پر اتنا طویل عرصہ مسلسل چمک کر میاں کی روشیدگی کو جلا دیتا اور اگر اتفاق سے کوئی چیز بچ جاتی تو رات کے طویل گھنٹے اسے سردی سے بھادیتے۔

———— پھر سورج ہی کو لو جو ہماری زندگی کے لئے ایک عظیم ضرورت کا درجہ رکھتا ہے اس کی سطح کا درجہ حرارت 12000 درجہ فارن ہیت ہے۔ ہماری زمین اس سے اس قدر دوری پر واقع ہوئی ہے کہ اس سے اس کی حقیقی ضرورت کے مطابق گرمی پہنچا رہا ہے۔ نہ اسے جلانا ہی ہے اور نہ سردی سے جھنڈا ہی دیتا ہے۔ سورج اگر ہماری روزمرہ کی گرمی سے صرف نصف حصہ روک دے تو ہم جم جائیں اور اگر یہ اسے صرف دو گنا کر دے تو ہم جھن جھن جائیں۔

— زمین اپنے Axis پر ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتی ہوئی گھوم رہی ہے اور اس کی حرکت سے ہمیں سال بھر میں مختلف موسم حاصل ہوتے ہیں تاکہ اس کا یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر بہ نہلاتے شمال اور جنوب کی طرف جاتے اور ہر طرف برف ہی برف ہوتی۔

— زمین کی جلد (CRUST) اگر دس فٹ اور زیادہ موٹی ہوتی تو ہم آکسیجن سے محروم جاتے اور کسی جاندار کا زندہ رہنا ممکن نہ رہتا۔

— ہمارا ہوائی کرہ اگر نسبتاً کم موٹا ہوتا تو خشاب ثاقب جو کروڑوں کی تعداد میں زندہ اوپر سے نیچے گر رہے ہیں اور اسی کرہ کے اندر جسم ہو رہے ہیں ان میں سے بہت سے ہماری زمین پہنچ جایا کرتے اور ہر طرف آگ ہی آگ بھڑک اُٹتی۔

یہ چند موٹی موٹی مثالیں ہیں غور و فکر کی گرائیوں میں جتنا زیادہ اُترتے جاؤ گے ایسی شیدائیں چیزیں منہ آتی جائیں گی۔ ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس چیز کا دس لاکھ میں سے ایک کا بھی امکان نہیں ہے کہ دنیا محض ایک حادثہ کے طور پر وقوع میں آگئی ہے۔

۲۔ زندگی میں اپنا مقصد حاصل کر سکنے کی اہلیت اور طاقت ہی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اسے باہر بہن وہمہ دان ہستی لے بنایا۔

بجود زندگی کیا ہے؟ کوئی شخص آج تک اس کا صحیح اندازہ نہ کر سکا۔ یہ نہ وزن رکھتی ہے اور نہ حجم، نہ یہ طاقت ضرور رکھتی ہے۔ ایک اُبھرتی ہوئی بڑکبھی کبھی پٹان میں بھی شکاف پیدا کر دیا کرتی ہے۔ لگی نے نہ صرف پانی ہوا اور زمین پر فوج حاصل کی ہے بلکہ ان پر اسے یہاں تک غلبہ حاصل ہو گیا ہے کہ ان کے باہر گر مربوط اجزاء کو غیر مرتب کر کے پھرانہیں از سر نو تشکیل دے سکتی ہے۔

تقریباًًًً نظر نہ آنے والے پروٹوپلازم (Proto PLASM) کے قطرے کو دیکھتے یہ شفاف جیلی طرح کا حرکت پذیر قطرہ سوچ سے توانائی حاصل کرتا ہے۔ یہ کڑکی طرح کا چھوٹا سا شفاف قطرہ اپنے اندر زندگی کا جو ثمرہ رکھتا ہے اور پھر یہ طاقت بھی دکھاتا ہے کہ اسے ہر بڑی یا چھوٹی میں منتقل کرے اسے اس ایک چھوٹے سے قطرے کی طاقت مجموعی طور پر دنیا بھر کے نباتات اور حیوانات کی طاقت سے زیادہ ہے۔ کیونکہ زندگی سب نے وہیں سے پائی۔

آگ سے جیسی ہوئی پٹانی یا سمندر یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔

۔۔۔ پھر اس قطرے کو کون لایا؟

۱۔ جانوروں کے اندر عقل و فہم کا جو مادہ پایا جاتا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہیں ایک عظیم جغیر اور ساتھ ہی رحیم و کریم خدا نے پیدا کر کے ان کے اندر یہ مادہ ودیعت فرمایا۔ ورنہ اس کے بغیر وہ مجسم بیچارگی تھے۔

سیلٹن (SELMON) مچھلی ساہا سال سمندر میں گذارتی ہے لیکن اپنے وقت مقررہ پر وہ خود ہی سمندر سے دریا میں اور دریا سے اُسکی اس شاخ میں پہنچ جاتی ہے۔ جہاں وہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ کیا جہیز ہے جو عین اس مقام تک اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اگر تم اُسے دریائی کسی دوسری شاخ میں پھونک دو تو وہ فوراً کچھ جا بیگی کہ وہ کسی غلط مقام پر آگئی ہے۔ وہ وہاں سے پھر بہاؤ کے خلاف بڑے دریا میں پہنچے گی۔ اور وہاں سے اپنی اُسی شاخ میں جا پہنچے گی۔

ایل مچھلی (EALS) کا معاملہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔ جب یہ جانور کسی قدر بڑے ہو جاتے ہیں تو نالابوں، جھیلوں اور دریاؤں سے نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ یورپ میں یہ جانور سمندر کے کناروں میں ملے کر کے برمودا (BERMUDA) کے قریب پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں وہ انڈے دیتے اور مرتبہ جاتے ہیں۔ جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو اگرچہ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ انکے ماں باپ کہاں سے آئے تھے۔ وہ واپس جاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اسی ساحل سمندر پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ان کے ماں باپ سمندر میں داخل ہوئے تھے۔ بلکہ وہاں سے اپنی جھیلوں، دریاؤں اور نالابوں تک میں پہنچ جاتے ہیں۔

بھڑکی ایک قسم جب انڈا دینے کے قریب ہوتی ہے تو وہ ایک ٹڈ سے کو پکڑ لیتی ہے اور اس کے ٹھیک ایسے مقام پر ڈنک مارتی ہے جس سے وہ مرنا نہیں صرف بیہوش ہو جاتا ہے اور محفوظ گوشت کا کام دے سکتا ہے۔ اب یہ بھڑکی سوراخ میں انڈے دیتی ہے اور اُس بیہوش ٹڈ سے کو انڈوں کے ساتھ ایسے فریضے سے رکھتی ہے کہ جب انڈوں سے بچے نکلیں تو اس کو آسانی کے ساتھ کھانا شروع کرے۔ مگھاس طرح سے کہ وہ کیڑا مرے بھی نہیں۔ کیونکہ مڑہ کیڑے کا گوشت ان بچوں کے لئے حکم تھا ہے یہ کام کرنے کے بعد وہ بھڑک جاتی ہے اور اپنے بچوں کو جن کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا کہیں نہیں دیکھ سکتی۔

جانور جی کے اندر اتنی بھرپور صلاحیتیں کا پائیا جاتا کسی طرح بھی جادو یا اتفاقی طور پر نہیں ہو سکتا۔

۴۔ انسان کے اندر دوسرے حیوانات کی نسبت عقل و تیز کا مادہ یعنی فکر و تدبر اور استدلال

کی قوتیں بہت زیادہ رکھی گئی ہیں۔

آج تک کبھی نہیں سنا کہ کوئی حیران دہن تک کہہ سکتا ہے یا دس کے معنی اسی جانتا ہے۔ ایمانی

جہت سائنس کی ایک شری طرح ہے جو بہت اچھا شرو ہو مگر محدود ہو۔ لیکن انسانی دماغ میں پورے اکوڑا

کی دھنیں موجود ہیں۔

میں اس نکتہ کو زیادہ بھینانے کی ضرورت نہیں پاتا۔ ہم جو کہہ ہیں وہ اسی دہر سے ہیں کہ انسانی

عقل کے تیر درختوں نے اپنے عبارت سوز نور میں سے ایک سو چھٹی سی کرن ہیں بھی عطا کی ہے۔

۵۔ مسلسل تجربات سے ہم نے یہ مسلم کر لیا ہے کہ حیاتی خلیے کہاں ہوتے ہیں امدادی کے خیرینا

و طاقت کیا ہیں۔ ڈارون کے زمانہ میں یہ علم ابھی ناپید تھا۔

یہ زندگی بخش جواہرات چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان کی ماہیت کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ سبوں کھنے

کہ اس وقت دنیا میں جہاں جہاں بھی اور جتنی بھی زندگی پائی جاتی ہے اگر اس سب زندگی کی اصل یعنی

اس کے خلیات کو نکال کر کے انہی ایک انگشتانہ میں ڈالا جائے تو وہ اسکے اندر بھی تھوڑی سی جگہ گھیریں گے

لیکن یہ خلیے دنیا کی ہر جاندار چیز کو وجود میں لانے کے با شرکت خیر سے مدد دار ہیں۔ ہر جاندار کی

زندگی میں جو تعمیرات پیدا ہوتے ہیں وہ جن ادوار میں سے گذرتا ہے امداد اس کے اندر جس قدر خصائص

اور جتنی صلاحیتیں ہوتی ہیں وہ سب اسی حیاتیاتی خلیے ہی کی نمود ہوتی ہے اور یہی خلیہ زندگی کے

متعدد عنوانات کا مصدر و مخزن ہوتا ہے۔ یہ خلیے اپنے اس چھوٹے سے حجم میں ایک جاندار

کے آبادی و آبادی کے اقتصاد و روایات، عادات و خصوصیات جسمانی تشکیل و عوارضات امداد کے ان گنت

خصائص کو کس طرح بند کر لیتے ہیں۔ اب ہم صحیح اور واضح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے ارتقاء کا

لفظ آغا یہ ہے کہ ڈارون کی عبوری۔

یہ کہہ کر ہے کہ صرف چند ناکہ ایٹم باہم گر کر ربط جملہ حیات کی شکل میں کائنات کی مدد کی

زندگی پر حکومت کر رہے ہیں۔ اس ایک توجہ کے سوا کہ یہ سب کچھ ایک جہت بڑے حکم کی حکمت کے

مطابق ہیں۔ اس کی امداد کیا توجہ کی جا سکتی ہے؟

۴۔ قدرت نے جن مخلوق پر اس کائنات کی حیثیت کا سامان کیا ہے۔ ان سے دیکھ کر ہر شخص یہ کہہ کر چھڑھو جاتا ہے کہ یہ تو انہی ایک مقلد کی امداد حکیم مطلق کے سما کسی دوسرے فہم کی تحقیق نہیں ہیں۔ انہیں اس نے بنایا ہے جس کی نظر لامحدود ہے اور ہر ڈھکے اور چھپے کو جاننے والا ہے۔

بہت پرانی بات ہے کہ ایک دغلا سٹرلیا میں لکیش پودے کی ایک قسم کو ساختی ہڈ کے لئے کاشت کیا گیا۔ اتفاق سے سٹرلیا میں اُس وقت اس پودے کا کوئی دشمن کیڑا بھی موجود نہ تھا۔ پس یہ کیا حال ہوا؟ یہ سراسر حیران کن اور لوگوں کے نہ چاہنے کے باوجود تہایت عجیب غیر ظرین پر بڑھتا چلا گیا۔ کچھ ہی عرصے میں اس نے جزیرہ برطانیہ کے قلعہ کے برابر وقیعہ گھیر لیا۔ اب ہر طرف ہراس پھیل گیا۔ لوگوں کے ندی خام آجڑائے شہروں میں افات اور گھروں کے اندر سے پودا گھس آیا اور بعض جگہوں میں لوگوں کو مستحاضا چھوٹا پڑی، حکومت کا حکم حشرات (ENTOMOLOGY) پوری طاقت سے اس بلا کے دھمکی کو مٹا کر ہو گیا۔ سچا سچ یہ لوگ اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے پوری دنیا میں پھرے۔ آخر انہیں ایک ایسے کیڑے کا پتہ لگ گیا۔ جن کی خاک بھی پودا تھا اور اس کی نسل کشی بھی بڑی تیزی کے ساتھ ہوا۔ اس کیڑے کے اُتال کے بد اثرات سٹرلیا میں لکیش کے پودے صوف مطلوبہ تعداد میں موجود ہیں۔ اس کی وہ ٹک گیر تالیخ ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی لکیش خود کیڑوں کی بہت بڑی تعداد خود بخود ختم ہو گئی اور صرف اتنی تعداد باقی رہ گئی جو اس پودے کو بے حاشا پھیلنے سے روکے رکھے۔

اس قسم کے امتدائی اور اصلاحی عوامل کائنات کے ہر شعبے میں مصروف کار ہیں۔

یہ کہیں ہے کہ وہ کیڑے جن کی برصورتی نہایت تیز رفتاری کے ساتھ چوہی ہے۔ پوری زمین پر نہیں چھا جاتے۔ یہاں بھی قدرت نے ایک روک ٹوک رکھی ہے۔ اس قسم کے جملہ مخلوق بعض اور نباتاتی اور حیواناتی کیڑوں کو قدرت نے پیچھے رکھ کر رکھا ہوا ہے۔ یہ کیڑوں کے ذریعے سانس لیتے ہیں، پھر قدرت نے یہ بھی بندہ بست کیا ہے کہ ان کے جسموں میں کچھ بھرنے کی صلاحیت ہے۔ لیکن ان کی سانس لینے والی نالیوں کو جسم کی پر نسبت بہت ہی کم بڑھنے کا ہے۔ چنانچہ ختمہ کے طور پر یہ کیڑے جسامت میں نہیں بڑھ سکتے۔ اگر یہ روک پیلا نہ کی جاتی تو ان کے لئے دنیا میں نہنا دھوا ہو جاتا۔

یہ ساری قوتیں اسباب سے بڑا قوت میرے خیال میں رہے کہ انہیں کے ختم میں ہی ختم ہو جائے

اس کائنات میں صرف انسان ہی ہے جس کی روحانی طاقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا تصور پیدا کرتی ہے۔ اس طاقت کو ہم غور و فکر کا نام دے سکتے ہیں اس غور و فکر اور تفکر فی کواکب سے انسان کے اندر اتنی زبردست روحانی بلندیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ اس کیفیت میں ان کی ساری حقیقت جان لیتا ہے۔ یہ طاقت ایک انسان کے سامنے کشفِ حقانیت کا ایک وسیع میدان کھول دیتی ہے۔ اس کے قلبی تصورات روحانی حقانیت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اُسے آفاق و انفس کی لا تعداد نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی گواہی ملتی ہے۔ وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ خدا ہر جگہ میں ہے، ہر جگہ ہے اور سب سے زیادہ وہ ہمارے دلوں کے قریب ہے۔

عام غور و فکر اس نظریہ کے حق میں جتنی گواہی دیتی ہے۔ سائنس بھی اس کی اسی تائید کرتی رہی ہے۔

مَوْلَانَا اَمِينُ اَحْسَنُ اصْلَاحِ

کی معرکہ الاراء تصنیف

تزکیہ نفس

اسلامی تصوف

یا

اسلام کا مطلوبہ تزکیہ علم و عمل سمجھنے کے لئے اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں

قیمت: قسم اول — چھ روپے قسم دوم — چار روپے پچاس پیسے
قسم سوم — تین روپے پچتر پیسے

مکتبہ "میتاق" رحمان پورہ — اجمیر — لاہور —

تحقیق مزید سلسلہ خلافت معاویہ و یزید

تالیف: محمود احمد عباسی

صفحات: ۵۱۲ قیمت: آٹھ روپے

لے کا پتہ: مکتبہ محمود ۱/۶۶ بی ایریا لالو کھیت کراچی -

و مکتبہ علم و حکمت سونہر منڈی اکھویر

آج سے دو سال قبل ہنگامہ محمود احمد عباسی صاحب کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو عباسی صاحب اور انکی مشرور آفاق تصنیف 'خلافت معاویہ و یزید' سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک ایسے نازک مسئلہ سے مشغول تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقلی سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے اس کی شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی خصل پیدا ہو گئی کہ اسکی تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کے دروازے کھول لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی بصیرتوں یا سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی جائے یا اس کے مصنف کی بوجہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم کی بقدری ہے۔ پھر اس بے قدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں تو اسکی قیامت دوچند ہو جاتی ہے۔ لیکن چیز اچھی ہو تو پتہ انداز ملنا کہہ سکتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں کا مقابلہ کر کے اپنا مقام اب تسلیم کرایا ہے۔

"خلافت معاویہ و یزید کا بنیادی نقطہ نظر جیسا کہ میثاق کے قارئین جانتے ہوں گے یہ ہے کہ حدیث کریمہ کے جو واقعات شیعہ ذاکروں کی زبانی سے سنے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ سب درست نہیں ہیں بلکہ ان کے بیان میں جیت سی تحقیقوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا ساملا لیا گیا ہے۔ تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر یہ کہہ کر ان من گھڑت قصوں کی حقیقت واضح

کردی ہے اور جو اہل حقائق ہیں ان کو نہایت وضاحت اور بنیاد مغبوطہ دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نامور نہیں جتنے نامور کہہ کر ان کے فاضل نے درجنوں کتابیں ان کے خلاف تصنیف کر ڈالی ہیں۔ البتہ یہ موزر ہے کہ فاضل مصنف نے خلافت ماضیہ کے ماضی دور اور بنی امیہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جرم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور اپنے دلائل کا اس قدر انبار لگا دیا ہے کہ انہیں منکر و برحق میں پچھلے تحقیق کے پیلو بہ پیلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ خلافت معاویہ و یزید اور ذوالنہاں بن ابی کلاب ہے جو امام ابن تیمیہ وغیرہ کے فقط نظر کو نسبتاً زیادہ منفع صورت میں پیش کرتی ہے۔

خلافت معاویہ و یزید کو پڑھ کر ہم اس رائے کو بالکل مبنی برانصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاکدامنی اور حضرت حسینؑ کے موقف کی غلطی کا تصور بٹھایا ہے اور بعد میں اسے ثابت کرنے کے لئے اپنی مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں اسٹی کہ اگر انہوں نے ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو ان کی تحقیق کے کڑے معیار پر پوری اتر سکی ہے۔

ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کا ادنیٰ معیار تحقیق ہی ہے عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سراغ لگالیا ہے جن کے ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سرو پا باتیں داخل ہوئی ہیں اور غفلتوں کا موجب بنی ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے تعلق جو روایات زبانِ مذہب میں ہمیشہ محمد بن السائب کلبی، ابو مخنف، لوط بن یحییٰ ازدی اور ہشام بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ اگر حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کٹر ماضی، کذاب علم غیر مستتر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب مباحثات کربلا کی اس سرحد بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتے تو جنگ لئی و سر محقق ان راویوں کی قیادت و امانت کو پہلے ثابت ذکر دے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو نظر نا اس کے لئے ملے نہیں۔

زیر نظر کتاب تحقیق مزید خلافت معاویہ و یزید ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ فاضل محنت محنت کتاب میں بھی بڑی محنت اٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ اصحاب مطہرات کے

معاویہؓ نے تین سو سالہ دین میں اصحابِ مشرور و مشرورہ، بدی صواب اور اصحابِ سیت الارضوں کی کچھ نامی قیادت شامل ہے) کے مختصر احوال لکھے ہیں جو زید کی ولیحدی اور خلافت کے زمانہ تک بقیہ حیات تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل ثلث ایک قادی کے لئے دو راہیں متین کر دیتے ہیں یا تو وہ حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہ و صحابیاتؓ کو مسازا اقرارِ عزیمت سے عاری یا دہشت کے مرکب قہود سے یا اس کے برعکس یہ مانئے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح موقف متین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔ عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ نظر بالکل پیش کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے سلسلہ میں طلبینِ قصاص نے جو جدوجہد کی (اور اس کے نتیجہ میں ہونٹاں چلیں ہوئیں) فاضل مصنف کی تحقیق میں اسے ناکام بنانے میں سیاحوں کا زبردست ہاتھ تھا۔ وہ چونکہ حضرت علیؓ کے لشکر میں بکثرت موجود تھے۔ اس لئے قصاص کی کسی بھی تحریک کے آڑے آتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ اس مطالبہ کے پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکے اور قصاص بالآخر امیر معاویہؓ نے لیا۔ اس بحث کے ضمن میں پہلی بار عباسی صاحب نے ان وضعی روایات کی قسی کھولی ہے جن میں کہا گیا کہ حضرت عائشہؓ طلبِ قصاص کی جدوجہد میں نکلنے پر ہمیشہ نادم رہا کرتی تھیں۔ اس بحث میں حضرت معاویہؓ کا ردِ لبہم پر واضح نہیں ہو سکا۔ فاضل ثلث کے نزدیک اس زمانہ کی خانہ جنگی طلبِ قصاص کے مسئلہ پر ہوئی مسئلہ خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کی خلافت کو قائم خلافت سمجھتے تھے تو ان کے ساتھ ان کی آؤرش کس بنیاد پر تھی؟ اور شاہ میں ان کی حکومت کیا اس خلافت کے متوازی نہیں ہو گئی تھی؟ جسے وہ خود قائم خلافت تسلیم کرتے تھے ایک سو سال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی صحابہؓ حضرت علیؓ کی قائم خلافت غیر شرطِ تسلیم کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کرتے تو کیا حالات اتنے دگرگوں ہو گئے تھے کہ سہائی کی سلامت پر اسی طرح چھائے رہتے جس طرح تاریخ اب انہیں دکھاتی ہے؟ وقتی طور پر ہلک بٹکا کھڑا کرنا آسان ہوتا ہے لیکن اسے ساہا سال ایک قوم کی مرضی کے خلاف مسلط رکھنا بالکل ناممکن تھا یہاں بحث بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد کیا مہی فتنہ فتنوں نے خلافت نہ تھے جو اسے خلافت کے لئے مہم حضرت خلیفہ کا تھا، یہاں تک کہ حضرت

نے مروجی کے علم کو حلقے کے اختیارات سے باہر رکھا ہو تو کیا اس پر اعتراض کیا جاسکتا ہے ؟
 ہر حال میں بحث میں یہ چند سوال پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب اس کتاب کے صفحات سے تبصرہ طلب
 کی جگہ میں نہیں آسکا۔

کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مروج سے اہل بیت میں مروجی خلافت کا تصور
 پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو
 جائیں۔ چنانچہ فاضل مصنف نے پوچھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خانوں کے خلاف علویوں کے
 جیسا شہ مروج بیان کئے ہیں مصنف نے بتایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا پرچہ
 تھا کہ بسن متحرکوں اگر بغاوت کی خاطر بھی اٹھیں تو ان کے ہاتھوں نے بھی اپنا حسب نسب علوی ہی
 بتایا حالانکہ علوی نہ ان کے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر ان سے متفق تھے۔

اس کتاب میں بہ شمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالب علموں کے لئے یقیناً تعجب خیز ہونگے
 مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبد المطلب کا تھا نہ کہ ابو طالب کا۔ زبیر بن
 عبد المطلب کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ ابو طالب کا حضورؐ سے تعلق قبیلہ
 کی سب سے اہم کا تھا، حضورؐ کی بعثت کے وقت حضرت علیؑ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت سلیمانؑ
 کی تاریخ میں شہر بانو نام کی کوئی ایرانی خنزادی نہ تھی۔ علی زبیر بن العابدینؑ کی والدہ نہ تھی تاوی قیسؑ وغیرہ وغیرہ
 ایک بات جو ہم نے غور سے کی ہے وہ یہ ہے کہ مصنف جن روایات سے خود استفادہ کرتے
 ہیں ان کے حسن وقوع یا معیار صحت پر کوئی مائے زنی نہیں کرتے۔ حالانکہ جب وہ خلاف مقصد
 احادیث پیش کرتے ہیں تو ان پر ہر لحاظ سے بحث کرتے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ انہیں ایسی تمام
 بات کی صحت پر ہی بحث کرنی چاہیے تھی جن سے وہ معروف نظریات کے خلاف استدلال کرتے ہیں
 اگرچہ ہمارے نزدیک ہجری عہد پر مصنف نے حمایت اعتدال سے کلام کیا ہے اور کتاب
 بالکل باریکی کی کیفیت پیدا نہیں ہونے دی ہے۔ لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف
 نے مزید میں بسن متحرکوں کی جگہ پر بھی بحث کر دیتے ہیں جن کی منہجہ نہیں تھی اور اگر ان
 میں فرق بھی کر دیا جاتا تو وہ ان کے اعتدال کی قوت قائم رہتی۔ یہاں ہم انہیں میں نہیں جانا
 صرف ان کے ساتھ ساتھ ان کے لئے کام کر رہے ہیں کی صحت پر شک ہے۔

سے ہر اس کتابی پر چھاپا اور پڑھنے کا جو بنی علیٰ مذہب و رسم کے صحیح کو اعلیٰ اعتبار سے ہوت
جس کا جتنا ہو۔

مندرجہ بالا پیش کتابت کے تین سو صفحات کو محیط ہیں۔ آخری دو سو صفحات میں اعلیٰ اعتبار
کا کتاب دیا گیا ہے جو خلافتِ مساویہ و وزیرانہ کے بارے میں اٹھائے گئے تھے۔ یہ تمام بحثیں
پہلے شائع ہو چکی ہیں اور ان کا صرف ایک حصہ خود مصنف کا لکھا ہوا ہے۔ باقی دوسرے اہل قلم
کا ہے۔ ہمارے نزدیک کتاب کے شایانِ شایان طرز عمل یہ ہیں کہ پہلی کتاب کے جو صفحے بحث
و نظر کا مستحق تھے، نئے ایڈیشن میں انہیں مزید وضاحت سے لکھ دیا جاتا اور اگر ضمنی بحثوں
کے کتابی شکل میں شائع کرنے کی مافی ضرورت ہوتی تو انہیں الگ کر کے شائع کیا جاتا۔

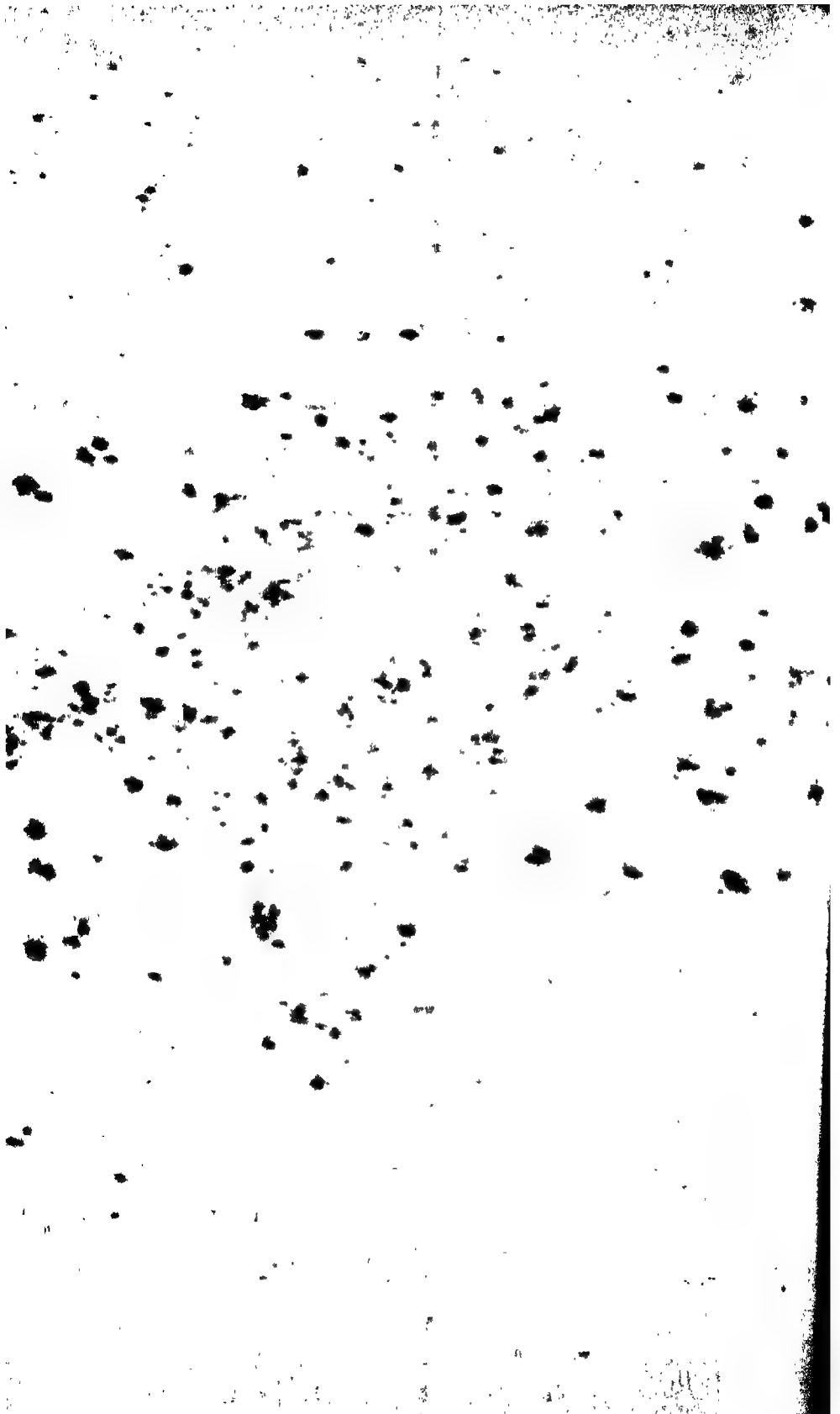
اسی طرح ایک اختلاف ہمیں مصنف سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے زیرِ نظر کتاب کی
کتابت و طباعت اور تصحیح و غور کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ یہ کتاب کسی وقتی اور عوامی مسئلہ پر
تعلیق تھی گئی ہے کہ اس کی ضرورت چند سال بعد محسوس نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کا شمار ان
کتابوں میں ہے جو علم کی تاریخ میں باقی رہتی ہیں۔ اسی لئے ہم اسکے غور کا غور پر بھی کتابت
و طباعت کے ساتھ شائع کئے جانے کے حق میں ہیں۔ موجودہ شکل میں کتاب میں پرورد
ہند و غلباں نظر آتی ہیں بلکہ صفحہ ۱۹۶ پر درج شدہ فاضل بن علی بن حسن کے غرض
تعلیق بھی نہیں دی گئی جو شاید عدمِ توہم کے سبب نظر انداز ہو گئی ہے۔ (خام)

ماہنامہ

میشاق

کی جلدیں

جی صورت کو تیشق کو پانی میں خوب
پانی نہ لیا اپنے ہندوستانی قریبی۔
انہوں نے مشاق کی شکل کو حاصل کو ہر پر
انہوں نے مشاق کے ساتھ پرچہ و کتابت کی
انہوں نے مشاق کے ساتھ پرچہ و کتابت کی



Regd No. L. 7365

Monthly "MEESAQ" Lahore

MAY, 1962

چند اہم مطبوعات

تضانیف مولانا امین احسن اصلاحی

تدبر قرآن (قرآن فہمی کتب خانہ)	3.25	گزشتہ نمبر
تدبر قرآن		
(تفسیر آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ)	0.75	عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ

تضانیف مولانا حمید الدین فراہی

1.25 | مجموعہ البلاغہ

مفردات القرآن

(اردو تراجم)

0.75 | تفسیر فراہی

مقدمہ تفسیر - نظام القرآن

1.13 | ذبیح کون

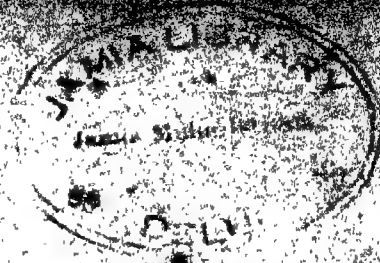
اسام القرآن

مطبوعات دیگر مصنفین

(آنحضرت ص) سیرت ابن ہشام	22.50	(حیات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
عمرہ و فاروق اعظم	10.00	ابوبکر و صدیق اکبر
امام اعظم	10.00	حیات امام احمد بن حنبل
آثار امام شافعی	10.00	حیات امام مالک
قادیانیت	21.00	حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ
Islam and the World	9.75	نزد سفر (حصہ اول)

ملنے کا پتہ

مکتبہ میناق - رحمان پورہ (اچھرہ) لاہور-12



مِثاق

مِثاق
مِثاق

مِثاق
مِثاق



ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۶ مسم الحرام ۱۳۸۲ھ شمارہ ۴

فہرست مضامین

۲	امین احسن اصلاحی	تذکرہ تبرہ
۵		تدبر قرآن
		تفسیر سورہ بقرہ
		مطالعہ حدیث
۳۰	مولانا عبد الغفار حسن صاحب	مشقہ معہ
		مضامین
۳۸	مولانا ضیاء الدین	اسلام اور انسانی حقوق
		مواصلہ و مذاکرہ
۴۴	امین احسن اصلاحی	نوعی منتقن دوسوال
		اقتباسات و تراجم
۴۸	جناب خالہ مسعود صاحب	حقیقت شناسی دین کی منزل
۵۱		تقریظ و تنقید

ہندوستانی سرپرستوں کی تحریک

نیشنل سوسائٹی

کتاب گاہ

نیشنل ذرا دوسط و کتابت کاپی

غیر ماہنامہ میثاق

ماہنامہ - اجراء

تذکرہ و تبصرہ

افسوس ہے کہ ہماری خواہش اور کوشش کے علی الرغم مبینات کا یہ شمارہ کچھ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مجھے اپنے بعض گھر کے انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے پورے دو ہفتے اپنے مستقر سے دور، ایک دیہات میں گزارنے پڑے اور اس دوران میں لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ میں چند دنوں سے کچھ بیمار ہوں۔ یہ دونوں باتیں عبوری کی ہیں اس وجہ سے امید ہے کہ رسالہ کے قارئین اس تاخیر کو معاف فرمائیں گے۔ ساتھ ہی ایک گزارش یہ بھی ہے کہ اس شمارے میں تفسیر کی جو قسط دی گئی ہے اس کی بعض بحثوں کو جس مزید مدلل کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ پرچہ کی کتابت ہو چکی ہے، مینز مراجعت کتب کے انتظار میں مزید تاخیر کا اندیشہ ہے اس وجہ سے اب اس کام کو کسی آئندہ فرصت کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ قارئین اگر کسی بحث میں کوئی غلطی ہو کر اس کی طرف توجہ دلا دیں۔ میں اس کے لئے ممنون ہوں گا اور آئندہ اس غلطی کو بھرنے کی کوشش کر دوں گا۔

(۲)

ہمارے ملک کے انتخابات پر بین الاقوامی شہرت رکھنے والے جریدہ ٹائم کا یہ

تصویر معنی خیز ہے۔

چونکہ مغربی طرز کی سیاسی تنظیمات کے مقابلہ میں یہاں ووٹروں کی تعداد بہت کم تھی اس لئے انتخابی مرکزوں کے لئے عام طور پر قبوہ خانوں اور امیدواروں کے گھروں کا کوثر بنایا گیا۔

سیاست دانوں کے اس اعلان کے بعد کہ وہ ڈپٹی اور ان کے گھروالوں کی حیثیت بھنے ہوئے گوشت اور مصالحہ دار پلاٹھ سے کی جائے گی بعض گھروں میں کھانے والوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ حکومت کو ۳۵ جہازوں سے زیادہ کی حیثیت پر پابندی سے انعام برتن پڑا۔ زیادہ کھاتے پیتے میڈلر نے تو عائیشا کو ٹھیاں اور دیگر ایسے خدمت کار اور چوکیدار بھی حاصل کئے تاکہ انتخاب کی تاریخ سے پہلے دوسرے امیدواران کے دو ڈپٹی تک نہ پہنچ سکیں۔

آگے چل کر تبصرہ نگار صاحب لکھتے ہیں۔

”ایوب کی سب سے بڑی فتح خانے و ہندوں کا بھاری اکثریت سے ان کٹر مسلمان انتہا پسندوں کو متردک و دنیابے جو معاشرہ کی تطہیر اور ایوب خاں کی ان اصلاحات کو ختم کرنے کا دعویٰ کر لٹھے تھے جن کے ذریعے تعداد و راج اور شوہر کی ترنگ پر ایک ہی نشست کے رواجی نظام طلاق پر پابندی لگائی گئی ہے۔“

اس امر میں تو شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ انتخابات میں بالعموم ہن لوگوں کو ناکامی ہوئی جو مذہب کی نمائندگی کے دعوے کرتے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ کٹر مسلمان انتہا پسندوں کی شکست صدر ایوب کی نافذ کردہ عائلی اصلاحات کے حامیوں کی فتح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ انتخابات میں کامیاب ہوئے ان میں سے شاید ہی کوئی صاحب ایسے ہوں جو عائلی اصلاحات کے حامی کی حیثیت سے اپنے دو ڈپٹیوں کے سامنے ظاہر ہوئے ہوں بلکہ ان میں سے ہر ایک نے، جہاں تک ہمیں علم ہے دو ڈپٹیوں سے بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں پہنچ کر صدر ایوب کی نافذ کردہ اصلاحات کو تبدیل کرنے کی کوشش کریگا۔

رہا کٹر مسلمان انتہا پسندوں کا معاملہ تو ان کے لئے ہمارا مشورہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے بار بار دے چکے ہیں کہ وہ اگر انتخابات کی راہ سے اقتدار چاہتے ہیں تو اس کے لئے ضروری آئے کہ ابھی کچھ عرصہ اپنی بھی اصلاح کریں اور اس معاشرہ کی بھی جس کے اندر وہ زندگی بسر کر رہے ہیں اس لئے کہ ابھی نہ تو ان کے اندر شاید وہ صلاحیت پیدا ہوئی ہے جہاں کہہ سکیں۔

ماز کرنے والی ہو اور نہ اس معاشرے کے اندر وہ نظری پیدا ہوئی ہے جو ان کی صالحیت کو بیان صالحیت کے اس حجم میں پہچان کے اس کام کیلئے لازماً کچھ عرصہ تک جہد و کوشش کی پٹیا پر یہ ضروری ہے یہ جہد و جہد حضرت انبیا علیہم السلام کے طریقہ پر ہو۔

اگر ان حضرات کو ہمارا یہ مشورہ قبول نہیں ہے بلکہ وہ اسی معاشرہ کے اندر انتخابات مارا سے اقتدار حاصل کرنے کے آرزو مند ہیں تو پھر ہماری ناچیز گزارش یہ ہے کہ وہ صرف ان اصولوں ہی کی قربانی پر اکتفا نہ کریں جو انہوں نے اسلام کے نام پر کبھی بنائے تھے ورنہ بے انتہام کے ساتھ جن کی تبلیغ کی تھی بلکہ ان چیزوں کا بھی انتہام کریں جن کی طرف ائم کے تبصرہ نگار نے اشارہ کیا ہے۔ مثلاً

— دو ٹروں اور ان کے گروہوں کی ضیافت کے لئے بھنے ہوئے گوشت اور مصالحہ دار پلاؤ کا۔

— دو ٹروں کو گھیرنے اور ان کو دوسرے امیدواروں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے گراہ کے چوکیداروں اور خدمت گاروں کا۔

— دو ٹروں کے خریدنے کے لئے کافی سرمایہ کا۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا خیال غلط ثابت ہو گیا جو کہتے تھے کہ چونکہ دو ٹرم ہیں اسی وجہ سے دام زیادہ نہیں چڑھیں گے۔ اس کے برعکس معلوم ہوا کہ جو چیز بازار میں جتنی ہی کم ہوگی اتنی ہی اس کی قیمت زیادہ ہوگی۔

اگر ان چیزوں کا انتہام ہمارے دوستوں نے کر لیا تو امید ہے کہ اگلے انتخابات تک پہلا معاشرہ ان کی پذیرائی کے لئے بھی تیار ہو جائے گا اور عجب نہیں کہ ان کی کھلائی ہوئی دو ٹروں کے باب میں ارباب اقتدار اس انماض سے بھی کام لیں جس کی طرف ائم کے تبصرہ نگار نے اشارہ کیا ہے اس لئے کہ اسلامی فقہ کا مشہور اصول ہے انصاف و انصاف تبصرہ

الخطوات (ضرورت ممنوعات کو جائز کر دیتی ہے)

تفسیر سورہ یقرہ

(۲۶)

۵۰۔ آگے کا سلسلہ کلام (۱۲۲-۱۲۱)

لوپر کے مباحث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اہل کتاب بالخصوص یہود کے لئے قبول اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ان کا یہ پندار تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس وجہ سے ہدایت ان کی ہدایت اور مذہب ان کا مذہب ہے۔ وہ اپنے حاکم سے باہر نہ کسی کے لئے نجات کے قائل تھے نہ کسی نبوت و رسالت کا تصور رکھتے تھے۔ نجات اور ہدایت حاصل کرنے کا واحد راستہ ان کے ہاں یہ تھا کہ آدمی یہودی بنے یا نصرانی۔ قرآن نے لوپر مختلف پہلوؤں سے ان کے اس زعم کی تردید فرمائی۔ اب آگے ان کے ان فرعونات کی تردید کے لئے ان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی سرگزشت حیات کا وہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ کی رسالت کی تائید اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے تمام دعاوی کی پوری پوری تردید ہو رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بنی اسرائیل اور بنی اسمعیل دونوں ہی کے مورث اعلیٰ اور پیشوا شہداء و خانی تھے۔ اس وجہ سے تاریخ کا یہ حصہ یکساں طور پر سب کے لئے حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ اہل سورہ کے آغاز سے بنی اسرائیل اور بنی اسمعیل کے ساتھ جو بحث شروع ہوئی تھی وہ اس تمام پر اپگر اپنے بارے نقطہ عروج کو پہنچ گئی ہے۔

یہاں جو باتیں قرآن نے اس سرگزشت کی روشنی میں واضح کی ہیں ان کی تفصیل تواریات کی تفسیر کے ذیل میں آئے گی۔ لیکن ہم خاص خاص اصولی باتوں کی طرف یہاں اشارہ کئے دیتے ہیں تاکہ کلام کا نظم اور تسلسل نگاہ کے سامنے آجائے۔ یہ اصولی باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امامت پیشوا کی کا جو منصب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا وہ ان کو وراثت کے طور پر نہیں ملا تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ تھا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے مختلف امتوں میں ڈال کر ان کی اطاعت و وفاداری کی ابھی طرح جانچ کی۔ جب وہ اس جانچ میں پورے اترے تب ان کو یہ منصب عطا ہوا۔ اس وجہ سے یہ منصب تمام تر صفات پر مبنی ہے۔ اس کو کوئی تعلق بھی نسب اور خاندان سے نہیں سانس دیتا۔ اس کی ذریت میں سے بھی وہی لوگ اس منصب کے سرور ہوں گے جو ان صفات سے حامل ہوں جو اس منصب کے شایان شان ہیں۔ بدعہد اور نافرمان لوگ اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔

۲۔ بیت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام ذریت ابراہیم کے لئے مرکز قرار دیا، اس کو قبلہ بنانے کا حکم دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کی تولیت سپرد ہو گئی۔

۳۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے اس گھر کی تعمیر کے وقت اپنی ذریت میں سے ایک امت مسلمہ پر پانچنے اور ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کرنے کی دعا کی تھی۔

۴۔ یہ پیغمبر ہی دلتے ابراہیمی کے نظہر اور اسی ملت ابراہیمی کے داعی ہیں۔ اس وجہ سے جو لوگ ملت ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ رکھتے ہوئے ان کی دعوت سے گریز اختیار کر رہے ہیں وہ خود اپنے آپ کو بے وفوف ٹھہرا رہے ہیں۔

۵۔ اسی ملت اسلام کی وصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اپنی اولاد کو کی اور حضرت یعقوب کی اولاد نے اسی ملت پر جینے اور اسی ملت پر مرنے کا حضرت یعقوب سے عہد کیا۔

۶۔ ان تمام واقعات و حقائق کا تقاضا یہ ہے کہ اہل کتاب یہودیت یا نصرانیت کے تعصب میں مبتلا ہونے کے بجائے اس نعمت ابراہیمی کی پیروی کریں جس کی دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔ خدا کے نبیوں کے درمیان کوئی تفریق نہ کریں بلکہ اس دین اسلام کو اختیار کریں جو مشترک طور پر تمام نبیوں اور تمام رسولوں کا دین ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں وہ اسلام کے رنگ کو اختیار کریں اور یہی رنگ اللہ کا رنگ ہے نہ کہ یہودیت اور نصرانیت۔ جو لوگ اس رنگ سے الگ کوئی رنگ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسولوں سے الگ اپنی پارٹی بنانے کے دریغ ہیں۔

۷۔ یہ دعوے بالکل بے بنیاد ہے کہ ابراہیمؑ، اسمعیلؑ، یعقوبؑ اور ان کے سلسلہ کے دوسرے انبیاء علیہم السلام یہودی یا نصرانی تھے۔ جو لوگ اس قسم کے دعوے کر رہے ہیں وہ تحقیقت پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نبیوں کے دین و مذہب سے ان تہمیدوں کے مغالیل میں زیادہ باخبر ہے۔

۸۔ آخری بات جو اس سلسلہ کلام میں بطور ٹیپ کے بند کے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ دہر تہہ کچی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے جن آباد اجداد پر تم تکمیل کئے ہوئے ہو وہ اپنی زندگیاں گزار چکے اور اپنے اعمال اپنے ساتھ لے گئے، نہ ان کے کارناموں کا کریڈٹ تم کو ملے گا اور نہ ان کے کسی عمل کے بارے میں تم سے مواخذہ ہوتا ہے۔

ان مطالب کو ذہن کے سامنے رکھتے ہوئے اب ان آیات کی تلاوت فرمائیے سارِ شاد

ہوتا ہے۔

مِائِينَ أَمْزَاجٍ أَدْعُوهُ يَعْصِي السَّيِّئُ أَعْمَتُ عَلَيْكُمْ وَارْتَقِ فَضْلَتُكَ
عَلَى الْمَكِينِ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ نَفْسًا وَلَا تَفِيْلُ جَنَّتُهَا
عَذَابٌ وَلَا شَفَعَهَا شَفَعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ فَإِذَا بَلَغَ إِبْرَاهِيمُ مَجْهُدَهُ
فَأَنصَرَفَ إِلَىٰ رَبِّهِ جَاوِلًا لِلْأَيْمَانِ وَهُوَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ لَا يَأْتِيكُمُ

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ
 هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
 الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَ
 بَشِّرِ الصَّادِقِينَ وَإِذْ يَقُولُ ابْرَأْهُمْ الْفُرْعَادَ مِنَ الْبَيْتِ فَرَأْسُوعِيلٌ
 ذَبَّ عَنْكَ مِمَّا دَخَلُوا مِنْكَ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
 لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ
 أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ
 آيَاتِكَ وَلِيُعَلِّمَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيَهُمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ
 الْحَكِيمُ وَمَنْ يُرِ عَبْ عَنْ مَلَكَةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ
 احْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ إِذْ قَالَ لَهُ
 رَبُّهُ أَسَلِمَ قَالَ أَتَسْلُمُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَوَضَعِي بِهِ إِبْرَاهِيمَ
 بَنِيهِ وَيَعْقُوبَ يَسْتَبِيحُ إِنَّ اللَّهَ أَصْلَفَى لَكُمْ الْمَدِينِ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا
 وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ
 قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا لَنَعْبُدَ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ
 إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًُا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
 تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرَخَاءُ مَا كَسَبَتْ وَلَا تَسْأَلُونَهُ
 عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ
 سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ حَقِيقًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا
 أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
 وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ
 أَصْحَابِنَا ذَرْوُنَا كَذَلِكَ نَسْأَلُكَ كُنُوزَ الْآخِرَةِ وَكَانَ أَهْلُ الْبَيْتِ بِمَا أَمَرْنَا
 قُلُوبَهُمْ قَالُوا لَا تُكَلِّمُهُمْ يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَكَانَ قَلْبُهُ مُخَلِّقًا

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ صَبَّغَهُ اللَّهُ وَمِنْ أَحْسَنِ مِنَ اللَّهِ صَبْغَةً وَنَحْنُ
لَهُ عِبْدُونَ ۚ قُلْ أَسْأَلُونَكَ فِي اللَّهِ وَمَا وَرَّثْنَا وَرَثَتَهُ وَلَنَا
أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ۚ أَمْ يَقُولُونَ
إِنْ إِبْرَاهِيمُ كَانَ سَمِيعًا وَإِسْحَاقُ وَيَعْقُوبُ وَالْأَسْبَاطُ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى
قُلْ إِنَّمَا أَعْلَمُهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنَ
اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۚ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا
كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

اے بنی اسرائیل میرے اس فضل کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت دی اور اس دن سب سے رو جس دن کوئی جان کسی کے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول ہوگا، نہ اس کو کوئی شفاعت نفع پہنچائے گی اور نہ ان کی کوئی مددہی کی جاسکے گی۔

اور یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چن باتوں میں آزمایا تو وہ اس نے پوری کر دکھائی، فرمایا، بے شک میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ اس نے پوچھا اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا میرا یہ عہد ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جو ظالم ہوں گے۔

اور یاد رکھو، جب کہ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ مسکن ابراہیم میں ایک نماز کی جگہ بنادو اور ابراہیم اور اسمعیل کو ذمہ دار بنایا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

اور یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے رب اس سرزمین کو امن کی سرزمین بنا اور اس کے باشندوں کو، جو ان میں سے اللہ اور مدد و نجات پر ایمان لائیں پھلوں کی روزی عطا فرما، فرمایا جو کفر کریں گے میں انہیں بھی کچھ دن پہرہ مند ہونے کی ہمت دوں گا۔ پھر میں ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف دھکیوں گا اور

بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اور یاد کرو جب کہ ابراہیم اور اسمعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے انہوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب ہماری جانب سے یہ دعا قبول فرما۔
بے شک اگر سننے والا جاننے والا ہے۔

اے ہمارے رب ہم دعویٰ کو تو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت میں سے تو اپنی ایک فرمانبردار امت اٹھا اور ہمیں ہمارے عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے اور اے ہمارے رب تو ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تذکیہ کرے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اور کون ہے جو ملتِ ابراہیم سے اعراض کر سکے۔ مگر وہی جو اپنے آپ کو صحافت میں مبتلا کرے۔ ہم نے اس کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا اور آخرت میں بھی صالحین کے زمرہ میں ہوگا۔ جب کہ اس کے رب نے اس کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو حوالہ کر دے۔ اس نے کہا میں نے اپنے آپ کو بہرہ ورگارِ عالم کے حوالہ کیا۔ اور ابراہیمؑ نے اسی وقت کی حقیقت اپنے بیٹوں کو کہی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی۔ اے میرے بیٹو، اللہ نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو منتخب فرمایا تو تم زمرہٴ مگر اسلام کی حالت پر۔

کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا۔ جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ وہ بولے کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آباء و اجداد۔ ابراہیم اسمعیل اور اسحق۔ کے معبود کی

پرستش کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

یہ ایک گروہ تھا جو گزر چکا، اس کو ملے گا جو کچھ اس نے کمایا اور تمہیں ملے گا جو کچھ تم نے کمایا، اور جو کچھ وہ کہتے رہے ہیں اس کے بابت تم سے سوال نہیں

ہو گا۔

اور کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی جو تو ہدایت پاؤ گے کہو بلکہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو اللہ کی طرف ایک سوتھا اور مشرکین میں سے نہ تھا۔ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو ابراہیمؑ اسمعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور اس چیز پر ایمان لائے جو موسیٰؑ وعیسیٰؑ اور نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے ملی، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم صرف اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو وہ راہ یاب ہوئے اور اگر وہ اعراض کریں تو پھر وہ درپٹے مخالفت ہیں۔ ان کے مقابل میں تمہارے لئے اللہ کا فی ہو گا وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

کہہ دو، یہ اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔ کہہ دو، کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں محبت کر رہے ہو۔ حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے، وہی تمہارا بھی رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اور ہم خالص اسی کے لئے ہیں۔ کیا تم دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیمؑ اسمعیلؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی ذریت کے لوگ یہودی یا نصرانی تھے۔ پوچھو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی کسی شہادت کو جو ان کے پاس ہے چھپائیں۔ اللہ اس چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

یہ ایک گروہ تھا جو گزر چکا، اس کو طے گا جو کچھ اس نے کیا اور تم کو طے گا جو کچھ تم نے کیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس کے بابت تم سے سوال ہو گا۔

۵۱۔ الفاظ اور محسوسوں کی وضاحت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا هٰٓؤُلَآئِہٖمْ سَبِيْلًا ۚ سَبِيْلُہُمْ يَنْتَهِیْ عَنْ سَبِيْلِکُمْ لَعَلَّ کُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ
یا اے ایمان والو! ان کے پیروی نہ کرو۔ ان کی سبیل تمہاری سبیل سے روکتی ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔

ہو تفسیر آیات ۴۴-۴۵۔

وَإِذْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ إِمْرًا رَبِّكَ يُكُونُ لَكُمْ عَقْدًا غَلِيظًا..... لَا تَبْكُوا عَلَى الْمَوْتَيْنِ | ابتلا کے
معنی جانچنے اور امتحان کرنے کے ہیں۔ یہ ابتلا بندوں کی تربیت اخلاقی کے لئے اللہ تعالیٰ
کی ایک سنت ہے۔ اسی چیز سے بندوں کی وہ صلاحیتیں ابھرتی اور نشوونما پاتی ہیں جو ان کے
اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں اور اسی سے کھرے اور کھولے میں امتیاز ہوتا ہے۔
یہ امتحان نرم و سخت، سرد و گرم، خوش کن اور رنجیدہ، حوصلہ افزا اور ہمت آزما دونوں
طرح کے حالات کے ذریعے ہوتا ہے اور کسی صورت میں بھی اس سے مقصود بندے کو
دکھ میں مبتلا کرنا نہیں ہوتا بلکہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا صرف اس کی صلاحیتوں کو ابھارنا اور
پروان چڑھانا ہوتا ہے۔ یہاں یہ اشارہ کافی ہے۔ آگے اس پر مفصل بحثیں آئیں گی۔

کلمات کلمہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی مفرد لفظ کے بھی آتے ہیں اور پوری بات کے
بھی۔ یہاں کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جو اس نے حضرت ابراہیمؑ کی
عزیمت و استقامت کے امتحان کے لئے ان کو دیئے اور انہوں نے بے چون و چرا ان کی
تعمیل کی۔ مثلاً انہوں نے خدا کے حکم کی تعمیل میں عین اپنی قوم کے ٹکڑے میں توحید کی اذان دی
اور جو بت صدیوں سے عبودین کر رہے تھے ان کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ ان
کو دین آباتی کی تہمین کے جرم میں آگ میں ڈالا گیا، وہ بے خطر اس آگ میں کود پڑے۔ ایک
جبار بادشاہ نے ان کو دین حق سے پھیرنا چاہا، انہوں نے محبت ابراہیمی سے اس کے چھکے
چھڑا دیئے۔ ان کو خاندان، جائداد اور قوم و وطن سب کو چھوڑ کر ہجرت کا حکم ہوا۔ وہ سب
کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ ان کو دشتِ غربت میں اکھڑتے اور محبوبِ فرزند کی گردن پر چھری
چلا دینے کا حکم ہوا۔ انہوں نے بے دریغ اس بازی کیلئے بھی آستینیں چڑھا لیں اور سیزدہ
سالہ فرزند کو ماتھے کے بل پچھاڑ دیا۔ حکم الہی کی تعمیل میں جاں بازی و جاں سپاری کے اس
قسم کے عظیم کارناموں سے ان کی زندگی کا ہر سبق نورانی ہے۔ ہم نے صرف چند واقعات
کی طرف بطور مثال اشارہ کر دیا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام و ہدایات کی تعبیر کے لئے کلمات کا جو لفظ استعمال

ایا ہے۔ اس میں بلاغت کا ایک خاص نکتہ مضمون ہے۔ وہ یہ کہ لفظ کلمہ ایک قسم کے اجمال بہام کا حامل ہے۔ یہ لفظ کلمہ کن کی طرح ایک واجب التعمیل حکم کو مخاطب کے سامنے دیتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ اس کا فلسفہ، اس کا صلہ اور اس کا انعام بھی بیان ہو۔ عباداری اور اطاعت کے امتحان کے لئے اس طرح کے احکام سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے جو بندہ اس طرح کے امتحان میں بازی لے جاتا ہے اس کا اجر و انعام بھی بہت ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے خواب میں ایک اشارے کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کر دینے کا حکم دے دیا۔ نہ اس کی علت و حکمت واضح فرمائی نہ اس کا اجر و انعام ان فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چاہتے تو اس خواب کو صرف ایک خواب کا درجہ بھی دے لیتے تھے اور چاہتے تو اس کی کوئی تعبیر بھی نکال سکتے تھے لیکن جس طرح اس کائنات کی ہر چیز خدا کے کلمہ کن کی تعمیل کرتی ہے، اس کو نہ تو اس کے فلسفہ سے بحث ہوتی، نہ اس کا اجر و ثواب ہے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے ہر کلمہ کی تعمیل نہ اس کا فلسفہ پوچھا، نہ اس کا اجر و ثواب معلوم کیا۔ حکم ہوا آگ میں گود پڑو، گود پڑے۔ ہم ہوا قوم و وطن کو چھوڑ دو، چھوڑ دیا۔ حکم ہوا بیٹے کی گردن پر چھری چلا دو، اس کو پھانسیا۔ ان امتحانی احکام کی اس مخصوص نوعیت کی وجہ سے قرآن نے ان کو کلمات کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

یوں تو ان امتحانات میں سے ہر امتحان نہایت کمٹھن تھا لیکن خاص طور پر بیٹے کی بانی والا امتحان تو ایک ایسا امتحان تھا جس میں پورا اترنا تو الگ رہا اس کا تصدیق ایک عظیم امتحان تھا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں بھی پورے رگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا کہ اے نبی جاعلک للکائنات میں رہا بتا دیں تم کو دراکا پیشوا بنانے والا ہوں یہ ایک ہی وعدہ بیک وقت دو وعدوں پر مشتمل ہے ایک اس پر کہ حضرت ابراہیم ان سب کے پیشوا ہوں گے۔ اس عظیم انعام کے مقدر وہ اس سے قرار پائے کہ انہوں نے اللہ کی خاطر نہ صرف اپنے خاندان اور اپنی قوم کو چھوڑا بلکہ یہ دشمن غربت میں اپنے اس اکلمہ تہ فرزند کو بھی قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے جو اس طرح اپنے

اوس تنہائی میں ان کی تمام تبتاؤں کا واحد مرکز تھا۔ تو رات میں اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانح کے خاص خاص حصہ میں یہود نے بہت سی تحریفات کر دی ہیں تاہم یہ وعدہ حق ہے سے تغیر الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۲۲۔

اور خداوند کے فرشتہ نے آسمان سے دوبارہ ابراہیم کو بکارا اور کہا کہ خداوند فرماتا ہے کہ چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا اس لئے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کے مانند کردوں گا اور تیری اولاد اپنے دشمنوں کے بھائی بنے گی ملک ہوگی اور تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تو نے میری بات مانی۔

اس وعدے کے ایفاء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل دونوں کی نسل سے عظیم قومیں پیدا کیں جن کے مورث اعلیٰ اور روحانی پیشوا بلا اختلاف حضرت ابراہیم تھے۔ پھر ان کے اندر نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ان میں حبیب اللہ القدر بادشاہ پیدا ہوئے جو دشمنوں کے پھانسیوں کے فاتح بنے۔ پھر انہی کی ایک شاخ میں پیغمبر خاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت ہوئی جن کے واسطے سے تمام دنیا کو ایمان و ہدایت کی برکت نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تو انہوں نے سوال کیا کہ امامت و پیشوائی کا یہ عہد انہی کے ساتھ خاص ہے یا ان کی ذریت بھی اس میں شامل ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ لَا يَنْبَأُ لَكَ عَهْدُكَ الظَّالِمِينَ (میرا یہ عہد ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جو ظالم ہوں گے ظالم سے مراد قرآن میں صرف وہی لوگ نہیں ہوتے جو دوسروں پر ظلم ڈھانے والے ہوں بلکہ اس سے بیشتر وہ لوگ مراد لئے گئے ہیں جو شرک و کفر میں مبتلا ہو کر خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بن جائیں مثلاً۔ حَتَّمَهُمْ ظُلْمَهُمْ لَنَفْسِهِمْ دُونَ مِمَّا قُتِلُوا (پس ان میں کتنے اپنے اور ظلم ڈھانے والے اور کتنے میانہ روی ہیں) خاطر ۳۶۔ وَمَنْ ذُرِّيَّتُنَا مُحْسِنٌ وَظَلَمْنَاهُمْ نَفْسَهُمْ مُبِينٌ (اور ان دونوں کی ذریت میں تمہیک عمل کرنے والے بھی ہیں اور انہی جانوں پر کھلا ہوا ظلم کرنے والے بھی) ۳۷۔ صافات۔

مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ تمہاری ذریت میں سے تمہاری روش پر قائم اور میری دی ہوئی خیریت و ہدایت پر استوار رہیں گے وہ تو تمہارے بعد اس امامت کے وارث ہوں گے۔ لیکن جو مجہدی اور نافرمانی کر کے شیطان کی راہ پر چل پڑیں گے وہ اس امامت میں سے کوئی حصہ نہیں پائیں گے۔

یہ تصریح یہاں اس لئے کی گئی ہے تاکہ بنی اسرائیل اور بنی اسمعیل دونوں پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ ان کو حضرت ابراہیمؑ کی ذریت ہونے پر جو ناز ہے اور جس کے سبب سے وہ ایمان اور عمل کی تمام ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھے بیٹھے ہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ ابراہیمؑ کی وراثت میں ان لوگوں کا کوئی حصہ نہیں ہے جو شرک و کفر میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اسی روز واضح کر دی تھی جس روز ان کو اس منصب امامت پر سرفراز فرمایا تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ اوپر ہم نے تو رات کا جو حوالہ نقل کیا ہے اس میں یہ تصریح بھی ضرور موجود رہی ہوگی لیکن چونکہ یہ بات یہود کے منشاء کے خلاف تھی اس وجہ سے انہوں نے جس طرح اس سلسلہ کے واقعات میں دوسری ہمت سی تبدیلیاں کر دیں۔ اسی طرح اپنی خواہش کے خلاف پا کر اس تصریح کو بھی انہوں نے مدف کر دیا۔ استاذ امامؒ نے اپنے رسالہ ذبیح میں ان تحریفات سے پردہ اٹھایا ہے۔ تفصیل کے طالب اس رسالہ کو ضرور پڑھیں۔

وَلَا تَجْعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابًا لِّلنَّاسِ وَالْوَكُوعُ الشُّجُوذُ | بیت سے مراد

بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے۔ قرآن مجید میں اس شکل میں یہ لفظ خانہ کعبہ ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ تو رات کی کتاب پیدائش باب ۱۲ میں اس کو بیت ایل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایل عبرانی میں اللہ کو کہتے ہیں۔

مثابہ کے معنی مرکز و مرجع کے ہیں، جس کی طرف سب رجوع کریں، جس کے ساتھ سب وابستہ ہوں، جو سب کا مرکز اور سب کا قبلہ ہو۔

لنناس سے یہاں مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر انی جا علک للناس اماما میں ہوا ہے یعنی وہ تمام ذریت ابراہیمؑ جس کی امامت و پیشوائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

حاصل ہوئی عام اس سے کہ وہ حضرت اسحق کی نسل سے ہوں یا حضرت اسمعیل کے سلسلہ سے ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی تمام ذریت کا پیشوا بنانے کا فیصلہ کیا گیا اسی طرح یہ فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا کی عبادت کے لئے جو گھر وہ بنائیں گے وہ تمام ذریت ابراہیم کا مرکز اور قبلہ ہوگا اور پھر ذریت اسمعیل علیہ السلام کے واسطے سے، جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے، تمام دنیا کی قومیں اس گھر کی برکتوں میں سے حصہ پائیں گی۔

استاذ امام مولانا فرہنجی اس مسئلہ میں نئی تحقیق یہ بیان فرماتے ہیں۔

”تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو شروع ہی سے یہ حکم ملا تھا کہ وہ اپنی بڑی قربانیوں کا قبلہ مکہ معظمہ کی سمت کو قرار دیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قربانی کے لئے ضروری تھا کہ وہ معبد میں خداوند کے حضور پیش کی جائے۔ فصل دوم حوتی میں ہم بتا چکے ہیں کہ جس قربانی کا نام ان کے ہاں تقدس اللہ اس تھا اس کا رخ جنوب کی سمت ہونا ضروری تھا۔ اسی طرح سالانہ قربانی جو ان کے ہاں سب سے بڑی قربانی خیال کی جاتی تھی اس کا رخ بھی جانب جنوب ہی ہوتا۔ یہودیہ تو اس معاملہ کے اصلی راز سے بے خبر تھے جیسا کہ فصل دوم حوتی میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں یا انہوں نے بالقدہ اس معاملہ کو کر دینا نہیں چاہا۔ بلکہ اپنی عادت کے مطابق چاہا کہ اس پر پردہ ہی پڑا ہے مصلحت نیست کہ از پردہ ہوں افتد راز

حالانکہ یہ بات پوری قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ ان کے خیمہ عبادت کا رخ ابتداء سے جانب شمال تھا دیکھو سفر خروج ۹: ۲۴

”ممكن كا گھر جنوب كى جانب بركت حاصل كرنے كے رخ پر بنایا جائے۔ نیز اسی سفر خروج کے باب ۲۰ آیت ۲۱-۲۲ میں ہے

اور نیز کو اس پردے کے باہر مسکن کی شمالی سمت میں خیمہ اجتماع کے اندر رکھا اور اسی پر خداوند کے حضور روٹی سجا کر رکھی جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم کیا تھا اور خیمہ اجتماع کے اندر ہی نیز کے سامنے مسکن کی

جنوبی سمت میں شمعدان رکھا۔

ہمارے نزدیک اس ساری ترتیب کا اصلی فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص خداوند کے حضور آئے اس کا رخ جانب جنوب یعنی مکہ معظمہ اور ابراہیمی قربان گاہ کی طرف ہو۔ اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خیمہ کے اندر مسکن مقدس بھی جنوب ہی کی سمت میں تھا اور مذبح اس کے سامنے دروازے کی طرف تھا۔ اس لئے جو شخص وہ قربانی پیش کرتا جس کو قدس الاقداس کہتے ہیں وہ مذبح کے شمالی جانب کھڑا ہوتا تاکہ اس کا رخ مسکن ربانی کی طرف ہو سکے جس کے معنی یہ تھے کہ اس کا رخ لازماً خانہ کعبہ کی طرف ہوتا جس کے پاس ہی مردہ ہے جس کو اولین قربان گاہ ہونے کی عزت حاصل ہے اور اس کے پاس ہی مسکن اسمعیل بھی ہے۔

(ملاحظہ ہو رسالہ ذبیح فعل ۱۵)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ جس طرح ہماری نمازوں اور قربانیوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اسی طرح ابتدا ہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام ذریت کی عبادت و قربانی کا قبلہ بھی خانہ کعبہ ہی کو قرار دینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ چنانچہ اسی رخ پر ان کا خیمہ عبادت بھی تھا اور پھر بعد میں اسی رخ پر بیت المقدس کی بھی تعمیر ہوئی لیکن یہود نے محض تعصب کی وجہ سے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

لگے اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا فراہی فرماتے ہیں۔
 چہاں سے مذکورہ دعاوی کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے مسکن کو تمام ذریت ابراہیم کا قبلہ قرار دیا۔ اس بحال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو عرب کے مشرق اور شمال میں آباد کیا اور ان کا قبلہ حضرت اسمعیل کے مسکن کو قرار دیا۔ چنانچہ تورات سے ثابت ہے کہ ان کو ان کے تمام بھائیوں کے آگے بیایا۔ پیدائش ۲۵-۱۸ میں

ہوئے۔
 ”اور اس کی اولاد وحیہ سے شورتیک جو ہر کے سامنے اس وقت سے ہے“

جس سے اس کو کو جاتے ہیں، آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے
ساتھ بے ہوش تھے۔

ادب پبلش ۱۲، ۱۴ میں ہے۔

وہ گورنر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب
کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے
بسا بے گار۔

مسب بھائیوں کے سامنے بسنے کی جتناویل ہم نے کی ہے، اس کے سوا اس کی
کوئی دوسری صحیح تاویل ممکن نہیں ہے کیونکہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی تمام اولاد اسوا بنی اسمعیل کے مشرق و شمال میں آباد ہوئی۔ پس حضرت اسمعیل ان
سب کے سامنے اسی وقت ہو سکتے ہیں جب یہ مانا جلتے کہ ان کی بستی ان سب
کے قبلہ کے سمت میں تھی۔ ہمارے نزدیک اس بات کو ماننے میں کسی تردد کی کوئی
گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے سب
کا امام بنایا تھا اور ان کے بعد اس امامت کے وارث حضرت اسمعیل ہوئے۔
قرآن مجید نے اس معاملہ کی طرف بعض اشارات کئے ہیں۔ آگے مولانا نے وہی آیت
نقل فرمائی ہے جہاں زیر بحث ہے)

وَ اتَّخَذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰہِیْمَ مُصَلًّی رَاوِر مَسْکِن ابراہیم کے ایک حصہ میں نماز کی ایک
جگہ پر کھڑے ہو کر پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ ہم نے
یا ہم نے حکم دیا کہ تصریح کی ضرورت نہیں تھی۔ دونوں جگہوں میں ایک ہی بات دو مختلف
قرآن سے کہی گئی ہے۔ پہلے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو تمام اولاد ابراہیم کے
مركز و قیام بنانے کا فیصلہ کیا۔ پھر یہ فرمایا کہ اسی فیصلہ کو بروئے کار لانے کے لئے ابراہیم
اولاد ابراہیم کو یہ حکم دیا کہ مسکن ابراہیم کے ایک حصہ میں نماز کی ایک جگہ بناؤ۔

یہاں آیت میں مقام ابراہیم کا لفظ آیا ہے۔ مقام سے کیا مراد ہے، علانیہ تفسیر سے

اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک اس سے مراد وہ پتھر ہے جس سے متعلق یہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ دوسرے گروہ کے نزدیک اس سے مراد حرم کا پورا علاقہ ہے۔ اس گروہ نے مقام کے لفظ کو کسی مخصوص کھڑے ہونے کی جگہ کے بجائے ممکن و مستقر کے مفہوم میں لیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی تاویل صحیح ہے۔ اس تاویل میں وسعت و جامعیت کے ساتھ ساتھ خاص اہمیت رکھنے والا پہلو یہ ہے کہ نظم کلام اعتبار سے یہ اس مقصد کو زیادہ واضح کرنے والی ہے جس کے لئے یہ بات یہاں کہی گئی ہے۔ یہاں یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہی گھر تمام اولاد ابراہیم کا قبلہ رہا ہے اس لئے کہ یہی گھر جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے اس مستقر میں تعمیر جس میں ہجرت کے بعد انہوں نے حضرت اسمعیل کے ساتھ سکونت اختیار کی۔

یہ مسئلہ ہمارے اور یہود کے درمیان ایک بڑا نزاعی مسئلہ ہے۔ یہود نے خانہ کعبہ اور ان کی قربان گاہ سے حضرت ابراہیم کا تعلق بالکل کاٹ دینے کے لئے واقعہ قربانی میں بھی اور ان سرگزشت ہجرت میں بھی نہایت جھوٹی قسم کی تحریفات کر دی ہیں اور اس طرح انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کی قربانی کی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسمعیل، جس جگہ قربانی کی وہ جبل رید شلم ہے نہ کہ مردہ، غنہ عبادت کے لئے انہوں نے جو گھر بنایا وہ بیت المقدس ہے نہ کہ بیت اللہ۔ انہوں نے جو جگہ ہجرت کے بعد سکونت اختیار کی وہ کنعان ہے نہ کہ جو ارض خانہ کعبہ۔ ان بیانات کی تصدیق تروید کا واحد ذریعہ چونکہ تورات ہی ہے اور تورات میں یہود نے اپنے حسبِ منشا، جیسا کہ ہم عرض کیا تھا تعریف کر ڈالی، اس وجہ سے اصل حقائق سے پردہ اٹھانا بڑا مشکل کام تھا لیکن ہمارا اسناد مولانا فراہیؒ نے یہود کی ان تمام تحریفات کا پردہ خود تورات ہی کے دلائل سے رسالہ ذبیح میں بالکل چاک کر کے رکھ دیا ہے۔ انہوں نے تورات ہی کے بیانات سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے وطن سے نکلنے کے بعد حضرت اسحاق کی والدہ کو لو کنعان

چھوٹا اور خود حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کے ساتھ بیر سبع کے بیابان میں قیام کیا۔ یہ جگہ ایک غیر آباد جگہ تھی اس وجہ سے انھوں نے یہاں سات کنوئیں کھودے اور درخت لگائے، یہیں ان کو خواب میں اکھڑتے بیٹے کی قربانی کا حکم صادر ہوا اور وہ حضرت اسماعیل کو لے کر مرو کی پہاڑی کے پاس آئے اور اس حکم کی تعمیل کی۔ اسی پہاڑی کے پاس بیت اللہ کی تعمیر ہوئی اور اسی کے پاس انہوں نے حضرت اسماعیل کو آباد کیا۔ پھر یہاں سے لوٹ کر وہ بیر سبع گئے اور اپنے قیام کے لئے ایسی جگہ منتخب کی جو خانہ کعبہ سے قریب بھی ہو اور جہاں سے وقتاً فوقتاً حضرت اسحاق کو دیکھنے کے لئے بھی جانا آسانی سے ممکن ہو سکے۔

مولانا نے یہ ساری باتیں تورات کے نہایت ناقابل تردید دلائل سے ثابت کر دی ہیں ہر سوال پر اصل کتاب کے اقتباسات پیش کرنے میں ملالت ہے اس وجہ سے ہم نے صرف خلاصہ بحث اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔ جو لوگ تفصیل کے طالب ہوں وہ مولانا کے کتب خانہ رسالہ کا مطالعہ کریں۔

ظاہر ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے قیام اسی علاقہ میں فرمایا نہ کہ شام میں تو ان کو نذ کے لئے ایک مرکز کی تعمیر بھی اسی علاقہ میں کرنے کا حکم ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں انہوں نے اس بیت اللہ کی تعمیر کی جس کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بیت ایل کے نام سے ہوا ہے۔ بیت اللہ اور بیت ایل دونوں کے معنی بائبل ایک ہیں۔ ایل کے معنی عبرانی میں اللہ کے ہیں۔ اس بیت ایل سے اگر یہود بیت المقدس کو مراد لیتے ہیں تو قطع نظر اس سے کہ اس سرزمین کو حضرت ابراہیم نے اپنا مسکن نہیں بنایا۔ یہود کے اس دعوے کو جھٹلانے والو سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر بالاتفاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سیکڑوں سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہوئی ہے۔ چنانچہ خانہ کعبہ کی اسی قدامت اور اولیت کی وجہ سے قرآن نے اس کو بیت عتیق اور اول بیت کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ **وَأَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ وَبِهِ آيَاتٌ لِّبَيِّنَاتٍ، مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (۹۰۔ آل عمران)** (بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے تعمیر ہوا وہی ہے جو بکۃ ٹیں ہے، مبارک اور نجات

علم کے لئے مشیئہ ہدایت۔ اس میں (اس کی اولیت کی) نہایت واضح نشانیاں ہیں، یہ ممکن
 ابراہیمؑ ہے (اور اس کی روایت ہے کہ جو اس میں داخل ہوا وہ مومن ہوا)
 یہاں بیت اللہ کو مصلیٰ کے نقطے سے جو تعبیر فرمایا ہے تو اس سے اس گھر کے اصل مقصد
 تعمیر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ نماز کا مرکز ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے جوار میں حضرت
 اسمعیلؑ کو بساتے وقت دعا بھی یہی کی تھی کہ وَبَنَّا لِمُقِيمِ الصَّلَاةِ (اس عذاب میں نے ان کو اس
 لئے یہاں بسایا ہے تاکہ یہ نماز قائم کریں) لیکن وہ جاہلیت میں اس کے مشرک اور متبدع قویلوں
 نے اس کو بدعات کا ایک آڈہ بنالیا اور ان کی نماز مجنونک مارنے اور تہائی بجانے کی ایک
 بت پرست نہ رسم بن کر رہ گئی۔ اس پہلو سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہاں مصلیٰ کے لفظ میں ایک
 اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ذریت ابراہیمؑ کی دونوں شاخوں نے اپنے قبلہ کے بنیادی مقصد
 کو ضائع کر دیا۔ اور اب خدا نے اپنے اس نبی کو بھیجا ہے جو اس کے اصلی مقصد کی تعبیر
 کر رہا ہے۔

وَعَلَّمَ نَا إِلَىٰ اَبْرَاهِيمَ الْاَلَاةِ۔ عہد جب الٰہی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے
 معنی کسی پر کوئی ذمہ داری ڈالنے یا اس کو کسی شرط کا پابند کرنے کے آتے ہیں مثلاً وَفَعَلْنَا
 اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلِ ذٰلِكَ وَكُنَّا عِندَ كَذٰلِكَ عَرْمًا ۱۱۵۔ طہ۔ اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک
 شرط کا پابند کیا تو وہ بھول بیٹھا اور ہم نے اس میں ارادہ کی مضبوطی نہیں پائی، اَلَمْ نَعْلَمْ اَنَّكَ كَاذِبٌ

القیہ حاشیہ از صفحہ ۲۰) تخریج کے اس کو وادی بکا کر دیا ہے۔ متعلق آیت کی تفسیر کے تحت ہم اس تخریج
 پر بحث کریں گے (حاشیہ صفحہ ۲۱)

یہ ملحوظ رہے کہ یہود نے جس طرح اپنے دینی اٹریچر سے خانہ کعبہ کے ذکر کو خارج کر دیا اسی طرح
 ان کو بھی انہوں نے باطل خارج کر دیا۔ ان کے ماں اگر کوئی چیز ہے تو قربانی ہے۔ ان کے مسجد کی
 اصل حیثیت مرکز نماز کی نہیں بلکہ قربان گاہ کی ہے۔ یہیں کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کے نماز کی
 نسبت سے یہود مہربانانہ کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ انہوں نے اپنے اصل قبلہ خانہ کعبہ سے اپنا
 حق توڑ لیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ (۶۰۔ یس) (کیا میں نے تم کو اس شرط کا پابند نہیں کیا
 اسے آدم کے بیٹوں کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرو گے) میں عہد بنا اور ان کو کہیم وَاَسْمِعِلْ کَا
 یہ بتوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خانہ کعبہ کی تولیت کی ذمہ داری ڈالی اور ان کو اس شرط کا پار
 کہ وہ اس گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھیں
 پاک صاف رکھنے سے مقصد ظاہر ہے کہ ان ساری چیزوں سے پاک صاف رکھنے
 ہیں جو اس گھر کے مقصد تعمیر کے منافی ہوں عام اس سے کہ وہ گندگی و نجاست ہو جس سے عباد
 کی طبیعت میں تکدر پیدا ہو، یا باریاب ہو و لعب کے ہنگامے ہوں جن سے ان کی یکسوئی میں خلل
 ہو یا اعتناء و اوشان ہوں جو خدا کے گھر کو شرک و بت پرستی کا گڑھ بنا کے رکھ دیں۔ ان سار
 سے اس گھر کو پاک رکھنے کی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ پر ذمہ داری ڈال دی گئی تھ
 تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کا حق ادا کیا لیکن بعد میں ان کی اولاد حبیث شر
 بت پرستی میں مبتلا ہو گئی تو اس نے اس گھر کی تولیت کی اس شرط کے برعکس اس کے
 کرنے میں بتوں کو لایٹھایا اور ان لوگوں کو اس گھر سے نہایت ظلم اور بے دردی سے
 جو اس کو از سر نو ذکر الہی کے زمزموں، طواف و اعتکاف کی رونقوں اور رکوع و سجدہ
 سے آباد و مہور کرنا چاہتے تھے۔ قرآن نے یہاں خانہ کعبہ کی ابتدائی تاریخ کی اس حقیقت
 اسی لئے اشارہ فرمایا ہے کہ قریش اس گھر سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں لیکن جب
 نے ان کو سمجھنے سے انکار کر دیا تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس کی تولیت کے منصب سے
 معزولی کا اعلان کر دیا۔ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَلَّا يَعْبُدُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَا
 يَا كُفْرًا وَلَئِنَّكَ حَاطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ هَا أَنَا لِيَجْمَعَنَّ مَسَاجِدُ
 مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآخَمَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشُرْ إِلَّا اللَّهَ
 و مشرکین کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے منتظم بنے رہیں۔ ورنہ خالیکہ و
 کفر پر گواہ ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے تمام اعمال اکارت گئے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے
 یہی ہیں۔ اللہ کی مسجدوں کے منتظم تو وہی ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان
 نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں)

یہاں اس گھر کو تین چیزوں کے لئے خاص کرنے کا حکم ہوا ہے۔ طواف، اعتکاف اور سجود۔

طواف سے مراد خانہ کعبہ کے ارد گرد پھیر لگانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا وہ طریقہ واضح فرمایا ہے جو اس کا اصل ابراہیمی طریقہ ہے۔ طواف درحقیقت نماز کی قسم ہے لیکن یہ نماز صرف خانہ کعبہ ہی کے پاس ادا ہو سکتی ہے اس کے سوا کہیں اور ادا ہو سکتی۔ اس کی اس خصوصیت کی وجہ سے اس کا ذکر سب سے پہلے فرمایا۔ وقار و ادب و تردد کے اندر رہتے ہوئے محبت الہی کے جذبات جس حد تک اس نماز میں ابھرتے ہیں اسی کے ساتھ مخصوص میں شمع و پروانہ کی حکایت طواف میں ایک حقیقت بن جاتی ہے۔

حاکف، ملکوت سے ہے جس کی اصل روح دوسری چیزوں سے صرف نظر کر کے کسی چیز کو کچل لینا ہے۔ اسی سے اعتکاف ہے جو دھیان گمان اور ذکر و فکر کی عبادت ہے۔ ہر چیز سے کٹ کر اپنے رب کی یاد کے لئے گوشہ نشین ہو جانے یہ اعتکاف ہے۔ اس میں شعلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت سے واضح فرمادی ہے۔ جس طرح طواف الہی کے جذبات ابھارنے کے لئے اپنے اندر ایک خاص صفت رکھتا ہے اسی طرح ان ذکر الہی پر عقل اور دل کو جمانے کے لئے اپنے اندر ایک خاص صفت رکھتا ہے۔

رکع راکع کی جمع ہے اور سجود ساجد کی۔ رکوع اور سجود کی لغوی تحقیق آیات ۲۷ و ۳۲ کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ یہاں یہ دونوں لفظ نماز کی تعبیر کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ تعبیر رکوع اور سجود سے دو اہم حقیقتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ دونوں نماز کے تقسیم ترین اور اہم ترین ارکان میں سے ہیں۔ نماز کی ظاہری ہیئت میں جو اہم واقعہ ہوئی ہوں لیکن یہ دونوں چیزیں جس طرح ہماری نمازوں میں شامل ہیں اور انہی نماز میں بھی شامل تھیں۔ دوسری یہ کہ نماز سے صرف ذکر و فکر ہی مطلوب ہے بلکہ اس کی مخصوص صورت و ہیئت بھی مطلوب ہے اور اس کی صورت و ہیئت یہاں اس کے رکوع و سجود میں۔

وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مَبْدَأَ الْمَوْتِ وَالْمَبَادِئَ لِلْآخِرَةِ

مرکز الشکوک (اے میرے رب اس سرزمین کو اس کی سرزمین بنا اور اس کے ساکنوں کو
مچھلوں کی روزی عطا فرما) آمین کے معنی مامون و مطمئن کے ہیں۔ یہ دو عباد حضرت ابراہیمؑ نے
اس سرزمین کے لئے فرمائی ہے جس پر حضرت اسمعیل علیہ السلام کو بسایا اور جہاں حرم کی تعمیر کی۔
یہ علاقہ جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ تہذیب و تمدن اور آبادی و زرخیزی سے بالکل محروم تھا۔ خانہ
بدوش قبائل پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں ٹوٹوں کے تغیر کے ساتھ ساتھ ادھر سے ادھر
منتقل ہوتے رہتے تھے۔ رعاش کا ذریعہ یا تو گلابانی تھا یا شکار یا پھر لوٹ مار۔ اس وجہ سے
اس سرزمین کے دو شے خاص طور پر حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں بڑے اہم تھے ایک امن کا دوسرا غذا۔
حضرت ابراہیمؑ کی مذکورہ دعا انہی دو چیزوں کے لئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا جس
طرح قبول فرمائی اور اس کی جو برکتیں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت اور اس علاقہ کے باشندوں کیلئے
ظاہر ہوئیں وہ تاریخ کی ایک ایسی زندہ اور محسوس حقیقت ہے کہ کوئی کلمہ سے کلمہ مخالف بھی
اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ پھر عجیب ایمان پرور باجرا یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے
بیت اللہ کے واسطہ ہی سے لوگوں کو بخشیں۔ اس دروازے کے سوا انہیں کسی اور واسطہ اور
ذریعہ کو تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قرآن میں اس گھر کو جو مبارک (سرچشمہ خیر و برکت)
کہا گیا ہے اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔

اب آیتے دیکھئے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا اس سرزمین کے بسنے والوں کے لئے کن کن شکلوں میں پوری ہوئی۔

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف بیت اللہ کو بلکہ اس سرزمین کو بھی چہاں بیت اللہ واقع ہے محترم قرار دے دیا۔ اس میں اٹنا بھڑنا، کسی پر حملہ کرنا، کسی کو تشدد کرنا، سب ایک ظلم ممنوع ہو گیا، جو شخص بھی اس میں داخل ہو گیا وہ خدا کی امان میں داخل ہو گیا۔ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں رہا کہ اس سے کسی قسم کا تعرض کر سکے۔ اس کے حدود سے باہر خطو ہی خطو تھا لیکن اس کے اندر رب ابراہیمؑ نے امن ہی امن پیدا کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کے دائرہ میں کسی ہانڈ کو بھی کوئی اذیت پہنچانا حرام ٹھہرا۔ اپنے اسی احسان کا ذکر اللہ تعالیٰ

نے قریش کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ اَوْ كُنْتُمْ يَٰرُؤُفَا جَعَلْنَا حَوْمًا اِمْنًا
وَيَسْخَطُكَ النَّاسُ مِنْ حَوْلِ كَوْمٍ (۷۴- عنکبوت) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان
کے لئے ایک محفوظ حرم بنا دیا درآئیکہ ان کے گرد و پیش کا حال یہ ہے کہ لوگ دن دہائے
ایک لئے جلتے ہیں

دوسری یہ کہ اس گھر کے حج و زیارت کیلئے سال کے چار مہینے بھی محترم قرار دے دیئے گئے۔
ان مہینوں میں بڑا بھڑنا اور خوریزی و فساد بالکل ممنوع ہو گیا۔ وحشی سے وحشی لوگ بھی ان
کے احترام میں اپنی تلواریں میانوں میں کر لیتے تھے اور خطرناک سے خطرناک علاقے بھی بالکل
پر امن ہو جاتے تھے تاکہ لوگ ملک کے ہر گوشے اور کونے سے حج و عمرہ کے لئے آسکیں اور
پھر امن و سلامتی کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔

تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو بیرونی دشمنوں کے خطرات سے بھی بالکل مامون و محفوظ
بنایا۔ اس گھر کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ بیرونی دشمنوں کو اول تو اس پر حملہ آدہ ہونے کی
کبھی جرات ہی نہیں ہوئی و اگر کبھی کسی نے یہ جرات کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی قدرت
تاسروے نہایت عبرت ناک سزا بھی دی ہے۔ ابراہیم کی فوجوں کا جو حشر ہوا وہ تاریخ کی بھی ایک
مشہور حقیقت ہے اور اس کا ذکر قرآن کی سورہ فیل میں بھی ہوا ہے۔

اسی طرح اس گھر کی برکت نے اس سرزمین کے ساکنوں کے لئے ساشی فراغت کے
دروائے بھی کھول دیئے ماس کے بھی بعض پہلوؤں کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

ایک توجہ یہ کہ مرکز حج قرار پا جانے کی وجہ سے اس سرزمین کی طرف لوگوں کا رجوع
ہمت بڑھ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت جتنی ہی چلیتی گئی اسی حساب سے لوگ
گوشہ گوشہ سے حج و زیارت کے لئے آنے لگے۔ اور پھر اسی اعتبار سے، قدرتی طور پر تجارت
اور کاروبار کو فروغ ہوا۔ باہر سے ہر قسم کی چیزیں مکہ کے بازار میں پہنچنے لگیں اور یہاں سے جو چیزیں
باہر جاسکتی تھیں وہ باہر نکلتے گئیں۔ اس گھر کی تعمیر سے پہلے اس علاقہ میں عاش کا تمام تر انحصار
جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یا تو گھہرائی اور شکار پر تھا یا لٹ مار پر لیکن اب تہمت کی ماہ کھل جانے
کی وجہ سے ہر قسم کی اجناس اور فصل اور صنعت کی دوسری چیزوں کی فراوانی ہوئی جس سے لوگ

کشت میں ایک نہایت خوشگوار تبدیلی آگئی۔

دوسرا یہ کہ خانہ کعبہ کی تربیت کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو دُعا و احترام کا ایک ایسا مقام حاصل ہو گیا کہ تمام عرب پر ان کی سیاسی اور مذہبی دھاک بیٹھ گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے تجارتی قافلے شام اور یمن وغیرہ تک برابر جلتے اور کوئی ان سے مزاحمت کی جرات نہ کرتا۔ بلکہ تاریخوں سے یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ ان کے قافلے جن شاہراہوں سے گزرتے ان پر بسنے والے قبائل ان سے تعرض کرنے کے بجائے اپنے اپنے حدود کے اندر ان کی حفاظت اور رہنمائی کے لئے بدقتہ فراہم کرتے۔ سورہ لایلاف میں قرآن مجید نے قریش کے انہی تجارتی سفروں کا حوالہ دے کر ان سے مطالبہ کیا ہے مَلِیْعُمٌ وَاَدْبَ هَذَا الْکِبِیْتِ الذِّیْ اَطَعَهُمْ مِّنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ پس چاہیے کہ اس گھر کے رب کی وہ بندگی کریں جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور خطرہ سے بچت کیا۔ اس لئے کہ فی الواقع یہ اسی گھر کی برکت تھی کہ وہ ایک پُرخطر اور ٹھیل سیایان میں امن سے بھی بہرہ مند ہوتے اور ان کے لئے معاش کی راہیں بھی فراخ ہو گئیں۔

بحث کے یہ سارے پہلو تو بالکل واضح ہیں البتہ یہاں ایک بات ایسی ہے جو ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہنوں میں گٹھلے وہ یہ کہ اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لئے رزق کے لئے جو دعا کی ہے وہ مخصوص طور پر عیدوں کے رزق کی دعا ہے۔ اپنی اولاد کے لئے رزق و فضل کی دعا کرنا بالخصوص جب کہ وہ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں بسائی جا رہی ہو ایک بالکل فطری چیز ہے لیکن یہ بات سمجھیں نہیں آتی کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس رزق کے لئے چلوں کی شرط کیوں لگائی۔ ذوقِ توبہ کہتا ہے کہ انہیں رزق کی ایک جامع دعا مانگ کر یہ معاملہ اپنے رب پر چھوڑنا تھا کہ رزق وہ انہیں کس شکل میں دے، اپنی طرف سے کسی خاص ذہیت کے رزق کی تجویز پیش کرنا ایک پیغمبر کے لئے کچھ موزوں نظر نہیں آتا قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کی یا خود حضرت ابراہیمؑ کی دوسری دعائیں جو مذکور ہیں ان پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی تخصیص و تعین سے جو ایک تجویز کی سی شکل اختیار کرے ان میں بالعموم احتیاج

ہمارے نزدیک یہ کٹنگ محض اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ثمرات سے مراد صرف میوہ جات ہیں حالانکہ ثمرات کے معنی صرف میوہ جات کے نہیں آتے بلکہ میوہ جات کے ساتھ ساتھ اجناس اور غلہ جات بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ میوہ جات کے لئے مخصوص لفظ عربی میں خواہ کا ہے۔ ثمرات کا لفظ اس سے عام اور وسیع ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اسی ابراہیمی دعا کی برکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ثمرات کل شیء (ہر چیز کے پھل) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اَدَّكُم مِّنْ ثَمَرَاتِ كُلِّ شَيْءٍ مَّا رَزَقْنَاهُ لِيُحْبِبُوا إِلَيْهِ ثُمَّ كُنْتُ مِّنْ ثَمَرَاتِهِ (۷۵- قصص) کیا ہم نے ایک مومن حرم میں ان کے قدم نہیں جمائے جہاں ہر چیز کے پھل کھنے چلے آتے ہیں)

ہم اوپر یہ ذکر کر چکے ہیں کہ یہ سرزمین جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمعیلؑ کو بسایا ایک چٹیل اور غیر آباد جگہ تھی۔ تورات میں اس کے لئے بیابان کا لفظ استعمال ہوا ہے اور خود حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعا میں اس کو دادی غیر ذی ذرع (بن کھیتی کی دادی) سے تعبیر کیا ہے۔ تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیلؑ کی بسر وقات گلہ بانی اور شکار پر تھی جس کے سبب سے انکا زیادہ تر وقت باہر بسر ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب معاش کا انحصار گلہ بانی اور شکار پر ہو تو وہ پرسکون اور برقرار زندگی و جود میں نہیں آسکتی تھی جو بیت اللہ کی تولیت کے فرائض اور اس مشن کی تکمیل کے لئے ضروری تھی جو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمعیلؑ کے سپرد فرمایا تھا۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے ان کے لئے یہ دعا کی کہ ان کو بدویانہ زندگی کی بے اطمینانیوں اور پریشانیوں کی جگہ حضری زندگی کا سکون و اطمینان نصیب ہو تاکہ وہ توحید اور عبادت الہی کے اس عالم گیر مرکز کی پوری دھجی کے ساتھ خدمت کر سکیں جس کی خدمت پر وہ مامور کئے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا سورہ ابراہیمؑ میں بھی نقل ہوئی ہے وہاں کچھ الفاظ زیادہ ہیں جن سے وہ حقیقت بالکل واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

وَبَنَّا لَهُ إِسْحَاقَ وَنُوحًا وَنُوحًا
اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد میں سے جو کوئی چاہتا تھا

الْمُكْرَمُونَ يَتَّبِعُنَا بِقُلُوبِهِمْ وَأَقْرَبُوا إِلَيْنَا أَفْئِدَةً مِّنَ السَّكَانِ
فَاصْبِرْ إِلَىٰ هَٰذَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ هَارَوْا
مَعَ آلِهِم مِّنَ الْكُفَرِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الْكَافِرِينَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے ہمارے دیب میں
تو اس لئے بسایا ہے تاکہ یہ نماز قائم کریں
تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور
ان کو پھلوں کی روزی عطا فرمائے تاکہ یہ تیرا شک
ادا کرتے رہیں۔ (۳۷-۱ براہیم)

اس دعا کے الفاظ پر ابھی طرح غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل
اور ان کی اولاد کے لئے یہاں اپنے رب سے دو چیزوں کی درخواست کی ہے اور اس
درخواست کے حق میں دو چیزوں کو بطور سفارش پیش کیا ہے۔ درخواست تو یہ پیش کی ہے
کہ تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی دے اور اس کے حق
میں سفارش یہ پیش کی ہے کہ یہ سرزمین زراعت سے بالکل محروم سرزمین ہے لیکن میں نے
اپنی اولاد کو صرف اس لئے یہاں لا ڈالا ہے کہ یہ تیرے محترم گھر کی خدمت کریں اور تیری بندگی
کی دعوت کے لئے نماز قائم کریں۔ غور کیجئے کہ جب ثمرات کی روزی کے لئے وہ دجہ یہ پیش
کرتے ہیں کہ یہ بن بھستی کی زمین ہے تو ان کا مدعا ثمرات سے صرف بیوہ جات کو نہیں ہو سکتے
بلکہ یہی ہو سکتا ہے کہ یہ گلہ بانی اور شکار کی بددیانتہ زندگی کی بے اطمینانیوں سے چھوٹ کر
محض زندگی کے سکون سے بہرہ مند ہوں کہ تیرے گھر اور تیرے دین کی زیادہ سے زیادہ
خدمت کر سکیں۔ آیت کے آخر میں لعنہم بیشکون کے جو الفاظ آئے ہیں وہ بھی
نہایت معنی خیز ہیں یعنی میں ان کے لئے جو سکون کی زندگی عطا کر رہا ہوں وہ بھی
ہوں تو اس لئے نہیں کہ ان کے لئے سامان عیش کی فراوانی چاہتا ہوں بلکہ صرف اس لئے اس کا
طلب ہوں کہ وہ اپنے مشن کے لئے کمبختی نہ کرنا دے سے زیادہ تیری شکر گزاری کا حق ادا کر سکیں۔
مَنْ آمَنَ وَاتَّقَىٰ اللَّهَ وَاتَّبَعَ آيَاتِي ۖ أَوْفِّرْ لَهُ رِزْقًا ۚ
وَعَاظَمَانِي ۚ اس کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ اس کے حق دار صرف وہی لوگ ٹھہریں جو اللہ
اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہوں۔ یعنی یہاں یہ پیش بندی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
اس لئے فرمائی کہ اوپر امامت و خلافت کے معاملہ میں ان کو یہ صاف جواب مل گیا تھا کہ اس

عہد کا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہ ہوگا جو شرک و کفر میں مبتلا نہ جائیں گے۔ یہ بات سامنے تھی اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر قیاس کر کے یہاں اپنی دعائیں از خود یہ قید لگا دی کہ میں یہ درخواست صرف اہل ایمان کے لئے کر رہا ہوں۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مرتبہ تسلیم و رضا کا اندازہ ہوتا ہے جس پر وہ فائز تھے۔ اشارہ بھی اگر مل گیا ہے کہ ملاں سمت میں رب کی رضا ہے تو جھپٹ کو ادھر کو چل پڑے ہیں اگرچہ اس اشارہ کا مطلب بعد میں کچھ اور ہی واضح ہوا ہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے واضح فرمایا کہ امامت و خلافت اور عیشت دنیا کے معاملات کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ جو لوگ خدا کے نافرمان ہیں وہ خدا کی خلافت کے مندر وار توہم گز نہیں ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کی نافرمانی کے سبب سے خدا ان کی روزی بھی چھین لے۔ روزی اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور فرمانبرداروں دونوں کو اس حیاتیہ چیز روزی میں دیتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس زندگی میں جو لوگ اس کے رزق سے نافرمانی کرتے ہوئے متمتع ہوتے ہیں ان کو مرنے کے بعد وہ دوزخ میں جھونک دے گا۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے وہ بڑی وضاحت کے ساتھ آگے مختلف سورتوں میں بیان ہوگی اس وجہ سے یہاں ہم صرف اجمالی اشارہ پر کفایت کرتے ہیں۔

مولانا امین حسن اصلاحی کی معرکہ الآراء تصنیف

تزکیہ نفس

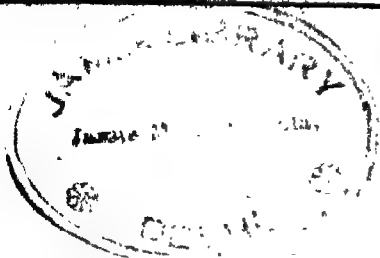
اسلامی تصوف یا

اسلام کا مطلوب تزکیہ علم و عمل سمجھنے کے لئے اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

قیمت : قسم اول — پھر روپے — قسم دوم — چار روپے پچاس پیسے

قسم سوم — تین روپے پچتر پیسے (موصول ڈاک علاوہ)

ملنے کا پتہ: مکتبہ مشاق رحمان پورہ - اچھرہ - لاہور۔ ۱۲



خط المحدث
مولانا محمد النجار حسن صاحب

(F)

مخالفِ قرآن روایات | مشتمل ہے جو قرآنی آیات سے متصادم ہیں۔

واضح رہے کہ یہ تصادم وقتِ رض صرف ظاہرِ نظر میں ہے، جو معمولی طور و تعامل سے رفع ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے اختلاف کو حقیقی تعارض نہیں قرار دیا جاسکتا۔
حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو
گواہ ٹھہرتے ہوئے (بغیر کسی استثناء کے)
ٹکلی اور عمومی طور پر یہ بات کہتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو قرآن کے
مخالف ہو یا عقل و مرجح سے ٹکراتی ہو بلکہ
آپ کے ارشادات قرآنی آیات کے بیان

نحن نقول قولاً كلياً نشهد
الله وملائكته ، ان نبي في
حديث رسول الله صلى الله
عليه وسلم ما يخالف القرآن
ولما يخالف العقل والصريح
بل كلامه بيان للقرآن
وتفسيره وتفصيل لما

اجملہ وکل حدیث من رد کا
میں عمہ انہ یخالف القرآن
خود مطابق للقرآن
وغایتہ ان یکون زائدا
علی ما فی القرآن و
هذا الذی امر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بقوله (الصواعق المرسلة ج ۲ ص ۲۲۱)
تفسیر میں اور قرآنی اجمال کی تفصیل و توضیح
ہیں۔ ہر وہ حدیث جس کو یہ خیال کرتے ہوئے
رد کیا گیا ہے کہ وہ قرآن کے مخالف ہے
رواقعی ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہے
انتہائی بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ اس قسم کی
روایات قرآن سے زائد مضمون پیش کرتی ہیں
(لیکن واضح رہے کہ) ایسی روایات کے قبول کرنے
کا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے

حدیث کی زیر بحث قسم کی وضاحت کے لئے چند نظائر و شواہد
امثال و نظائر پیش کئے جاتے ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فہم
حدیث کے لئے کس قسم کی دیدہ وری کی ضرورت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔

رَأَى الْمَيِّتَ لِبَعْدَابٍ يَبْكُو
أَهْلِيهِ عَلَيْهِ
بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے
رونے کی بنا پر مذاب دیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر شخص کے مرنے کے بعد اس پر ماتم کیا جائے، لوحہ اور سببہ کرنی
جیسے اعمال کا مظاہر ہو تو مردے کو اس کے رشتہ داروں کے ان اعمال کی بنا پر عذاب
کا مزہ چکھنا پڑتا ہے اس حدیث کا ظاہری مفہوم قرآن مجید کی آیت وَلَا تَزِدْكَ زُرَّةً
وَرْدًا خُورَى رکوتی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اسے متصادم ہے۔
امام بخاریؒ نے اس اشکال کو اس طرح رفع کیا ہے۔

اِذَا كَانَ النُّوحُ مِنْ سُنَّتِهِ
لَقَوْلِهِ تَعَالَى قُتِلَ قَتْلُكُمْ
وَأَهْلِيكُمْ كَمَا قَتَلْتُمْ
میت کو گھر والوں کے ماتم کی بنا پر عذاب
صورت میں ہوگا، جب کہ یہ لوحہ و ماتم خود اس
کا طریق کا ہوا ہو، کیونکہ قرآن میں ارشاد

النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 حکمہ راع و کلکم مسئول
 عن رعیتہ فاذا لم یکن
 من سنتہ فہو کما قالت عائشہ
 لا تذر ولذۃ و ذراخری، و
 ہو کقولہ وان تنزع مثقلۃ
 رذنوبا، الی حملہا لا یحمل
 منہ شیء

دمحیم بخاری معوی ج ۱ ص ۲۲۲

ہے، اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دربار
 کی آگ سے بچاؤ۔ اسی طرح ارشاد نبوی ہے
 تم میں سے ہر ایک راعی اور نگران ہے اور
 اس سہاس کی رعیت رماحتوں کے بارے
 میں باز پرس ہوگی، لیکن اگر اس کا یہ طرز عمل
 زندگی میں نہیں تھا تو اس شکل میں حضرت
 عائشہ کے قول کے مطابق آیت "لا تذر
 وازرۃ" اس پر چسپاں ہوگی یعنی اس سے کوئی
 باز پرس نہ ہوگی (اسی طرح) دوسری آیت میں

ہے کہ اگر کوئی گناہوں سے بوجھل شخص کسی دوسرے کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے
 کے لئے بلائے گا تو اس کا بوجھ اٹھایا نہ جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اسی قسم کا طرز عمل اختیار کرتا ہے
 یا اس قسم کے منکرات پر وہ نفرت و بیزاری کا اظہار نہیں کرتا یا مرتے وقت سینہ کو پی
 اور نوحہ خوانی کی وصیت کر جاتا ہے تو ان سب صورتوں میں مذکورہ بالا حدیث کے مطابق
 وہ عذاب کا سزاوار ہوگا۔

دورِ جاہلیت میں اس نوع کی وصیت کرنے کا عام رواج تھا جیسا کہ طرفہ بن العبد
 اپنی بختیجی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

فَاِنْ مِتَّ فَالْعَيْنِي بِمَا اَنَا اِهْلُهُ
 وَشَقِي عَلَى الْحَبِيبِ يَا ابْنَةَ مَعْبُدٍ

یعنی اگر میں مرجاؤں تو میری موت کی خبر ایسی مدح سرائی کے ساتھ نشر کرنا۔
 جس کا واقعی میں مستحق ہوں۔ اور اے بھائی معبد کی بیٹی! میرے مرنے پر اپنا
 گریہ نہ چاک کرنا۔

اس کے برعکس اگر مرنے والا اس قسم کے رسم و رواج سے مذکور ہے بلکہ کم

اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا رہا ہے تو خدا کے ہاں اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔
 جہور اہل علم نے یہی توجیہ اختیار کی ہے، یعنی مذکورہ بالا قرآنی ضابطہ کے مطابق
 زیر غور حدیث کا عموم اپنی جگہ قائم نہ رہا۔
 یہ ایسی متغولی توجیہ ہے جس کی بنا پر نہ قرآنی آیت کی تاویل کرنی پڑی اور نہ
 حدیث کو رد کرنے کی نوبت آئی۔

حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سہو و نسیان اور خطا و غم
 پر محمول کیا ہے فرماتی ہیں کہ اصل بات یہ تھی کہ

انما رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک بار
وسلم علی یہودیتہ بیکی علیہا	ایسی یہودیہ کی قبر کے پاس سے چھا جس
اہلہا فمال انہم	کے گھر والے اس پر قائم کر رہے تھے۔ آپ
لیسکون علیہا وانہما تعذب	نفرمایا۔ یہ لوگ اس پر قائم کر رہے ہیں یہ حالانکہ
فی قبرہا۔	وہ انہی قبر میں مبتلائے عذاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس یہودیہ کے رشتہ دار تو اس کی مدح و تعریف میں مشغول ہیں
 اور اس کے فراق میں نالہ و شہوت بپا کیا ہوا ہے حالانکہ وہ اپنی بد اعمالیوں کی بنا پر عذاب
 کی سختیاں جھیل رہی ہے۔ یہاں تو حدیثی اور میت کے غلاب پانے کے درمیان علت و
 معلول کا تعلق نہیں ہے بلکہ دونوں امور اپنی اپنی جگہ الگ الگ ہیں۔

صحیح مسلم کی روایت میں مزید یہ الفاظ ملتے ہیں

قالت عائشۃ لعنہ اللہ	حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابو
لابی عبد الرحمن اما انہ	عبدالرحمن و عبداللہ ابن عمرؓ کو معاف فرمائے
لعلیکذب و لکنہ ، نسى او	اصل بات یہ ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے
اخطاء۔	ہاں ان سے بھول چوک اور خطا ہو گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کے بعض الفاظ میں راوی کا وہم بتاتے ہوئے حدیث
 کا ایسا منظر بیان کیا ہے کہ جس کی بنا پر قرآن و حدیث کے درمیان تعارض کا کوئی احتمال ہی

بالی نہیں رہتا۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے متعدد صحابہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں (ملاحظہ ہو مسند السلام ج ۲ ص ۱۵۱) اس لئے وہم راوی قرار دینے کے بجائے جمہور اہل علم کی توجیہ زیادہ قرین صواب ہے۔

۱۱۔ ام قرطبہؓ نے تارض کو رنغ کرنے کے لئے ایک دوسرا نکتہ پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآنی آیت ”لا تزدوا زرة“ کا تعلق آخرت سے ہے یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ باقی رہی ناکورہ بالا حدیث تو اس کا تعلق برزخی حالات سے ہے جو ایک گونہ دنیاوی احوال کے شاہد ہیں۔ دنیاوی عذاب کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ ”وَالْقَوَاغِثَةُ لَا تُصِيبُكَ الْإِنِّ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً“ اور اس فتنہ سے بچو جس کا نشانہ صرف ظالم لوگ ہی نہیں ہیں گے، بلکہ اس کی پیٹ میں غیر ظالم بھی آجائیں گے۔

اگر غور کیا جائے تو نتیجے کے لحاظ سے جمہور اہل علم کی توجیہ اور اس نکتہ میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس مثال سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ محدثین کرام نے قرآن و حدیث کے باہمی تعلق کو کیسے حکیمانہ اسلوب سے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جزاھما للہ عنا خیر الجزاء۔

اس صورت حال کی وضاحت کے لئے قرآن کی مندرجہ ذیل دو آیتیں پیش کی جا

سکتی ہیں۔

۱۔ مشرکین کے بارے میں سورہ نسا آیت ۴۳ میں فرمایا گیا ہے۔ ”وَلَا يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ حَدِيثًا“ یعنی مشرکین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپانہ سکیں گے دوسری جگہ ارشاد ہے کہ مشرکین کہیں گے ”وَاللّٰهُ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ“ (سورہ انعام۔ ۲۳) یعنی قسم ہے ہمارے رب کی ہم مشرک نہ تھے۔

(نظام۔ ذہن آفرین و متعارف سے لیکن حضرت ابن عباسؓ نے اس کی توجیہ یہ کر

ہے کہ مشرکین قیامت کے ابتدائی مرحلے میں تو اپنے شرک کا انکار ہی کریں گے لیکن جب منہ پر ہر لگ جائے گی اور اعضاء گواہی دیں گے تو پھر مشرکین کوئی بات اپنے رب سے مخفی نہ رکھ سکیں گے۔

جس طرح ان دونوں آیات کو مختلف حالات پر معمول کیا گیا ہے اسی طرح زیر بحث آیت اور حدیث کے دو محمل الگ الگ ملنے جاسکتے ہیں۔

۲۔ قرآن سے متعارف ہونے کی دوسری نمایاں مثال صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ کذب ابراہیم علیہ السلام ثلث کذبات۔ یعنی حضرت ابراہیم نے تین مواقع پر کذب بیانی سے کام لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث قرآنی آیت، وَادْكُزِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا سے متصادم ہے کیونکہ قرآن تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انتہائی راست باز نبی قرار دیتا ہے لیکن حدیث سے ان کے تین جھوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ روایت ناقابل قبول ہے۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ اگر کچھ غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ تعارض و اختلاف رفع ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں۔

کلام و گفتگو کی دو نسبتیں یا حیثیتیں ہوتی ہیں
(۱) متکلم کے قصد و ارادے کے لحاظ سے
(۲) سامع کے اعتبار سے، یعنی متکلم سامع کے ذہن میں کیا بات انا رنا چاہتا ہے ان دو نسبتوں کے لحاظ سے کلام کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) متکلم اصل واقعہ کے مطابق خبر دے اور اس کی نیت بھی یہی ہو کہ صحیح صورت نقل سے مخاطب آگاہ ہو جائے۔

الکلام له نسبتان، نسبة الى المتكلم وقصده واداته ونسبة الى السامع وافهام المتكلم اياه مضمونه فاذا اخبر المتكلم بخبره مطابقا للواقع وقصد افهام المخاطب اياه، صادق بالنسبتين فان المتكلم ان قصد السامع وقصد افهام المخاطب فهو

صدق من المجتہدین وان قصد
خلاف الواقع وقصد مع ذلك
افهام الخاطب خلاف ما ما قصد
بطل معنی ثالثا لا هو الواقع
ولا هو المراد فهو كذب
من المجتہدین، بالنسبتین معاً
وان قصد معنی مطابقاً صحیحاً و
قصد مع ذلك التعمية على الخاطب
وافهامه خلاف ما مقصده
فهو صدق، بالنسبة الى مقصده،
كذب بالنسبة الى افهامه
ومن هذا الباب التورية
والمعارض، وبهذا اتفق
عليها ابراهيم الخليل
صلى الله عليه وسلم، اسم الكذب
مع انه الصادق في خبره
ولم يخبر الا صدقاً قاطعاً
هذا الموضع الذي اشكل
على الناس وقد ظهر بهذا
ان الكذب لا يكون قسماً
الاقبيحاً، وان الذي
يحسن ويجب انما هو التورية
وهي صدق.

یہ صورت مذکورہ بالا دونوں نسبتوں کے اعتبار
سے صدق پر مشتمل ہوگی۔

(۱۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خلاف واقعہ خبر
دی جائے اور جو تکلم کا مقصود ہے وہ بھی
مخاطب پر ظاہر نہ ہونے دیا جائے بلکہ کوئی تیسرا
مفہوم مخاطب کے ذہن میں اتارنے کی کوشش
کی جائے جو نہ واقع کے مطابق ہو اور نہ متکلم کا
مطلوع نظر ہو، اس صورت کو دونوں نسبتوں کے
محاط سے کذب (جھوٹ) مانا جائے گا۔

(۱۳) تیسری شکل یہ ہے کہ متکلم کے پیش نظر
واقع کے مطابق صحیح خبر دینا ہی مقصود ہوتا ہے
لیکن گفتگو کا اسلوب ایسا اختیار کرتا ہے
کہ مخاطب کا ذہن متکلم کے اصل مقصد
کو سمجھنے کے بجائے ایسے امر کی طرف
منتقل ہو جائے جو متکلم کا منشا نہیں
ہے۔

یہ صورت اصل واقعہ کے لحاظ سے
صدق ہے، لیکن مخاطب کے فہم کے اعتبار
سے اس پر کذب کا اطلاق ہو سکتا ہے
اس قسم کے اسلوب کلام کو توریہ اور تعریض
کہا جاتا ہے۔

اسی پہلو کے پیش نظر حضرت ابراہیم نے
اس پر کذب کا اطلاق کیا ہے جو نہ اصل واقعہ

قد یطوق علیہ الکذاب
بالنسبة الی الافہام لالی
العناصیر مفتاح دار السعادة
ومشور العلم والافادة
(ج ۲ ص ۳۹)

کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت ابراہیمؑ
اس گفتگو میں سچے ہیں۔
حدیث کی اس تشریح و توضیح پر انتہائی غور و فکر
کی ضرورت ہے یہ تمام بہت سے لوگوں کے
ذہنی الجھن کا باعث بن گیا ہے۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ
کذب ہر حال قبیح ہوگا، ہاں کوئی امر اگر (بوقت ضرورت) پسندیدہ یا لازم ہو سکتا
ہے تو وہ "تدبیر" و تعریض ہو سکتا ہے (نہ کہ حقیقی کذب) یہ تو یہ اصل واقعہ
کے لحاظ سے صدق پر مشتمل ہوتا ہے، ہاں اس پر کذب کا اطلاق اس
اعتبار سے کر دیا جاتا ہے کہ واقعہ کے مطابق اصل مقصد و مخاطب کو باور کرانا
مطلوب نہیں ہوتا۔

سردست ان دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی صحیح السند
مذہب قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اگر کہیں قرآنی آیت اور حدیث کے درمیان بظاہر
عارض محسوس بھی ہوتا ہے تو معمولی غور و فکر سے اس کو رفع کیا جاسکتا ہے۔ بالکل اسی طرح
یسے قرآنی آیات کے باہمی تعارض و اختلاف کو باسانی دور کیا جاسکتا ہے۔ حدیث کو
دیکھنے کا ایک معیار عقل بھی شمار کی جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کس کی عقل؟ اگر
قل سے مراد وہ عقل ہے جو روسی اشتراکیت، فرنگی تہذیب یا امریکی ثقافت سے
عوب ہو تو حدیث کی کیا بساط ہے خود قرآن بھی اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتا اور اگر
قل سے مراد عقل سلیم ہے جو طلبِ نیب کی نگرانی میں ہو تو اس شکل میں آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت شدہ کوئی حدیث بھی خلافِ عقل نہیں پیش کی جاسکتی۔

اسلام اور انسانی حقوق

(۲)

اسلام جس طرح ہر شخص کی جان، مال اور عزت و آبرو کو قابل احترام قرار دیتا ہے اسی طرح وہ ہر شخص کو آزادی اور اختیار کی نعمت سے بھی نوازا رہا ہے۔ چنانچہ فکر و خیال، عقیدہ و مسلک، قول و عمل اور رائے و اجتہاد میں ہر شخص آزاد ہے۔ اسی طرح مال و دولت اور اسباب و جہاز میں ہر فرد کو اسکا حق حصول حاصل ہے۔ ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنے مال و جہاز میں جس طرح کا تصرف چاہے کرے۔ اس سلسلہ میں اولاً تو اسلام کوئی پابندی یا بندہ نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو اس کی ٹھیک وہی نوعیت ہوتی ہے جیسے کوئی شخص اور ماضی طبیب مریض کو مضر اشیاء کے استعمال سے یا کوئی شفیق اور مہربان باپ اپنے بچے کو آگ میں ہاتھ ڈالنے یا بری ملازموں اور غلط حرکتوں سے باز رکھتا ہے۔ اس لئے اگر اسلام میں کچھ پابندیاں نظر آتی ہیں تو اولاً تو وہ نامناسب نہیں ہیں دوسرے ان کا مقصد نہ تو کسی کی آزادی و اختیار میں رکاوٹ ڈالنا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے اس کی ملکیت سے دستبردار کرنا۔ ذیل میں ان مراعات اور حقوق کی تفصیل بیان کی جاتی ہے جو اسلام نے ہر فرد کو عطا کئے ہیں۔

اسلام عقل و فطرت کا دین ہے، اس کی بنیاد جہالت کے بجائے علم و بصیرت پر ہے اور یہ اس کا بڑا احسان اور اہم خصوصیت ہے کہ وہ ہر شخص کو سوچنے سمجھنے کی پوری آزادی دیتا ہے۔ خدا نے ہر شخص کو آنکھیں اس لئے دی ہیں

آزادی فکر

مکتوں اور مصلحتوں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور
 ان کے شاگرد حافظ ابن قیم رحمہما اللہ نے اپنی تصنیفات میں یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت
 ردین کا کوئی حکم بھی خلاف عقل و قیاس نہیں اور جن مسائل کو خلافت قیاس سمجھا اور بتایا جاتا
 ہے ان کی دودھیں میں یا تو قیاس ہی خاسد ہوتا ہے یا وہ حکم نص و صریح سے ثابت نہیں ہوتا
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شریعت کے جراثیمات تک کے
 غلط فہم لکھا ہے کہ وہ خالی از حکمت و مصلحت نہیں ساسی لئے شروع ہی سے صحابہ کرامؓ میں
 بنی ایک گروہ ایسا رہا ہے جو ہر معاملہ کو عقل کی کسوٹی پر پکھتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 سے احکام شریعت کے اسباب و مصالح معلوم کرتا تھا اور ان میں بحث و تفتیش کا عادی تھا،
 درجہ باتیں خلاف عقل معلوم ہوتی تھیں مان کو ماننے میں اسے تامل ہوتا تھا۔ جن علماء
 ملت کو اس معاملہ میں محتاط سمجھا جاتا ہے اور وہ جو مسائل کی بحث و تفتیش میں نہیں پڑتے
 تو ان کا بھی یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ دین کو عقل و فطرت کے مطابق نہیں سمجھتے بلکہ وہ انسانی عقل کو
 اس قدر محدود اور ناقص بتاتے ہیں کہ حکمت ربانی کا فہم و ادراک اس کے بس سے باہر سمجھے ہیں
 ان کی یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے کیونکہ آج کل کی بعض جدت پسند لمبیعتیں جو صحیح فکر و دانش
 سے نا آشنا ہوتی ہیں، ہر معاملہ کے متعلق فوراً ہی خلاف عقل ہونے کا فتویٰ صادر کر دیتی ہیں۔
 حالانکہ وہ دراصل خلاف عقل نہیں ہوتے بلکہ یہ ان حضرات کی ظاہر بینی اور فتنہ ر عقل ہے
 جو انہیں ہر بات کو خلاف عقل کہنے پر مجبور کرتی ہے۔

یہ ایک ضمنی بحث تھی، اصل گفتگو یہ تھی کہ اسلام انسان
 قرآن اور دعوت فکر و نظر کو سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی پوری آزادی
 دیتا ہے۔ قرآن مجید کو کثرت بھی دعوت فکر و نظر سے خالی نہیں، وہ بار بار انسانی ذہن و
 دماغ کو غور و خوض کی تلقین کرتا ہے، قیاس و استنباط سے مسلمات اور نتائج اخذ کرنے
 کی تعلیم دیتا ہے۔ توحید، رسالت اور جزاء و منرا جیسے مسلمات اور حقائق بھی برہنہ بصیرت تسلیم
 کرانا چاہتا ہے، آسمان و زمین اور ان کے مابین کی چیزوں کی تخلیق خدا کی قدرت و حکمت
 کے عہد ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷

کہتا ہے تاکہ اس کی عقل و بصیرت اسے اصل حقیقت اور صحیح نتیجہ تک پہنچا دے اس طرح کی آیات بے شمار ہیں جن میں ان ان کو اس نوعیت سے غور و فکر کرنے اور عقل و دانائی سے کام لیتے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي الْقَاسِرِ ۚ أَمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مَاءُ خَلَقَ
اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالْأَنْبِيَاءَ ۚ وَآجِلٌ مُّسْتَمَرٌّ
وَأَنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ
لَكَافِرُونَ (روم ۸)

کیا یہ لوگ اپنے تئیں سوچتے نہیں کہ اللہ نے
آسمانوں اور زمین کو مقصد کے ساتھ اور ایک
مقرر مدت تک کے لئے پیدا کیا ہے لیکن
اکثر لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار کرتے
ہیں۔

فَلْيَنْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ (یونس ۱۰۱)

ایک اور جگہ فرمایا۔
کہہ دو کہ ذرا دیکھو تو جو کچھ آسمانوں اور زمین
میں ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ (اعراف ۱۸۲)

دوسری جگہ آسمان و زمین کی مکرانی اور نظام پر غور کرنے کے لئے کہا گیا۔
کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کی بادشاہی میں
غور نہیں کرتے۔

فَلْيَنْظُرُوا إِلَىٰ نَاسٍ مِّنْ خَلْقِ خُلُقٍ مِّنْ
مَّا يَخْلُقُ (طہ ۱۵۱)

انسان کی جس حقیر نطفہ سے پیدائش ہوئی ہے اس پر غور کرنے کے لئے کہا گیا ہے،
تاکہ وہ قیامت اور بعثت بعد الموت کا انکار نہ کر سکے۔

فَلْيَنْظُرُوا إِلَىٰ نَاسٍ مِّنْ خَلْقِ خُلُقٍ مِّنْ
مَّا يَخْلُقُ (طہ ۱۵۱)

انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ کس چیز سے وہ
پیدا کیا گیا ہے۔ ایک لکھنے والے پانی سے۔

وَرَفِی الْأَرْضِ أَنْبَاءُ بِمُتَوَسِّعِينَ
وَرَفِی الْأَرْضِ أَنْبَاءُ بِمُتَوَسِّعِينَ

جو نظر و بصیرت سے کام نہ لیں ان کی اہمیت بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کو ملامت کی جاتی ہے
زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے
لئے اور خود تمہارے اندر بھی کیا تمہیں سمجھائی
نہیں دیتا؟

قرآن مجید اپنی آیات میں خود خدا کی تعین کرتا ہے اور جو لوگ خود خدا نہیں کہتے انہیں
محنت الفاظ میں تنبیہ کرتا ہے۔

کلیاتِ برجاتِ انقذاتِ امر علی تلویح
 کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے
 دلوں پر عقل کے پرے ہیں۔

قرآن مجید میں تھے اور خالیں بھی اس لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ لوگ غور و فکر سے کام لے کر درست حقائق تک پہنچ جائیں اور عبرت و تذکرہ حاصل کریں۔

یہ مثالیں ہم لوگوں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔

سورۃ اعراف میں ہے۔

فَأَقْصَى الْقَصَصِ نَعْلَهُ تَيْفَكُونِ (رامت ۱۵۰) واقعات بیان کرد تا کہ لوگ فکر سے کام لیں۔

افواہ و مل کی حکایت اور احم مخدبہ کی داستانِ بلاکت و بربادی کے ذکر کا مقصد بھی تنبیہ، تذکرہ اعدائے لوگوں کو آواوہ غور و فکر کرنا ہے۔

تَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَأَخُوَيْهِ
آيَاتٌ لِّلشَّاقِثِينَ (يوسف)

یوسف و اس کے بھائی (کی حکایت) میں پونہ
دلوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

سورۃ یوسف کے آخر میں پوری حکایت کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

ان کے قصوں میں غفلت مندوں کے لئے
عبرت کا سامان ہے۔

اسی طرح متعدد واقعات اور تقووں کے ذکر کے بعد اس طرح آیتیں بیان کی ہیں۔

اِسی طرح متعدد واقعات اور قصوں کے ذریعے جلد میں یہ بیان کیا گیا ہے
 ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾ (حجہ ۵۱)
 بلاشبہ اس میں تاثر جانے والا ہے کہ نئے نشانیاں
 کہیں فرمایا:-

پس فرمادے۔
 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّمَنْ كُوْنُ يَدْرُسُ
 كَلَامَ كِتٰبِ الْاِنْشٰقِ السَّمِيعِ وَ

بلاشبہ اس میں اس کے لئے یاد دہانی اور نصیحت
 ہے جس کے پس قلب ہو اور وہ کان بگاڑ

موسم بہار (ق ۳۷) .

غرضیکہ اس طرح کی آیات جن میں انسان کو فکر و نظر اور غور و استدلال کی دعوت دی گئی ہے اور فقر و بصیرت سے کام لینے والوں کو ہدایت کی گئی ہے اس کثرت سے میں کہان کا استقصار دشوار ہے۔ بے شمار آیات کی ابتداء اَوَّلَمَ يَنْظُرُوا، اَوَّلَمَ يَتَفَكَّرُوا، اَوَّلَمَ يَسْأَلُوا اور اختتام ان فی ذلک لعبادۃ، لتذکرہ، لتذکری، لتذکروا، لا یتہ، لا یات یا لقوم یتفکرون، یوقنون، یعلمون، افلا تعقلون، افلا تنظرون وغیرہ الفاظ و کلمات پر ہوتا ہے جس کا مثلاً انسان کو سوچنے سمجھنے اور غور و فکر پر آمادہ کرنا ہوتا ہے۔ اور غور و فکر، نظر و تدبیر کی تلقین، حکمت و دانائی اور ہوش و حواس سے کام لینے کی ترغیب سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو انسانی ذہن و فکر کی آزادی کا کس قدر خیال ہے۔

(باقی)

(بقیہ از صفحہ ۴۱)

مکرم درویش کا پورا پورا لحاظ ہے، اس میں تدبیر اور تربیت کا اہتمام ہے۔ یہ انکشاف ان لوگوں کے لئے بڑی قیمتی دولت ہے جو شریعت کے اسرار و رموز پر غور کرتے ہیں اور اس کے اصل فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی انکشاف سے ان کے لئے حکمت کی راہیں کھلتی ہیں اور معرفت کی راہ میں ان کے قدم مضبوط ہوتے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی

تفسیر تدبر قرآن

(تفسیر آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ)

جس کے مطالعہ سے

• قرآن مجید میں غور و فکر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ کی حقیقت و اہمیت واضح ہوتی ہے اور قرآن مجید کی راہیں کھلتی ہیں۔ قیمت: ۱۰ روپے (مطالعہ معارف اسلام)

• مکتبہ میثاق رحمان پورہ۔ ایچ۔ ۱۔ لاہور۔ ۱۲

نسخ سے متعلق دو سوال

میشاق کے گزشتہ شمارے میں تفسیر سورہ بقرہ کے تحت نسخ کی جو بحث شائع ہوئی ہے اس کو پڑھ کر ایک تاری کے ذہن میں دو سوال پیدا ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مختلف ادیان یا شرائع کے ذریعہ انسانی ذہن کی تربیت کی جاتی رہی ہے اور انبیائے کرام خوب سے خوب تر دین پیش کرتے چلے آئے ہیں تو آخر یہ سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر کیوں ختم ہو گیا ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اس کے بعد بھی بدستور ترقی کے مدارج طے کرتا چلا جاتا ہے۔ آخر یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انسانی ذہن جس نیار تک پہنچ گیا ہے اس کے بعد وہ اس سے اوپر نہیں سوچ سکتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ منسوخ آیات کو باقی رکھنے میں کیا حکمت ہے جب کہ وقتی یا ہنگامی قسم کے احکام وحی خفی کے ذریعے سے دیئے جاسکتے تھے اور غیر متبدل احکام قرآن مجید میں رکھے جاسکتے تھے۔

امید ہے ان دونوں سوالوں کے مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔

جواب: آپ کے پہلے سوال کا جواب میں نے اپنی کتاب "اسلامی قانون کی بنیادیں" میں دیا ہے اس کی تمام سلیس میثاق کی پچھلی اشاعتوں میں نکل چکی ہیں۔ اگر آپ اس میں سے اسلامی قانون کے ارتقا کی تفصیل پڑھ لیتے تو مجھے توقع ہے کہ آپ کا شبہ صاف ہو جاتا۔ ایک لکھی ہوئی چیز کو دوبارہ کتبہ اگر طبیعت پر گراں سا گز رہا ہے لیکن آپ کی الجھن بعد کرنے کے لئے مختصر آچر

عرض کرتا ہوں۔ اس مسئلے سے متعلق دو باتیں نگاہ میں رکھئے۔

ایک یہ کہ اس دنیا میں ہر چیز کی ترقی کی ایک خاص حد ہے جس پر پہنچ کر وہ اپنے
 ممالک کو پہنچ جاتی ہے۔ یہاں کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو ترقی و عروج کی غیر محدود صلاحیتیں
 لے کر آئی ہو۔ شجر و جگر سے لے کر انسان تک ایسا اور پہاڑ سے لے کر ہر وہاں تک جتنی بھی
 مخلوقات میں سب محدود اور پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر فانی ہیں۔ غیر محدود اور ابدی
 ازلی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ افراد بحیثیت افراد کے، قومیں بحیثیت اقوام کے اور یہ
 کائنات بحیثیت مجموعی سب ایک ہی قانون کے تابع ہیں۔ سب کے عروج و کمال کی ایک خاص
 حد ہے اور پھر بالآخر سب کے لئے زوال اور فنا ہے۔ اگر ہم انسان کی ترقی کو غیر محدود مان لیں
 تو اس کے معنی تو یہ ہوتے کہ ہم نے اس کو خدا مان لیا اور اگر ہم اس دنیا کی ترقی کو غیر محدود مان
 لیں تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ہم دنیا کو ازلی و ابدی قرار دیتے ہیں۔ غلط ہے کہ یہ عقیدہ ایسا
 باللہ کے بھی منافی ہے اور ایمان بالآخرت کے بھی۔ اس وجہ سے یہ خیال تو کسی طرح بھی صحیح
 نہیں ہو سکتا کہ انسان اس دینے فانی میں غیر محدود صلاحیتوں کا مالک ہے جس طرح افراد کو
 پ دیکھتے ہیں کہ بچپن کے وہ کے بعد ان پر ایک دور بلوغ اور سن رشد کا آتا ہے جس میں وہ اپنی
 قابل ہو جاتے ہیں کہ اپنے حقوق و فرائض پہچان سکیں اور اس حیات دنیوی سے متعلق اپنی ذمہ داریاں
 سمجھ سکیں اسی طرح انسان پر بحیثیت مجموعی بھی بلوغ اور سن رشد کا ایک دور آیا جب وہ اس
 نوعیت کا حامل ہو سکا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں اور رہتی دنیا تک اس کی رہنمائی کے
 لئے کفایت کرنے والی ہے۔ ہمارے نزدیک انسانیت کے سن رشد کا یہی دور ہے جس میں
 اسلامی شریعت نازل ہوئی چنانچہ اس کے نزول کے بعد دین کی تکمیل کا بھی اعلان کر دیا گیا
 ورنہ نبوت کے خاتمہ کا بھی۔ اب اگر کوئی شخص ہمارے اس عقیدہ سے اتفاق نہیں کرتا
 بلکہ وہ یہ دعوے کرتا ہے کہ انسان کے عروج و ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہے گا اس کے
 لئے کوئی حد نہایت نہیں، ہم جس دور کو انسانیت کا سن رشد قرار دیتے ہیں وہ اس کو بھی دور
 نوعیت قرار دیتا ہے تو اس کے اور ہمارے عقائد میں بنیادی اختلاف ہے وہ درحقیقت
 انسان اور کائنات کو غیر فانی مانتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو وہ خود انسان کو خدا مانتا ہے۔ میرے

نزدیک یہ چیز مانتا کہ فرد شرک ہے۔ اگر ہم اس نظریہ کو تسلیم کریں تو ہمیں اس تصور سے غور و تامل کرنا پڑے گا جس کا ثبات اداس کے اندر بسنے والے انسان سے متعلق قرآن نے ہمیں دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت الہی کی تکمیل ہو گئی تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے بعد اب شریعت کی ترقی رک گئی، اب نہ انسان کو نئی نئی بات سوچے گا اور کبھی معاملہ میں شریعت کی رہنمائی کا محتاج ہوگا بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ انسانیت کی رہنمائی کے لئے اس دنیا میں جو اصول ضروری تھے وہ اصول اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے انسان کو دیدیئے یہ اصول اس بات کے لئے کافی ہیں کہ رہتی دنیا تک انسان تمام پیش آنے والے معاملات میں ان کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کے لئے ایک کسوٹی کے طور پر استعمال کر سکے۔ اصولوں کے متعلق یہ بات آپ جانتے ہوں گے کہ جزئیات کی طرح وہ معین حالات ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے بلکہ ایک اصول سے ہزاروں لاکھوں جزئیات پیدا ہو سکتی ہیں۔ اصول و کلیات سے جزئیات متنبط کرنے کے کام کو اسلامی شریعت میں اجتہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس اجتہاد کا کام یہ ہے کہ زندگی میں جتنے مسائل بھی پیدا ہوں ان سب کو اسلامی شریعت کے اصولوں اور اس کے مزاج پر پرکھ کر یہ حکم نکلے کہ ان میں سے کون سی بات اسلام کے مزاج سے موافق ہے اور کون سی ناموافق۔ ہمارے ہاں فقہ کا سارا ذخیرہ اسی اجتہاد کی بدولت ظہور میں آیا ہے اور یہ سارا ذخیرہ انہی مسائل سے متعلق ہے جو انسان نے نئے سوچے اور پیدا کئے ہیں۔ اسی طرح آئندہ بھی جو مسائل پیدا ہوں گے ان کے حل کے لئے یہ اجتہاد و کفایت کہے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان اس اصول سے کام نہ لیں یا غلط کام لیں۔ ان دونوں باتوں میں سے کسی بات کی بھی ذمہ داری اسلام پر نہیں عائد ہوتی بلکہ خود مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔

۲۔ آپ کے دوسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ منسوخ احکام کے قرآن مجید پر باقی رکھنے میں بہت سی مصعنین میں جن میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید کی مصعنینت کے نقطہ نظر سے ان کا قرآن مجید میں باقی رکھا جا

ضروری تھا۔ اگر یہ نکال دیتے جلتے تو ہر حال ان کے نکلنے کی رعایت لوگوں میں باقی رہتی کہ غلط احکام قرآن میں تھے جو منسوخ ہو جانے کے سبب نکال دیے گئے۔ یہ رعایات معلوم نہیں کن کن شکلوں میں انھوں سے پھیلنے کی طرف منتقل ہوئیں اور پھر معلوم نہیں مخالفین اسلام ان کو قرآن کی محفوظیت کو مشتبہ ثابت کرنے کے لئے کس کس طرح استعمال کرتے۔ ان کے باقی رکھے جانے کی وجہ سے یہ کہنے کا کسی کے لئے موقع باقی نہیں رہا کہ قرآن کا کوئی ایک نقطہ یا شوشہ بھی کم و بیش ہڑا ہے بلکہ ہم بڑے امتداد کے ساتھ دعوے کرنے کے پندیشن میں ہیں کہ قرآن کی وہ آیات بھی قرآن میں بعینہ محفوظ ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں۔

دوسری مصلحت اس میں یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے ہیں ان میں سے سب پر کے پورے منسوخ نہیں ہو گئے ہیں بلکہ بیشتر ایسے ہیں جن میں نسخ کی نوعیت صرف ترمیم کی ہے۔ مثلاً وصیت کا حکم آیات میراث کے ذریعہ سے وارثوں کے لئے تو منسوخ ہو گیا لیکن غیر وارثوں کے لئے اس کی اجازت ثمت مال کے حد تک باقی رہی۔ اسی طرح روزے کے معاملہ میں اصل حکم تو باقی رہا لیکن بعض رعایات منسوخ ہو گئیں۔ علی ہذا القیاس بعض احکام کا وجوب تو منسوخ ہو گیا لیکن ایک نقلی نیکی کی حیثیت سے اب بھی وہ قائم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے احکام کا باقی رکھا جانا ضروری تھا۔ اگر نسخ اور منسوخ دونوں باقی نہ رکھے جاتے تو اصل اور ترمیم میں امتیاز کس طرح ہوتا۔

تیسری یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی اس رافت و رحمت کا ہمیں علم ہوتا ہے جو اس نے اس شریعت کے دینے میں ہمارے لئے ملحوظ رکھی ہے۔ بالخصوص وہ احکام جو امت پر مخصوص حالات میں واجب ہوئے لیکن پھر ہمارے ضعف پر نگاہ کر کے ان میں تخفیف کر دی گئی اس رافت و رحمت کا خاص مظہر ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری شریعت اس قسم کے اصرار و اغلال سے بالکل پاک ہے جس قسم کے اصرار و اغلال یہود کی شریعت میں موجود ہیں۔

چوتھی مصلحت اس میں یہ ہے کہ ان منسوخات سے اسلامی شریعت کا اصل مزاج نمایاں ہوتا ہے کہ اس کی ہر بات میں حکمت و مصلحت ہے، اس میں بندوں کی ضروریات اور ان کی

حقیقت شناس ذہن کی منزل

یہ مضمون البعث الاسلامی لکھنؤ کے ایک عالیہ شمارہ میں سے ترجمہ کیا گیا ہے۔
حاتم اہم حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ استاد نے شاگرد
سے پوچھا "تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے کتنی مدت ہو گئی ہے؟" حاتم نے جواب دیا "تیس
برس ہوئے ہیں۔" انھوں نے پھر سوال کیا "اس مدت میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا ہے؟"
کہنے لگے "آٹھ مسائل سیکھ لئے ہیں۔ شفیقؒ نے غصے میں کہا۔ "اَنَا لِلّٰہِ دَانَا لِیہ راجعون
تمہارے ساتھ میری ساری عمر کھپ گئی اور تم ہو کہ ابھی تک آٹھ ہی مسائل سیکھ سکے ہو۔"
حاتم نے جواب دیا۔

"میرے استاد مجھے جھوٹ بولنا پسند نہیں۔ میں واقعی ٹھیک بتا رہا ہوں کہ میں نے
ان آٹھ مسائل کے سوا کچھ نہیں سیکھا۔" اچھا بتاؤ یہ آٹھ مسائل کون سے ہیں، میں بھی تو سنوں"
استاد نے سوال کیا۔

حاتم کہتے لگے "میں نے مخلوق کو دیکھا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہاں ایک آدمی دوسرے
آدمی سے محبت رکھتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ محب اور محبوب دونوں قبر میں جا پہنچتے ہیں
قبر میں جانا ان کے فراق کا موجب ہوتا ہے لہذا میں نے نیکیوں کو اپنا محبوب بنایا۔ اس لئے
جب میں قبر میں جاؤں گا میرا محبوب بھی میرے ہمراہ ہوگا۔"

حاتم! تم نے سچ کہا۔ اچھا دوسرا مسئلہ بتاؤ، شفیقؒ نے کہا۔

حاتم نے جواب دیا "میں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان دَامَتْ مَوْتَ خَافَتْ مَقَامَہ

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنَّ الْجَنَّةَ كَرِيهًا لِّمَنِ هُوَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ
پروردگار کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے خواہشات سے اپنے نفس کو روکا تو جنت
اس کا ٹھکانا ہوگی ہر پر غور کیا تو اسے برحق سمجھا۔ چنانچہ میں نے اپنے نفس کے ساتھ اس قدر
جہاد کیا کہ بالآخر اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے جھکا لیا۔

”تم نے سچ کہا۔ اچھا تیسرا مسئلہ بیان کرو۔ شقیق نے کہا۔

حاتم نے جواب دیا میں نے مخلوقات پر غور کیا تو دیکھا کہ جس کے قبضے میں کوئی چیز ہے
اس کی نظر میں اس چیز کو قیمت بھی ہے اور اس کی قدر و منزلت اور حفاظت کا بھی ایک
خاص تمام ہے پھر میں نے کلامِ الہی پر غور کیا کہ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ
باقی دجہ کچھ تباہ ہے پاس ہے۔ وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے
والا ہے، اس کے بعد جب بھی کوئی چیز قدر و قیمت والی میرے سامنے آئی میں نے اسے
اللہ ہی کی طرف لوٹا دیا تاکہ وہ خدا کے ہاں باقی رہے۔“

”تم نے ٹھیک کہا۔ اچھا چوتھا مسئلہ کیا ہے۔ شقیق نے پوچھا۔

حاتم نے کہا میں نے مخلوق کے بارے میں سوچا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام لوگ حسب
نسب اور شرف و ملل پر لپکتے ہیں حالانکہ اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ پھر جب میں اس حکم
فَدَاؤُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ يَكْفُرُونَ اِنَّ اَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اَتَقْتُمْ اَنْ تَدْبَرُوا الشَّيْءَ الَّذِي تَعْمَلُونَ
یہ سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اگر میں نے تقویٰ کو
اختیار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت پاؤں۔“

”تمہاری بات درست ہے۔ پانچواں مسئلہ بیان کرو۔ شقیق نے کہا۔

”میں نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کو مطعون کرتے اور ملعون قرار دیتے ہیں۔ اس کی
نیادی وجہ ان کے باہمی جھگڑے اور دشمنیاں ہیں۔ مجھے قرآن مجید میں یہ قول ملا کہ هُنَّ كَسَنٌ
بَيْنَكُمْ وَمَعِيشَتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اِهْمُ نَسَبُكُمْ لَكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
لَا تَزْكِي فِي تَقْسِيمِهَا اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَكَبِّرُونَ۔ لوگوں سے اجتناب کیا اور

”تم نے ٹھیک سمجھا۔ چٹا مشکہ کیسے؟ شفیق نے پوچھا۔

”میں نے لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرتے اور آپس میں لڑتے دیکھا تو میں خدا کے اس فرمان کی طرف متوجہ ہو گیا کہ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوا عَدُوَّ الشَّيْطَانِ تَهَارِشْمْ دُشمن ہے لہذا ابکو دشمن سمجھو پھر میں نے صرف شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور چونکہ خود خدا نے اس کی دشمنی کی گواہی دی تھی اس لئے میں اس سے بچنے کی کوشش میں لگ گیا۔ مخلوق کی عداوت میں نے بالکل ترک کر دی۔“ حاتم نے جواب دیا۔

”تم نے ٹھیک کہا۔ ساتویں بات کو کسی ہے؟ شفیق نے دریافت کیا۔

”میں نے لوگوں کو دیکھا کہ کثرت کا طلب میں سر تڑپ کو شش کرتے ہیں اور اس کی خاطر ان حدود میں بھی داخل ہو جاتے ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہوتیں۔ پھر مجھے خداوند تعالیٰ کا یہ فرمان ملا کہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَرِزْقُكُمْ مِنْ يَدَيْهِ يُغْفِ كُفْرَكُمْ لَكُمْ فِي الْيَوْمِ وَلَا يَذَرُكُمْ إِلَىٰ ظَنِّهِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ چنانچہ میں نے لوگوں پر اپنے حقوق کا خیال چھوڑ دیا اور ان واجبات کا خیال کرنے لگا جو میرے اوپر اللہ تعالیٰ کے ہیں۔“ حاتم نے کہا۔

”تم نے ٹھیک کیا۔ اچھا آٹھواں مشکہ بتاؤ۔“ شفیق نے سوال کیا۔

”میں نے لوگوں پر نظر کی تو کسی کو اپنے سر و سلمان پر اور کسی کو اپنی بخت یا صحت پر بھروسہ کئے ہوئے پایا۔ گویا مخلوق مخلوق ہی پر بھروسہ کئے ہوئے تھی۔ میں نے خدا کے اس فرمان پر عمل کیا کہ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ۔ جس نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اس کے لئے وہی کافی ہے، چنانچہ میں نے صرف خدا پر بھروسہ کیا۔ وہی میرے لئے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔“ حاتم نے جواب دیا۔

شفیق نے کہا۔ ”حاتم! میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن سب میں غور کیا تو اسی نتیجہ تک پہنچا کہ ہر قسم کی نیکیاں انہی آٹھ مسائل کے گرد گھومتی ہیں۔ جس نے ان مسائل پر عمل کیا اس نے گمراہی ان چاروں آسمانی کتابوں پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عمل کی توفیق دے۔“

دین اسلام حصہ دوم

تصنیف :- مولوی محمد علی

ترجمہ :- مرتضیٰ خاں حسن بی راسے

شائع کردہ :- احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔

جماعت احمدیہ کے علماء میں سے ایک صاحب تصنیف عالم مولوی محمد علی گزرے ہیں۔ ان کا نام قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ اور حاشیہ کے مصنف کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے۔ ان کی ایک کتاب THE RELIGION OF ISLAM کے نام سے انگریزی زبان میں تالیف ہوئی شائع ہو چکی ہے۔ احمدیہ انجمن نے اسی کتاب کا اردو ترجمہ دین اسلام کے نام سے شائع کیا ہے جس کا دوسرا حصہ میں بغرض تبصرہ بھیجا گیا ہے۔

فاضل مصنف کے پیش نظر اس کتاب کے لکھنے کا جو مقصد رہا ہے وہ یہ ہے کہ مغربی ممالک میں اسلام کا تعارف کرایا جائے۔ اس غرض سے زیر نظر کتاب میں انہوں نے ارکان اسلام کا تعارف نہایت تفصیل سے کرایا ہے۔ چونکہ کتاب غیر مسلموں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے اس میں ان چیزوں کا تعارف بھی موجود ہے جو ہمارے ہاں جانی پہچانی ہیں۔ اور جن کا بیان یہاں کے لوگوں کے لئے محض تفصیل حاصل ہے۔ مثلاً مساجد، بیشت نماز، نماز جمعہ و عیدین، وضوء، غسل وغیرہ۔ مصنف ہر حال داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ارکان اسلام کے تمام گوشوں کو لیا ہے اور ہر وہ چیز بیان کی ہے جو ایک ناواقف آدمی کے جاننے کی ہو سکتی تھی۔ کتاب کے حاشیہ میں انہوں نے حوالے بھی بڑی کثرت سے دیئے ہیں اس لئے

ہماری اصل کتابوں کی طرف باسانی رجوع کر سکتا ہے۔ مکررین کو مصنف سے فقہی اختلافات کبھی جگہ ہوں گے کیونکہ وہ لمبا اوقات اپنا اجتہاد بھی پیش کر دیتے ہیں۔

ہمارا تاثر یہ ہے کہ مصنف ان مواقع پر جہاں مغربی لوگوں کے لئے اسلام کے کسی حکم پر اعتراض کی گنجائش ہو سکتی تھی، اسلام کی تعلیمات کی ایسی تاویل کر دیتے ہیں جو ان کے مخاطبین کے لئے قابل قبول ہو سکے۔ مثال کے طور پر مساجد میں مستورات کی آمد و شد کے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ ابتدائے اسلام کی اس اجازت کو اب بھی باقی رکھنا چاہتے ہیں جو نمازوں میں مستورات کی شمولیت کے بارے میں دی گئی تھی۔ ان کی نظر میں مسلمانوں نے خواہ مخواہ عورتوں سے نفرت باجماعت کا حق سلب کر لیا ہے۔ ایک جگہ تو انہوں نے یہ تک بھی لکھ دیا ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے بھی واقف ہیں جو نمازوں کی امامت کے فرائض ادا کرتی تھی اور مرد اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے اس نادر روایت کا کوئی حوالہ نہیں دیا ورنہ ہم بھی قارئین کو اس کے منبع سے روشناس کراتے۔

مصنف نے جگہ جگہ دبی زبان سے یہ بھی بتایا ہے کہ جس زمانہ میں عورتیں نماز باجماعت ادا کیا کرتی تھیں اس وقت اس پردے کا اہتمام نہیں ہوتا تھا جو اب مسلمانوں میں رواج پا چکا ہے۔ یہاں پر ان کا یہ عمل ناقابل فہم ہے کہ انہوں نے اس بحث کو نظر انداز کر دیا ہے کہ پردہ کی آیات کے نزول کے بعد صحابہ کرام نے مستورات کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا تھا؟

فلاح کے اصول بتاتے ہوئے مصنف خدا کی ہستی، خدا کی وحی اور یوم آخرت پر ایمان کا ذکر کرتے ہیں۔ صفحہ ۱۰ پر اسلام کے تین اعتقادی اصول بیان کرتے ہوئے بھی انہوں نے انہی تینوں چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ تبصرہ نگار کے نزدیک اس بات میں ایک مغالطہ ہے۔ ثلثِ محرک جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہے وہ ایمان، بارِ رسالت ہے۔ ادا ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت تینوں ستونوں پر اسلام کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ ایمان بالرسالت کی اصطلاح میں خدا کی وحی پر ایمان شامل ہے جب کہ وحی

پر ایمان کے الفاظ کہہ کر مصنف رسول کی شخصیت کو نظر انداز کر جلتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ رسول کی شخصیت کو نظر انداز کر کے دین کا جو علیہ بگڑتا ہے تو اس کے نتیجہ میں قادیانیت یا پروینیت کے پیدا ہونے کی گنجائش تو ہوتی ہے لیکن خالص اسلام پیدا نہیں ہو سکتا۔

جہاد کے باب میں مصنف نے جہاد کا وہی فلسفہ پیش کیا ہے جو قادیانیوں کا طرہ امتیاز ہے یعنی وہ اسلامی جنگوں کو صرف دفاعی جنگیں سمجھتے ہیں اور اللہ کے دین کو ہر بلند کرنے کے لئے جہاد کرنے کے نظریہ کو خلاف اسلام نظریہ بتاتے ہیں۔ یہ موضوع چونکہ اہم ہے اس لئے ہم مصنف کے دلائل کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

مصنف کے دلائل کا زیادہ تر انحصار دو آیتوں کے انطباق پر ہے ایک سورہ بقرہ کی آیت لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ اور دوسرے سورہ توبہ کی آیت فَاِذَا اُنْسَلَخَتِ الْاَشْهُودُ الْحَدُومُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمْهُمْ دِہْرَ جَب عِزَّتِ لَہِ ہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں انہیں پاؤم اول الذکر آیت سے وہ یہ توجیہ نکالتے ہیں کہ اسلام کی جبراً اشاعت ممنوع ہے اور اگر مسلمانوں کا فلسفہ جہاد تسلیم کر لیا جائے تو اس آیت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ دوسری آیت کو وہ ان مشرکین کے لئے خاص سمجھتے ہیں جن سے مسلمانوں کے معاہدے ہوئے تھے لیکن مشرکین نے ان معاہدوں کو توڑ دیا اس عہد شکنی کے بعد مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لئے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس جنگ کے خاتمہ کے لئے مشرکین کی طرف سے صلح کی درخواست کافی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ اگر مشرک صلح کرنا چاہیں تو تمہارے لئے بھی صلح کرنا ضروری ہے رَدَّ اِنْ جَئَتْكُمْ بِالسِّلَاحِ فَاجْعَلْہُمْ مِّثْلَ مَا فَعَلُوْا مصنف کے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسی پر رہا البتہ بعد میں مسلمانوں نے اور خاص طور پر ان کے فقہاء نے نہ منشاء الہی سمجھا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ عمل سے صحیح نتائج اخذ کر سکے۔ اس کے نتیجہ میں جہاد کے غلط تصور مسلمانوں میں پھیلے اور یورپی مصنفین کو ان پر اعتراض کا موقع ملا۔

ہمارے نزدیک اس بحث کی بنیاد ہی مصنف نے غلط رکھی ہے۔ لَا اِكْرَاهَ

فی الدین کا مفہوم اس کی دوسری ہم معنی آیات کی طرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دین کے معاملہ میں کوئی فطری جبر نہیں رکھا۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو مسلمان بنا دیتا لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف تھا۔ اب اس کی ہدایت دنیا میں آگئی ہے۔ مگر اہی کے پردے چاک ہو چکے ہیں۔ اب ہر وہ شخص جو فطرت کی آواز پر لبیک کہے گا وہ اسلام کو اختیار کر لے گا۔ اس آیت کا اس بحث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کہ آیا دعوت کے کسی مرحلہ میں تلوار اٹھائی جاسکتی ہے یا نہیں؛ اس بحث کے لئے قرآن مجید کی دوسری آیات حدود مقرر کرتی ہیں جہاں تک سوئے تو بہ کی آیت فاذا انسلخ الاشهر الحرم۔ الخ کا تعلق

ہے، اس کا موقع و محل ہی مصنف نے غلط سمجھا ہے۔ اس سورہ کی پہلی دو آیات میں انہی مشرکین سے اعلانِ بُرات کیا گیا ہے جنہوں نے عہدات توڑ دیئے تھے۔ لیکن تیسرے آیت میں یہ اعلانِ بُرات تمام مشرکین کے لئے عام کر دیا گیا ہے اور صرف انہی قبائل کو اس سے متثنیٰ رکھا گیا ہے جو عہدات کو نیک نیتی کے ساتھ نبھاتے رہے اور ان دامنِ مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے داغدار نہیں تھے۔ ان مشرکین کو بھی ہمیشہ کے لئے مشفق نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ ان کے لئے یہ رعایت صرف اسی مدت تک ہے جس مدت تک ان کے ساتھ عہدات ہو چکے ہیں۔ ان آیات میں مشرکین کے خلاف اعلانِ جنگ کا حکم بالکل واضح ہے اور صلح کی درخواستوں کا اس پر کوئی اثر نہیں، جنگ ختم ہونے کی واحد صورت یہ بتائی گئی ہے کہ مشرک ایمان لائیں اور نماز و زکوٰۃ قائم کرنے لگ جائیں۔

ان آیات پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے آیت نمبر ۳ کے اعلانِ بُرات، عہد مشرکین کے لئے اتسوا بیلہم عہد الی مد تلہم کی پابندی اور غلظ سبیلہم کی شرائط سے کلیتہً صرف نظر کیا ہے حالانکہ اس بحث میں یہی پہلو فیصلہ کن تھے۔

آگے کی وہ آیات جن میں مشرکین کے جرائم بتائے گئے ہیں مثلاً نقضِ عہد، اخراجِ مسلمین وغیرہ محض اظہارِ امر واقعہ کے طور پر ہیں۔ ان کے بیان سے یہ نتیجہ نکلتا کہ ان جرائم کے مرتکب مشرکین ہی کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا تھا درست نہیں۔ اس تفصیل سے یہ اندازہ ہو گا کہ مصنف نے قرآن مجید کی آیات کو بالکل غلط معنی پہنائے ہیں جس کے نتیجے پر

ان کی یہ بحث ایک غلط بیج پر چلی گئی ہے۔

مندرجہ بالا وضاحت کے بعد حدیثِ اصوات ان اقاتل الناس الخ سورہ توبہ
کی آیت ۵ کی تفسیر کرتی معلوم ہوگی حالانکہ مصنف نے اپنے نظریہ کو باقی رکھنے کے لئے یہ
مل لکھ دیا ہے کہ:-

”اس حدیث کا مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ
وہ لوگوں سے جنگ جاری رکھیں جب تک وہ اسلام قبول نہ کریں“

اس بحث میں مصنف ایک بنیادی امر کو ملحوظ نہیں رکھ سکے۔ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا ایک فرض منصبی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ دوسرے ادیان پر اسلام کو غالب کرینگے
”هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِّينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ“ (اسلام کے اس غلبہ کے لئے آنحضورؐ کو جس طریقہ کی تعلیم دی گئی، اس
میں ابتدائی مرحلہ دعوت کا تھا۔ اس مرحلہ میں صبر و ثبات کے ساتھ کام کرنے کا حکم دیا گیا۔
ہجرت کے بعد حضورؐ کو اپنے دفاع کی اجازت ملی اور جب اسلامی حکومت قائم ہو گئی اور
ان مشرکین پر اتمامِ حجت ہو چکا جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے تو
آپ کو ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس حکم
کے بعد آپ نے مکہ پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا۔ اسی غلبہ دین کے حکم ہی کی بنا پر آپ نے
یہ ہدایت فرمائی کہ جزیرہ عرب میں کوئی مشرک باقی نہ رہے پائے مصنف نے یہ جو لکھا ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے مشرک قبائل کے ساتھ حمایت کے معاہدے
کئے ہوئے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں تاریخ سے نہیں ملتا اور نہ ہی مصنف کا حاشیہ اس
بیان کے حق میں ہے۔

اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے تلوار کا استعمال خود منشاء الہی تھا اور خلفائے
راشدین نے اسی منشاء کے مطابق دوسری قوموں کے سامنے اسلام، جزیہ یا تلوار کی شرائط
پیش کیں۔ دعوتِ اسلام کے اس اختصار کی وجہ بھی یہی تھی کہ اب خدا کا دین غالب آکر تمام
ہو چکا تھا اور اس کی مزید وضاحت کی حاجت باقی نہ رہی تھی۔

مصنف فقہ کی بیان کردہ قتل مرتد کی سزا پر بھی میں عجیب ہوں اور یہاں بھی وہی بنیادی غلط فہمی کام کر رہی ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم اس بحث اور چند دوسرے ضمنی مسائل کو نظر انداز کرتے ہیں۔

کتاب کی فصل سوم میں وضو، مسواک اور غسل و تیمم وغیرہ کا ذکر ہے لیکن مصنف نے اس پر عنوان تزکیہ نفس کا لگایا ہے۔ اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

کتاب کا ترجمہ رواں ہے۔ یہ جگہ ہے اور بڑے سائز کے ۲،۲ صفحات کو محیط ہے۔ اس کی قیمت کہیں درج نہیں کی گئی۔ (خ۔م)

(بقیہ صفحہ ۵۷)

لیکن اگر یہ حضرات اس حد تک جانے کے لئے تیار نہیں ہیں تو پھر سلامتی اسی میں ہے کہ جہاں تک جا چکے ہیں وہیں سے پیچھے مڑنے کی کوشش کریں اور کسی مفید کام میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کریں۔ اگرچہ اب اس نقصان کی تلافی تو نہیں ہو سکتی جو اسلام کے وفادار کو اس ملک میں پہنچ چکا ہے تاہم تجربہ سے فائدہ اٹھانا خیر سے خالی نہیں ہوگا۔

ماہنامہ میشاق کی جلدیں

قیمت فی شمارہ (۶۰) ساٹھ پیسے

برائے یا نئے مستقل خریداروں کے لیے

پرچہ پچاس پیسے ہی میں دیا جائے گا

مینجر ماہنامہ میشاق

رحمان پورہ۔ اچھ

لاہور۔ ۱۳

جن حضرات کو میشاق کی پرانی جلدیں

مطلوب ہوں وہ فوراً اپنے آرڈر ارسال فرمائیں۔

اس وقت دو تین شماروں کے سوا تمام

تمام پرچے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ فرائض

میں تاخیر کر کے اس گراں قدر چیز سے محروم

نہ رہیں۔



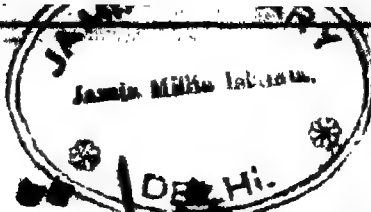
میتاق

ماہنامہ
۵۲
لاہور

نہرا ادارت
ایم این اے اے

پتہ: جی پورہ، لاہور





ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۱ صفحہ ۱۳۸۲ شمارہ ۲۰۱۰

فکرِ ستِ مخمضین

امین الحسن اصلاچی

تذکرہ و تبصرو

تدبرِ قرآن

تفسیر سورۃ بقرہ

مطالعہ حدیث

حدیث کے ظنی ہونے کا مفہوم

افاداتِ غراہی

اصولِ تفسیر - ۳۰

مقالات

اسلام اور انسانی حقوق

اقتباسات و تراجم

تہذیبِ مغرب کا ثمرہ - کثرتِ ملوک

نبی کا فیضانِ نظر

تقریظ و تنقید

تذکرہ ائمہ و محدثین

میں جو طعناں میثاق

طالعہ

تذکرہ ائمہ و محدثین

میں جو طعناں میثاق

طالعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تذکرہ نبصرہ

سخت ندامت اور افسوس ہے کہ جولائی کا میثاق وقت پر شائع نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ راقم سطور جون کے آخر میں گوردے کی تکالیف میں مبتلا ہو گیا۔ ادباً تک اللہ تکالیف کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں باقی ہے۔ یہ گوردے کا عارضہ میرے پچھلے عوارض میں ایک نیا اضافہ ہے اداس کا خاص اثر جو مجھ پر ہوا وہ یہ ہے کہ اس دوران میں لکھنے پڑھنے کا کام تقریباً بند رہا۔ میثاق کی ترتیب میں اگرچہ رفیق عزیز۔ خالد مسعود صاحب۔ حبیبہ نند۔ میرا ہاتھ بٹکتے ہیں لیکن ابھی وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوئے کہ تنہا اپنی ذمہ داری پر اس کا کوئی شمارہ شائع کریں۔ اس صورت حال کی وجہ سے جولائی کا پرچہ مؤخر ہوتا گیا، یہاں تک کہ اگست کا مہینہ آگیا۔ اب مزید تاخیر کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس وجہ سے پرچہ جون توں مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں جو مضامین دیشے جا رہے ہیں ان پر میں نظر نہیں ڈال سکا ہوں۔ یہاں تک کہ تفسیر کے صفحات بھی سووے سے نکالی کر بخیر پوری نظر ثانی ہی کے دے دیئے گئے ہیں۔ اس کو تاہی اور بے قاعدگی کے سبب سے رسالہ کے خریداروں کو جو شکایت ہوئی ہے وہ ایک بالکل قدرتی چیز ہے۔ اس کا احساس جتنا مجھے ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو ہو۔ لیکن حالات پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسے اختیار حاصل ہے؟ میں رسالہ کی اشاعت کو منظم کرنے کے لئے ایک ایسے مددگار کی ضرورت شدت سے

محسوس کر رہا ہوں جو اپنا پورا وقت اس کے لئے دے سکیں۔ لیکن یہ بات اس وجہ سے ممکن نہ ہو سکی کہ پرچہ اب تک اپنے ناگزیر مصارف طباعت و اشاعت میں پڑے کرنے کے قابل نہیں ہو سکا ہے۔ یہ مسئلہ ایسا ہے جو اس کے قدر دانوں کی توجہ کا محتاج ہے۔ اس پرچہ کو پانچ لاکھ کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے قدر دان اس کا حلقہ اشاعت اپنے اپنے دائرہ اثر کے اندر کچھ بڑھانے کی کوشش کریں۔ اس کے بغیر اس قسم کے علمی و مذہبی پرچے کا جانا رہنا ممکن نہیں ہے۔

جولائی کے پرچہ کا جو نقصان اس کے خریداروں کو اٹھانا پڑا ہے اس کی تلافی نشاۃ اللہ اس ششماہی میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور کر دی جائے گی۔ یا تو ہر شمارے کا حجم بقدر ایک ایک کاپی کے بڑھا دیا جائے گا یا کسی ایک شمارے کا حجم دوگنا کر دیا جائے گا۔

(۲)

نئے دستور کے نفاذ کے بعد سے اس ملک میں جو حالات پیش آئے ہیں وہ ہمارے نزدیک کسی پہلو سے بھی خوش آئند نہیں ہیں۔ اجتماعی و سیاسی زندگی میں ہمارے جو عناصر حصہ لیتے ہیں۔ ان میں سے بلا استثناء بھی کارول نہایت مایوس کن رہا ہے۔ جو لوگ اہل سیاست کے نام سے معروف ہیں انہوں نے اس دوران میں جس غیر ذمہ داری اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے اور برابر دینے پر مصر میں اس سے ایک عام آدمی بھی اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ اس ملک میں جمہوریت کا مستقبل بہت تاریک ہے۔ ارباب اقتدار نے جو روش اختیار کی ہے اس سے ان توقعات کی قریباً کڑھٹ گئی ہے جو صدر ریاست کی طرف سے از خود ایک دستور کے نفاذ اور مارشل لا کے ختم کئے جانے بہت دنوں میں پیدا ہو گئی تھیں۔ بالخصوص مشاورتی کونسل کی تشکیل جس شکل میں ہوئی ہے اس کو دیکھنے کے بعد تو ان حضرات سے اسلام کے باب میں کوئی اچھی توقع کرنا محض خوش فہمی ہی ہوگی۔ صاف نظر آتا ہے کہ اس کونسل کی تشکیل کے لئے وقت بہت دیر تک سوچ کر اس بات کے لئے پیش بندی کی گئی ہے کہ مبادا اس کی وجہ سے ان کو اسلام کی کوئی بات قبول کرنے کی رحمت میں مبتلا ہو جانا پڑے۔ اگر یہ انتخاب صحیح

ریاست کی اپنی ہی صواب دید پر مشتمل ہے تو ہم اس پر ان کو مبارکباد نہیں دے سکتے ہیں۔ ان سے اس سے کہیں بہتر انتخاب کی امید تھی اور اگر اس انتخاب میں دوسروں کے مشورے کو دخل ہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ انہوں نے اس مشورے سے صدر ریاست کے وفادار اعتماد اور ملک کے مستقبل کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ جو لوگ منتخب کئے گئے ہیں ہم ان شریف آدمیوں کو زیر بحث لاکر بے ضرورت ان کو مجروح نہیں کرنا چاہتے لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پیش نظر مقصد کے لئے ان میں سے ایک آدمی کو چھوڑ کر کوئی شخص بھی اپنے اندر کوئی موزونیت نہیں رکھتا۔ اس کونسل کے قیام سے مقصود بہر حال اسلام کے خلاف کوئی سازش کرنا نہیں ہے بلکہ ملک کے سامنے پیش آنے والے پیچیدہ مسائل میں اس سے یہ فتویٰ حاصل کرنا ہے ان مسائل میں اسلام کی راہ نمائی دیتا ہے، اگر خوف خدا نہیں تو کم از کم دنیا کو دکھانے ہی کے خیال سے اس میں کچھ ایسے لوگوں کو شامل کرنا ضروری تھا جو اس کام کے اہل تھے تاکہ دستور کی باتیں اہم چیزیں جس سے نہ جانے کتنی امیدیں وابستہ تھیں لوگوں کی نظروں میں بالکل مذاق بن کے نہ رہ جاتی۔ اپنے اس انتخاب کی تصویب میں محترم صدر ریاست اور ہماری وزیر خارجہ صاحب نے یہ جو فرمایا ہے کہ ایسے لوگ کہاں مل سکتے ہیں جن پر کسی کو اعتراض نہ ہو۔ ایک بالکل ہی یاد دہا بات ہے جو محض لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کہی جا رہی ہے۔ ورنہ آخر یہ مطالبہ کس نے کیا تھا کہ اس کونسل میں وہ لوگ لئے جاتے جن پر کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ لوگوں کا مطالبہ معصوم صفت انسانوں کے لئے نہیں تھا بلکہ ایسے اشخاص کے لئے تھا جو اسلامی شریعت میں بصیرت رکھنے والے، حالات و مسائل کو سمجھنے والے اور ملک کی اکثریت کے نزدیک قابل اعتماد ہوں۔ اگر ابابا اقتدار کو اصل ضرورت کی اہمیت اور مسلمانوں کے احساسات کا اندازہ ہوتا تو اس قوم کے اندر سے مذکورہ صفات کے اشخاص کا تلاش کر لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ اب اگرچہ کوئی مشورہ پیش کرنا بعد از وقت ہے لیکن از روئے دستور چونکہ اس فہرست میں اضافہ کی گنجائش موجود ہے اس وجہ سے ہم صدر ریاست کی خدمت میں یہ عرض کریں گے کہ مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا داؤد غزنوی صاحب، مولانا مودودی صاحب اور مولانا الطہر علی صاحب کو اس کونسل میں ضرور شامل کیا جائے۔ علماء کے طبقہ سے جب تک

ان حضرات کے درجہ کے اشخاص نہیں ملے جائیں گے نہ کوئٹہ کے اندر تو اوزن قائم ہو سکے گا اور نہ مسلمانوں کی نظر میں اس کو نسل کی اور اس کے مشوروں کی کوئی وقعت ہوگی۔

(۱۳)

اجارات میں میرے اور میرے بعض دوستوں سے متعلق یہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ ہم مستقبل قریب میں ایک مذہبی دیاسی پارٹی کی تشکیل کے لئے اپنے ہم خیالوں کی ایک کونفرنس بلا رہے ہیں۔ اس اطلاع کی بنا پر لوگ کثرت خطوط کے ذریعہ سے بھی اس پارٹی کے متعلق استفسار کر رہے ہیں اور قریب کے لوگ بالمشافہ گفتگو کے لئے بھی مجھ سے مل رہے ہیں۔ نام مستخسرین کے خطوط کا الگ الگ جواب دینا چونکہ بہت مشکل ہے اس وجہ سے ان صفحات کے ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے کہ یہ خبر ہماری طرف سے اخبارات کو نہیں بھیجی گئی ہے۔ بلکہ یہ اسپی پی نے خود پھیلائی ہے اور یہ زیادہ تر اس کے اپنے ہی قیاسات اور اندازوں پر مبنی ہے جس کے سبب سے اس میں صحیح اور غلط دونوں قسم کے اندازے شامل ہو گئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ کچھ احباب مجتمع ہوئے تھے اور انہوں نے ان تمام حالات و مسائل کا جائزہ لیا جن سے مارشل لا اٹھنے کے بعد ہماری قوم دوچار ہے۔ ہم میں سے اکثر نے اس خلا کو بھی بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا جو اس وقت ایک صحیح قسم کی دینی جماعت کے میدانِ عمل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہاں نمایاں ہے۔ اس سلسلہ میں میرا اپنا تاثر یہ ہے کہ اس ملک میں بولواگ اسلام کے لئے کام کرنے اٹھے تھے وہ اہل سیاست کے ہاتھوں میں بالکل کھوٹا بن کے رہ گئے ہیں اور اہل سیاست کشمکش اقتدار کی جنگ میں ان کے نعروں اور اعلان کے متعلق اپنے حریفوں کے خلاف اینٹ پتھر کے طور پر پوری بیداری کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں۔ صورتِ حال اسلام کے حق میں نہایت خطرناک ہے اہل دین جب دنیا طلبوں کے چکر میں پھنس کر ان کی گاڑی کھینچنے لگتے ہیں تو پھر وہ دین کو بازیچہ اطفال اور دنیا کی لنگاہوں میں سے ایک ذائقہ بنا کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ صورتِ حال آج ہر صاحبِ نظر کے سامنے موجود ہے اور یہ ہمارے سامنے بھی موجود ہی ہے اور اسلام کے خدمت گزار ہونے کے پہلو سے آنے والے اس پر غور بھی کیا اور اس کا حل بھی معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر شخص اغیارہ کو

کتنب ہے کہ اس طرح کے اہم مسائل بھاری طے کرنے کے نہیں ہوتے۔ جماعتوں کی تنظیم نہ تو کوئی آسان کام ہے اور نہ اس وقت تک یہ مفید ہے۔ جب تک اس کے لئے کوئی شدید برقی ضرورت داعی نہ ہو۔ ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ ہم نے جن مسائل پر غور کیا ہے، ان کے بارے میں کسی قطعی فیصلہ تک پہنچ چکے ہیں۔ اگر ایسی صورت ہوتی تو ہم ضروری معلومات خود اجتماع کو فراہم کرتے۔ اس وجہ سے لوگ محض قیاسی اطلاعات کی بنا پر نہ تو کسی خوش گمانی میں مبتلا ہوں نہ کسی بد گمانی میں۔ اگر کسی جماعت کی تشکیل عمل میں آئی تو وہ بہر حال امت کی کسی اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے عمل میں آئے گی اور اسلام کی کوئی خدمت انجام دے گی۔ اس کے قیام سے مقصود نہ تو یہ ہو سکتا کہ قائم شدہ جماعتوں میں ایک اضافہ کیا جائے اور نہ کسی کی بے فائدہ مخالفت یا موافقت۔

(۴)

اجازات سے یہ معلوم کر کے بڑا حدمہ ہوا کہ حجۃ علامہ ہند کے ناظم مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی کا انتقال ہو گیا۔ یہ حادثہ مسلمانوں کی پوری قوم کے لئے ایک بڑا اہم حادثہ ہے۔ جو لوگ آج پاکستان کے گوشہ امن و عافیت میں پہنچ کر بھارت کے اپنے چھ کرڈر مسلمان بھائیوں کو دلوں سے نکال بیٹھے ہیں وہ تو اس حادثہ کی اہمیت کا کما حقہ اندازہ نہیں کر سکیں گے لیکن جو لوگ بھارت کے مسلمانوں کو بھولے نہیں ہیں اور انہیں اس غلط فہمی کا بھی اندازہ ہے جس میں اس وقت ہمارے یہ بھائی مبتلا ہیں وہ کچھ اندازہ کر سکیں گے کہ مولانا مرحوم کی ذات ان کے لئے ان کے اس دور ابتلا میں کتنا بڑا سہارا تھی۔ وہ فی الواقع ایک نڈر اور بہادر مسلمان تھے۔ انہوں نے تقسیم ملک کے بعد کے خطرناک حالات کا نہایت دائمی و نہایت بردباری، نہایت صبر و استقلال اور نہایت عزم و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنی قوم کا حوصلہ قائم رکھنے کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ میرا ذاتی تاثر یہ تو ہے کہ قیام پاکستان کے بعد بھارت کے مسلمانوں کی خدمت کی جو ترقی انہیں میسر آئی اس میں کوئی دوسرا مشکل ہی ان کے برابر ہو سکے گا۔ انہوں نے ملک کی مشترک جد و جہد آزادی میں جو نمایاں خدمات انجام دی تھیں اس کی وجہ سے کئی ایسی ملتوں پر ان کا خاص اثر تھا۔ انہوں نے اپنے اس پورے

الذکر بالکل بساوت اور بالکل بے خوف ہو کر اپنی قوم کی حمایت و مدافعت میں صرف کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی خدمت کو قبول فرمائے، پوری قوم کی طرف سے ان کو جزائے خیر دے اور مجددت کے مسلمانوں کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ایک زمانہ میں مولانا مرحوم کے ساتھ راقم کے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ اب یہ تعلقات تو دوری کے سبب سے ختم ہو چکے تھے لیکن اس دور میں مسلمانوں کی جو خدمت نہ کر رہے تھے اس کے سبب سے ان کی محنت افسان کی قدر و عزت دل میں رہے۔ سب سے کم از کم زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے۔ اب یہ دعائے مغفرت ہی واحد سوغات ہے جو اس مجاہد ملت کے لئے اتنی دور سے ہم بھیج سکتے ہیں، ہم شائق کے تمام تائین سے بھی مولانا کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔

(۵)

علم قرآن کے چند شائقین کے اصرار پر میں نے قرآن مجید کے تحقیقی نوعیت کے درس کے لئے حلقہ تدبر قرآن کے نام سے ایک حلقہ قائم کر دیا ہے۔ خاص چیز جو اس حلقہ کے قیام کے لئے محرک ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ علم تیزی کے ساتھ گزرتی جا رہی ہے اور میری تفسیر تدبر قرآن ابھی اپنے ابتدائی مراحل سے بھی آگے نہیں بڑھی ہے۔ نہیں معلوم پیش نظر نقشہ کے مطابق اس کی تکمیل کی فرصت ملتی ہے یا نہیں۔ یہ کام خاصا لمبا کام ہے۔ اس وجہ سے خیال ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ ایک حلقہ درس قائم کر کے کچھ ذہین و اذی استعداد طلبہ کو اس طرز فکر کی تربیت بھی دی جائے جو اس تفسیر میں اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر میں نے درس کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور چند طلبہ روزانہ پابندی کے ساتھ درس لے رہے ہیں۔ انگریزی اور عربی مدارس کے طلبہ میں سے جو طلبہ علم قرآن کا شوق رکھتے ہیں اور پابندی کے ساتھ اس کام کے لئے کچھ وقت نکال سکتے ہیں وہ اس حلقہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ طلبہ کے علاوہ جو حضرات جدید یا قدیم تعلیم پائے ہوئے ہیں اور اس قسم کے کاموں کے لئے کچھ فرصت و فراغت رکھتے ہیں وہ اس حلقہ کے لئے سب سے زیادہ موزوں ثابت ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ پابندی اور التزام کے ساتھ اس کام کے لئے تھوڑا سا وقت روزانہ نکال لیں جو حضرات اس حلقہ میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ محراب و محراب کے

تفسیر سورہ بقرہ

(۲۷)

وَإِذْ يَسِّرُ كَعْبَرِ بْنِ إِهْرِيمَ الْقَوَاعِدَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ | قواعد و قاعدہ کی جمع ہے۔
قاعدہ کے معنی بنیاد اور احساس کے ہیں۔ اوپر والی آیت میں اس گھر کی تعمیر کے حکم کا حوالہ تھا اب
آگے یہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ اس کی بنیادیں اٹھاتے وقت حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل نے کیا دعا
کی تھی اس گھر کے ساتھ ان کی کیا آرزوئیں اور تمنائیں وابستہ تھیں اور مستقبل میں اس سے کس فیض عالم
کے جاری ہونے کی انھوں نے اپنے پروردگار سے التجا کی تھی۔ حضرت ابراہیم کی سرگزشت کا یہ حصہ
مرثیہ قرآن کے ذریعہ ہمارے علم میں آیا ہے، اس لئے کہ یہود نے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، قرآن
سے خاص اس حصہ کو باوجود حذف کر دیا یا اس کو میں اپنے حسبِ فساد تحریف کر دی بلکہ آپ کی سرگزشت
ایک ایسا ضروری حصہ ہے کہ اس کے بغیر یہ بالکل ناتمام معلوم ہوتی ہے۔ قرآن نے یہ تحریف کر دہ حصہ
بے نقاب کر کے اس کی تکمیل کر دی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ اے ہمارے رب ہماری طرف سے قبول کا
یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تیری عبادت اور تیری بندگی کی دعوت کے لئے یہ گھر جو ہم بنا رہے ہیں
اس کو شرفِ قبولیت بخش اور ہماری یہ خدمت قبول فرما اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تیرے گھر کا
بنیادیں اٹھانے وقت پھر انجائیں پیش کرتے ہیں ہمارے یہ التجا میں قبول فرما ہم سے دوسرے مطلب کو ترجیح
دیتے ہیں مگر تو اس وجہ سے کہ اس صوبہ میں یہ محلہ خاص خانہ کعبہ سے متعلق ہونے کے بجائے تو

دعا کی تہدید میں جتا ہے جو کہ آری ہے اور سب سے جہاں ملک و کعبہ کی تہدید و تعلق ہے یہ کام حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس حکم کے مطابق کر رہے تھے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہے اس وجہ سے اس کی قبولیت پہلے سے معلوم تھی ایک انت ایسح ایسح میں خدا کی اس دو صفتوں کا حوالہ ہے، پہلا واقعہ کہ کہ بندہ خدا سے دعا کرتا ہے اور اس کے اندر ہر صبر کا جو مضمون ہے وہ دعا کرنے والوں کی طرف سے کامل پیروی اور کامل اعتماد کا اظہار ہے۔

وَمَا كُنَّا بِمُعْجِزِينَ لَكَ الْقَوَابِلُ الرَّحِيمِ [دعا کے بیچ بیچ میں بار بار "ربنا" کا اعلاہ اور دعا کے مناسب صفات الہی کا حوالہ دعا کے آداب میں سے ہے اس سے دعا شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔ یہ دعا ان دونوں چیزوں کے حکیمانہ استعمال کی بہترین مثال ہے۔

سب سے پہلے باپ بیٹے دونوں نے جس چیز کی دعا کی ہے وہ خود اپنے مسلم بنائے جانے کی ہے، مسلم کے معنی خدا کے کامل فرمانبردار کے ہیں اس سے کوئی حقیقت روک شستی میں آتی ہیں۔ ایک تہذیب کو ایمان و اسلام اور طلبِ نبیت و تقویٰ کی دعاؤں میں انسان سب سے پہلے اپنے آپ کو سامنے رکھے یہ چیزیں ایسی نہیں جن سے کوئی بھی مستغنی ہو سکے اگرچہ وہ کتنا ہی عالی مقام پر ہو۔ دوسری یہ کہ اسلام کے درجات و مراتب کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی جن کے ذریعہ سب دنیا اسلام کے نام و اداس کی روح سے آشنا ہوئی آپ نے مسلم بنائے جانے کے لئے دعا کرتے تھے دوسری حقیقت جو خاص اس موقع سے تعلق رکھنے والی اور نظم کلام کو کھولنے والی ہے، یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ تاریخی موقع پر جب کہ وہ اپنے مشن کا مرکز و محور بنے تھے اپنے لئے جس چیز کی دعا کی تھی، مسلم بنائے جانے کی تھی نہ کہ یہودی یا نصرانی بنائے جانے کی۔

وَمِنْ خَدِيعَتِكَ اُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ اہنے مسلم بنائے جانے کی دعا کے ساتھ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی فدیہ کے اندر سے ایک یہودی اور ایک نصرانی بنائے جانے کی بھی اس موقع پر دعا فرمائی اس دعا میں حضرت ابراہیم کے ساتھ میں کی شریعت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ میں کا وضع مذہم بھی ہو سکتا ہے کبریا کی امداد سے حلق تھی چنانچہ ان کی نسل کے اندر محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اسباب کی

و رحمت ہے وہ آیت مسلمہ اور میں اس کی جس کے لئے دعا کی گئی تھی۔ تورات سے سچے چرمی
تو غائب کر دی گئیں لیکن قربان ہونے والے دوزخ سے حلقہ پیشینگی موجود ہے کہ تیری نسل کے
میں سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی۔

وَاِذْ نَادَا مَآ سَلَكْنَا وَتَبَّ عَلَيْنَا - اَرْمٰی کے اصل معنی یہ ہیں دکھا اس کے ہیں
اللہ تعالیٰ اپنے دینی اور اپنی شریعت کی طرف اپنے بندوں کی رہنمائی اس طرح کی دیکھ کے غمگین
بھی کرتا ہے جس کا منظر قرآن مجید ہے اور کہیں کیا کشف میں براہ راست رہنا کوئی فرشتہ بھی کہ اس
کام کو عطا دکھایا جاتا بھی دیتا ہے جو مطلوب ہوتا ہے۔ اس قسم کی رہنمائی قرآن مجید کی اصطلاح میں
اِنَّا - بت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء و کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طوفان
سے ان کی رہنمائی کیا وہ تہذیب و تمدن ہی کے قدموں سے جڑی تھی۔ یعنی یا نور و یا میں ان کو ایک
بات دکھا دی جاتی تھی یا کوئی فرشتہ خداوندی ظاہر ہو کر مطلوب کام کی طرف رہنمائی کر دیتا تھا۔
تورات سے اس کی بہت سے مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہاں دعاء میں حضرت ابراہیم و حضرت
اسمعیل نے اسی امرات کی درخواست کی ہے۔

مَناسک، مناسک کی جمع ہے، مناسک کے اصل معنی دھونے اور پاک کرنے کے ہیں۔ انک
التوبہ کے معنی ہیں کپڑے کو دھو کر پاک کیا اسی سے نَسَک ہے جس کے معنی قربانی کے ہیں۔ قربانی کے
کو گناہ کی آلودگیوں اور آلائشوں سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کا مقرب عطا کرتی ہے پھر اسی سے مناسک
ہے جس کے معنی قربانی کے طریقہ کے بھی ہیں اور قربان گاہ کے بھی۔ اس کی جمع مناسک ہے جو حج کے
تمام مسلمہ عبادات و مراسم پر حاوی ہے۔ فرمایا ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مِنْكُمْ صَلَاتَكُمْ
فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ ۝۲۰ یعنی جب تم حج کے مراسم ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔

وَتَبَّ عَلَيْنَا ۝۲۱ کے اصل معنی رجوع کرنے اور متوجہ ہونے کے ہیں اس کا مطلب
حق کے ساتھ آنا ہے قرآن مجید کہ تبت و تبت کی وضاحت کرتے ہوئے ہم بیان کر چکے ہیں اس بات
پر کہ یہ تبت ہے کہ اس کے اندر رحم کا معنوی پوشیدہ ہے۔ رحم کے اس پوشیدہ معنوی کو یہاں تک
تبت و تبت کہ ہم کہہ کر کھول بھی دیا ہے۔ بندہ جب اپنے رب کی طرف خیریت کیساتھ رجوع
کرتا ہے تو رب رحیم رحمت کے ساتھ بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

شَٰكًا وَابْتِغَاءً فِيْهِ رَحْمَةٌ..... اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ | میں میں انہی میں سے
ایک رسول کا تھا یعنی ہماری قدرت میں سے جو کہ اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ صرف
حضرت اسمعیلؑ ہی تھے اور وہی اس وحی پر فریاد و رنج میں لپکے جا رہے تھے اس وجہ سے
اس دعا کا تعلق لازماً انہی کی قدرت سے تھا۔ اس کا کوئی تعلق بھی حضرت اسمعیلؑ کی قدرت سے نہیں
ہو سکتا۔ تو رات کے الفاظ سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ آخری معجزہ کی بعثت حضرت اسمعیلؑ کی نسل
سے ہونے والی تھی۔ تثنیہ باب میں حضرت موسیٰؑ کی جو مشہور پیشینگی ہے اس میں فرمایا ہے تیرے
بھی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی پر پا کرے گا۔ آگے چل کر ہے۔ ”میں ان کے لئے انہیں کے
بھائیوں میں سے“ کے الفاظ صاف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سے مراد بنی اسمعیل ہی میں اگر بنی اسرائیل
مراد ہوتے تو صریح تعبیر انہی کے بھائیوں میں سے۔۔ کے بجائے ”انہی میں سے“ کی ہوتی ہی طرح
تیرے ہی بھائیوں میں سے ”کی جگہ“ قرار ہے ہی اندر سے کے الفاظ وارد ہوتے۔ علاوہ انہیں
یہاں ”تیری مانند“ کے الفاظ بھی قابل لحاظ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نبی کی بعثت کی
پیشینگی کی گئی تھی۔ ایک صاحب رسالت رسول کی تھی۔ قرآن مجید کی مذکورہ دعا میں اسی لحاظ سے
رسول کا لفظ وارد ہوا ہے۔ ہم آگے کسی مناسب موقع سے رسول اور نبی کے فرق کو ظاہر کریں گے۔
یہاں جس رسول کی بعثت کے لئے دعا کی گئی ہے اس کے بنی مقصد بتائے گئے ہیں۔ ایک طاقت
آیات، دوسرے تعلیم کتاب و حکمت و تفسیر تزلکیہ۔

آیت لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز پر دلیل لائی جاسکے۔ اس پہلو سے آسمان و
زمین کی ہر چیز آیت ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر چیز خدا کی قدرت و حکمت اور اس کی مختلف صفات
خلق و تدبیر پر ایک دلیل سے ایسی طرح وہ معجزات بھی آیت ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوئے
اس لئے کہ وہ بھی اپنے پیش کرنے والوں کی سچائی پر دلیل تھے۔ علیٰ ہذا انقیاس قرآن مجید
کے الگ الگ جملوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس لئے کہ نئے الحقیقت ان میں سے ہر آیت
کی حیثیت ایک دلیل و براہان کی ہے جس سے خدا کی صفات اور اس کے احکام و قوانین اور اس کی
مرضیت کا علم ہوتا ہے۔

متسلسل علیہ کے الفاظ سے اس زور اور اختیار کا اظہار ہو رہا ہے جس سے صلح

جو کہ خدا کا ایک رسول اس دنیا میں آتا ہے وہ واضح رہے کہ رسول عین ایک نوع انسان تباری کی طرح لوگوں کو قرآن سناتے نہیں آتا۔ بلکہ وہ خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے لوگوں کو آسمان و زمین کے خالق و مالک کے احکام و فرامین اور اس کے دلائل و براہین سے آگاہ کرتا ہے۔ علاوہ انہیں وحی الہی کے لئے آیات کے لفظ سے اس حقیقت کا بھی اظہار ہو رہا ہے کہ خدا کا دین تکمیل پر پہنچ چکا ہے۔ بلکہ یہ تمام تر دلائل و براہین پر مبنی ہے اور اس کے ہر کھوٹے کے اندر اس کی دلیل ہے۔ اب آئیے تعلیم کتاب و حکمت کے الفاظ پر غور فرمائیے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ تعلیم کتاب سے ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ تلاوت آیات تو یہ ہوئی کہ رسول نے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ خدا نے اس کے اوپر یہ وحی نازل کی ہے۔ تعلیم یہ ہے کہ نہایت شفقت و توجہ کے ساتھ ہر مسنداد کے لوگوں کے لئے اس کی مشکلات کی وضاحت کی جائے، اس کے اجمالات کی تشریح کی جائے، اس کے مقدمات کھولے جائیں اور اس کے مضمرات بیان کئے جائیں۔ اور اس کو مزید وسیع و وسیع کے بعد بھی اگر لوگوں کے ذہن میں سوالات پیدا ہوں تو ان کے سوالوں کے جواب دیئے جائیں۔ مزید برآں لوگوں کی ذہنی تربیت کے لئے خود ان کے سامنے سوالات رکھے جائیں اور ان کے جوابات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ لوگوں کے اقدار و تدبیر کی صلاحیت اور کتاب الہی پر غور کرنے کی استعداد بھر دی طرح بیدار ہو جائے۔ یہ ساری باتیں تعلیم کے ضروری اجزاء ہیں سے ہیں اور ہر شخص جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و زندگی کا مطالعہ کیا ہے اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کے لئے تعلیم کتاب کے یہ تمام طریقے اختیار فرمائے۔

تعلیم کے ساتھ یہاں دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک کتاب کا دوسری حکمت کا۔ کتاب سے مراد تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید ہے اس لفظ کی تحقیق ہم اس سورہ کی آیت ۲ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔ لفظ حکمت کی تحقیق مولانا فاضل نے اپنی کتاب معارف القرآن میں چیریاں فرمائی ہے اس کا ضروری حصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

وہ بھی حکمت تو وہ تعبیر ہے اس وقت و صلاحیت کی جس سے انسان حالات کا فیصلہ

حق کے مطابق کرتا ہے حضرت داؤد کی تعریف میں ارشاد ہوا ہے و اتیناہ الحکمت

و فصل الخطاب دھم نہ اس کو حکمتِ حلاکی اور فیصلہ معاملات کی صلاحیت یہاں فصل الخطاب کے لفظ سے اس اثر کو بیان کیا ہے جو حکمت کا شوق ہے، جس طرح فیصلہ معاملات کی صلاحیت حکمت کے ثمرات میں سے ہے اسی طرح اخلاق کی پاکیزگی اور تہذیب بھی اس کے ثمرات میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اہل عرب حکمت کا لفظ انسان کی اہم قوت و صلاحیت کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل و دماغ کے کمال اور خرافات، اخلاق کی جامع ہوتی ہے، چنانچہ دانشمند اور منصف آدمی کو حکیم کہا جاتا ہے اور جرات مندان و دولی دونوں کے نزدیک بالکل واضح ہوا اس کو حکمت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکمت کا ذکر یہاں کتاب کے ساتھ اس بات پر دلیل ہے کہ تعلیم حکمت تعلیم کتاب سے ایک ناپید شے ہے، اگرچہ یہ حکمت ستر تا ستر قرآن حکیم ہی سے ماخوذ و مستنبط ہو۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک جو لوگ حکمت سے حدیث مراد لیتے ہیں، اسی کی بات میں بڑا وزن ہے۔ یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حکمت جو کہ حکیمانہ بات کو بھی کہتے ہیں اور حکیمانہ بات کہنے کی صلاحیت کو بھی۔ اس وجہ سے تعلیم حکمت کے معنی جس طرح کسی کو کوئی حکیمانہ بات بتا دینے کے ہیں اسی طرح اس کے معنی لوگوں کے اندر حکمت کی منفعت و صلاحیت پیدا کرنے کے بھی ہیں۔ رسول کا مقصد تزکیہ بتایا گیا ہے۔ لفظ تزکیہ دو معنوں پر مشتمل ہے۔ ایک پاک و صاف کرنے پر، دوسرے نشو و نما دینے پر، ہمارے نزدیک یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ جو چیز مخالف و مزاحم نہ پاید و مفاسد سے پاک ہوگی وہ لازماً اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان بھی چڑھے گی۔ انبیاء علیہم السلام نفوس انسانی کا جو تزکیہ کرتے ہیں اس میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں اور ان کے اعمال و اخلاق کو غلط چیزوں سے پاک و صاف کر دیتے ہیں۔ اور ان کے اعمال و اخلاق کو نشو و نما دے کر ان میں مفاسد اور مخالف و مزاحم چیزوں کے بالمقابل استقلال کے ساتھ سینہ سپر رہنے اور استقامت و کھانے کی قوت بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کتاب کے مقابلہ میں نفوس کا تزکیہ کہیں زیادہ دیدہ ریزی، مشقت اور صبر و ریاض کا طالب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا ذکر تمام دین و مشرکیت کے غایت و مقصد کی حیثیت سے ہوا ہے اس حقیقت کی وضاحت ہم

انشار اللہ کے کسی موزوں مقام پر کریں گے۔

آیت کے اجزا کی وضاحت کے لئے تفصیل میں کافی ہے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تمام مقاصد لگا ہوں کے سامنے آجاتے ہیں، اور مزید کسی تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے لیکن اس زمانہ میں منکرین حدیث نے رسالت کے ان تینوں مقاصد میں سے صرف ایک مقصد تلاوت آیات کو توڑ لیا ہے اور بقیہ دو کی نفی کر دی ہے۔ اس وجہ سے جن روایت ہجرت کہ اس مسئلہ پر مزید لکھو کی جائے چنانچہ آگے مستقل عنوان سے ہم اس کے بعض دوسرے گوشوں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

آیت کے خاتمہ پر خدا کی دو صفتوں، عزیز اور حکیم — کا حوالہ ہے۔ عزیز کے معنی غالب اور عزت و قوت والے کے ہیں یعنی وہ ذات جو پوری قوت و صولت اور پورے اختیار و اقتدار کے ساتھ اس کائنات پر فرماں روائی کر رہی ہے۔ حکیم کے معنی ہیں جس کے ہر کام میں حکمت و مصلحت اور مقصد و غایت ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں کا حوالہ بالعموم ایک ساتھ آتا ہے۔ اس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات پر پوری قوت اور پورے غلبے کے ساتھ مادی اور منطوق، لیکن اس کے اس غلبہ و اقتدار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ میں جو چاہے کر ڈالے، بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت و مصلحت کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔

یہاں ان دونوں صفتوں کا حوالہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ جو خدا عز و حکیم ہے، اس کی عزت و حکمت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی اس حکمت میں اپنا سفیر اور پیغمبر بھیجے جو اس کی ریت کو اس کے احکام و قوانین سے آگاہ کرے اور ان کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دے۔

وَمَنْ يَرْغَبْ مَنِ الصَّالِحِينَ | رَغَبٌ، کا صلا جب عن کے ساتھ آتا

ہے تو اس کے معنی کسی چیز سے بے رغبت اور بیزار ہونے کے ہوتے ہیں۔

سِفَہ زیادہ تر لازم آتا ہے لیکن متعدی بھی آتا ہے مثلاً سِفَہ نفسہ کے معنی ہوں گے اس نے اپنا غضب بگاڑ لیا۔ سِفَہ دیکھ کے معنی ہوں گے اس لئے اخصار رائے اختیار کی۔ اس طرح

میں نے اپنے آپ کو ماقدم میں مبتلا کیا۔

یہ اسلوب کلام انھار تہجیب اور انھار انسوس دونوں کا جامع ہے، اشارہ یہاں یہودی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ ملت اور اس کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں، بلکہ اپنے دعوے میں اس کے واحد اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں، دوسری طرف ان کا حال یہ ہے کہ جو غیر ملت یا ملت کا داعی بن کر آیا ہے اس سے اور اس کی دعوت سے یہ سب سے زیادہ بیزار ہیں اور ان لوگوں کو یہ قوت قرار دے رہے ہیں جو اس دعوت کا ساتھ دے رہے ہیں، حماقت اور خود باغی کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

وقد اصطفینا فی الدنیا (اور ہم نے دنیا میں اس کو برگزیدہ ٹھہرایا) یہ اس برگزیدگی کی طرف اشارہ ہے جو ان کو دنیا کی قوموں کی سرداری و پیشوائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے منتخب اور جس کا ذکر آپرکت ۲۴ میں گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے سب کی امامت کے لئے منتخب فرمایا حق ہی ہو گا جو اس کی ملت کی پیروی سے اعراض اختیار کرے گا۔

صالحین کا لفظ قرآن مجید میں عام ہو گا کہ روئے کیلئے بھی استعمال ہوا ہے اور اس پورے زمرے کیلئے بھی استعمال ہوا ہے، جو انبیاء، صدیقین، و شہداء اور صالحین سب پر مشتمل ہے اس آیت میں یہ لفظ ہی ہو گا کہ معنی میں استعمال ہوا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی

تفسیر تدریج قرآن

(تفسیر آیت بسم اللہ و سورۃ فاتحہ)

جس کے مطالعہ سے

- قرآن مجید میں غور و فکر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔
- آیت بسم اللہ و سورۃ فاتحہ کی حقیقت و اہمیت واضح ہوتی ہے اور
- قرآن غیبی کی راہیں کھلتی ہیں قیمت پچھتر روپے (ملاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ: فکٹر ہشتاق، چانپورہ، اچھوڑا لاہور ۱۱

مطالعہ حدیث

عزلاً علیہم اذھار من حیث

حدیث کے ظنی ہونے کا مفہوم

حدیث کی عظمت و اہمیت گھٹانے اور انکار سنت کی راہ ہموار کرنے کے لئے عموماً ان آیات و روایات کا سہارا لیا جاتا ہے جن میں "ظن" کی مذمت اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ذیل کے مضمون میں "ظن" کی اصل حقیقت قرآن و سنت اور لغت عرب سے واضح کرتے ہوئے یقین و ظن کے لحاظ سے سنت و حدیث کا جو مقام ہے اس کو بھی متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(ع-ح)

"ظن" کی مذمت میں مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں۔

- | | |
|---|--------------------------------------|
| ۱) یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا | اے ایمان والو! گمان کی بہت سی قسموں |
| كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ۔ (ہجرات ۱۲) | بچو۔ |
| ۲) إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَمُودِي الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ | وہ مشرکین صرف "ظن" اور اپنی خواہشات |
| مِنْ تَبَيُّمِ الْمُدَىٰ۔ (الجم ۲۳) | پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس |
| ۳) إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَ | کعب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے |
| إِنْ هُمْ إِلَّا يَخِرُّونَ (یونس ۱۱۶) | وہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی، وہ آ |
| ۴) وَمَا يَشْعُرُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا | بالکل سے کام لیتے ہیں۔ |
| ظَنًّا، إِنْ أُنْفِئَ لَا يُخَيِّنُ مِنَ الْحَقِّ | ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی |
| | میں۔ بلا شبہ ظن حق سے کچھ بھی |

شیخ

(پرنس ۳۶)

نہیں کرتا۔

(۵) وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا
الدُّنْيَا نَمُوتُ وَغَيْرُ مَا يُصَلِّتُ
إِلَّا التَّائِبُ وَمَا لَكُمْ بَيْنَ اللَّهِ
مِنْ عِلْمٍ، إِنَّ هُمْ إِلَّا يَتْلُفُونَ
(۶) إِنَّ نَظْنَ إِلَّا ظَنًّا وَمَا
تَحْتِمْ يَتْلُفُونَ۔ (ماثیہ ۳۲)

اللہ کا انہوں نے نہیں وہ مگر دنیاوی زندگی۔
ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ اور ہمیں
ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ، اور ان کو اس کا کچھ بھی
علم نہیں اور صرف ظن و تخمین میں مبتلا ہیں۔
ہم صرف گمان ہی کہتے ہیں اور ہم یقین
نہیں رکھتے۔

(۷) وَلَا تَقُفْ مَا كَيْتَ نَفْ
بِهِ عِلْمٌ۔ (ابن ابراہیل ۳۶)

جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے
مرت پڑو۔

ان آیات کے علاوہ بخاری و مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔
اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ
أَكْذَابُ الْحَدِيثِ،
ظن سے بچو، بیشک "ظن" سب سے
بڑا جھوٹ ہے۔

مذکورہ بالا آیات اور حدیث میں "ظن" کے مفہوم کو متعین کرنے
کیلئے ضروری ہے کہ اس کی اصل حقیقت کو لغت عرب
اور قرآن حکیم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔
اہم راغب کہتے ہیں۔

الظن اسم لما يحصل من
امارة و متی قوت اذت الی
العلم و متی ضَعُفَتْ حِجْدَا
لَمْ يَتَجَاوِزْ حُدُودَ الشَّوْهِمِ۔
علامات و قرائن سے جو شے حاصل ہو اسے
ظن کہا جاتا ہے۔ اگر یہ علامات و قرائن قوی
ہوتے ہیں تو ظن کی سرحد علم و یقین سے مل
جاتی ہے اور اگر یہ قرائن بہت ہی زیادہ کمزور
ہوں تو پھر انتہائی مدبجہ دیم ہے۔

یعنی علامات و قرائن کی قوت و ضعف کے لحاظ سے ظن کے درجات و مراتب مختلف

ہیں۔

ظن کے مراتب و اقسام | کسی شئی کے وجود یا عدم پر قرائن و علامات انتہائی قوی اور شکوک و شبہات سے بالاتر ہوں تو ظن کی یہ شکل یقین

کے ہم معنی ہے۔ قرآن مجید میں ظن بمعنی یقین متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (الف)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآتَيْنَاكَ آيَاتٍ مِنْ فَضْلِنَا (ہود ۲۱)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْآْخِرَ (بقرہ ۲۶)

مَلَاقُوا رَبَّهُمْ وَالَّذِينَ يَحْكُمُونَ (بقرہ ۲۶)

حق میں تھے کہ حضرت عائشہ کا دامن اس قسم کی تمہت سے پاک ہے۔

(ب) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اِنْ
يَتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُعِيْمَا حَدَّ
اللّٰهِ۔ (لقہ ۲۳۰)

دو دنوں میں بیوی پر کوئی حرج نہیں ہے
کہ وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر انکو یہ گمان ہو کہ وہ
اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم کر سکیں گے۔

طلاق رجعی کی شکل میں میاں بیوی سے کہا جا رہا ہے کہ اگر دو دنوں اپنے حالات
اور قرآن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم کرنے پر آمادہ ہوں اور اس گئے لئے گمان
غالب کی حد تک روشن امکانات موجود ہوں تو میاں بیوی اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔

(س) ظن یعنی شک، یعنی کسی چیز کے وجود اور عدم پر یکساں قرائن و علامات موجود ہوں
دو دنوں میں سے کسی ایک کے قرائن کو ترجیح دینا ناممکن ہو۔ مثلاً ارشاد باری ہے۔

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ
لَيَنْتَقِبْ عَنْهُ مَا لَمْ يَمْ
مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتَّبَعَ الظَّنَّ وَ
مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا۔ نسا

اور انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا۔

اور بلاشبہ جن لوگوں نے اس (عیسیٰ علیہ السلام)
کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ اس کی جانب
سے شک میں ہیں ان کے پاس اس کے بارے میں
کوئی علم و یقین نہیں ہے۔ سوائے ظن کی پیروی کے

اس آیت میں یہود کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے سلسلے
میں ان کے اذال و آراء کی بنیاد شک پر ہے، علم و یقین پر نہیں ہے۔ اسی شک اور
عدم علم و یقین کو اتباع ظن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس آیت
میں ظن یعنی شک استعمال ہوا ہے۔

شک کے مفہوم کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو مقررات راجب ص ۲۶۶ الشک
اعتدال النقیضین عند الانسان و تساوہیما و ذالک قد یکون لوجود امارتین متساوئتین عند
النقیضین او لعدم الامارة منہما۔

(د) ظن بمعنی دھم یعنی ایسا خیال و گمان جس کی بنیاد کسی دلیل پر نہ ہو بلکہ واضح نص اس
کے خلاف موجود ہو۔

مضمون کے شروع میں جن آیات کو نقل کیا گیا ہے ان میں اسی قسم کے بے بنیاد وہم و خیال کی مذمت کی گئی ہے۔ اور حدیث میں اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۵) ظن بمعنی تہمت، جیسا کہ ایک قرأت میں ہے۔ وما ہو علی الغیب بظنین۔ سورۃ تکویر بیان ظنین، متمم کے معنی میں ہے۔ قرآن و سنت کی مدد میں ظن کی تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم مذکور اور قابل اعتبار ہیں اور اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے طے جلتی ہیں۔ مذکورہ بالا زیر بحث آیات پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیت نمبر (۱) میں فرمایا گیا ہے کہ گمان کی بہت سی قسموں سے بچو، معلوم ہوا کہ گمان (ظن) کی ہر شکل قابل مذمت نہیں ہے، اس لئے بعد میں ارشاد ہوا۔

ان بعض الظن اثم۔ بلاشبہ گمان کی بعض صورتیں گناہ ہیں۔

آیات (۲-۳-۴) میں مشرکین کے عقیدہ شرک اور ان کے مشرکانہ اقوال اور رسوم و رواج کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں ان کے عقائد کی بنیاد ظن و تخمین کو قرار دیا گیا ہے، یعنی ان کے ان عقائد و رسوم کی پشت پر کوئی قابل اعتماد دلیل موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اس کے برعکس شرک کی تردید اور توحید کے اثبات میں نہایت قوی عقلی اور کائناتی دلائل و قرائن موجود ہیں۔ آیت (۵) میں حشر و نشر کے انکار کو "ظن" یعنی بے بنیاد وہم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ حشر و نشر (زندگی بعد موت) کا ثبوت متعدد عقلی اور نقلی دلائل و براہین سے واضح ہو چکا ہے۔ اس کا انکار کسی یقین اور علمی استدلال پر مبنی نہیں ہے۔

آیت (۶) میں مشرکین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا، آیت (۷) میں ان باتوں کے پیچھے پڑنے اور ان کے پارے میں زبان کھولنے سے منع کیا گیا ہے۔ جن کی بنیاد وہم و خیال پر ہو اس لحاظ سے یہ آیت، آیت نمبر (۱) کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح حدیث "لا یأکم والظن" میں اس ظن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو شکی اور وہمی مزاج کی پیداوار ہو۔

"ظن" کے یہ مراتب اقسام اسی طرح ہیں، جس طرح کہ یقین کے متعدد مراتب و اقسام قرآن مجید سے معلوم ہوتے ہیں۔

مراتب یقین | قرآن مجید میں یقین کے تین مراتب و منازل بیان کئے گئے ہیں۔ علم یقین، عین یقین اور حق یقین۔

امام ابن تیمیہؒ نے ان تینوں مراتب کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”علم یقین“ علم کے اس درجہ کا نام ہے جو کسی شخص کو کسی کلمات سننے، کسی دوسرے شخص کے بتلانے اور کسی امر میں قیاس اور غور و فکر کرنے سے حاصل ہو۔ پھر جب اسے آنکھوں سے مشاہدہ اور معائنہ کر لے گا تو اسے عین یقین کا مرتبہ حاصل ہو جائیگا اور جب دیکھنے کے بعد اسے چھوئیگا، محسوس کر لیگا، اُسے چکھیگا اور اس کی حقیقت کو پہچان لے گا تو اسے حق یقین کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ علم یقین کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے خبر دی کہ فلاں مقام پر شہد ہے اب راہی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرنا علم یقین ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ خود آنکھوں سے شہد کے چہرے کا مشاہدہ کر لیا جائے یہ عین یقین کا مرتبہ ہے یہ درجہ پہلے مرتبہ کی بہ نسبت اعلیٰ اور یقین و اذہان کے لحاظ سے اونچا مقام رکھتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ لیس المخبّر کالمعائن، یعنی جو کان سے سن لے وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو آنکھ سے دیکھ لے، حق یقین کی مثال یہ ہے کہ کسی نے شہد کو مکھ کر اس کا مزہ اور اس کی مٹھاس محسوس کر لی۔ یہ تیسرا درجہ دوسرے درجہ کی نسبت ارفع و اعلیٰ ہے۔ اب یوں سمجھنا چاہیے کہ جہاں سے یقین کا ابتدائی درجہ شروع ہوتا ہے وہاں ظن کی اعلیٰ ترین قسم کی سرحد ختم ہوتی ہے۔ یقین سے یہ تینوں مراتب درجہ بدرجہ شریعت اسلامیہ میں مطلوب ہیں۔ لیکن ظن کی مذکورہ بالا پانچ اقسام میں سے دو یعنی ظن بمعنی یقین اور ظن بمعنی لمان غالب مستحسن نہیں بلکہ بعض حالات میں ان پر اعتماد کرنا واجب ہے۔ باقی رہیں انہی بن قسمیں تو ان سے احتراز واجب و حذر ہے۔ اصولی حدیث کی کتابوں میں حدیث کو قی یا مفید کہا گیا ہے۔ اس سے مراد ظن کے پہلے یا دوسرے معنی ہو سکتے ہیں نہ کہ تیسرے یہ چوتھے معنی۔

واضح رہے کہ لمان غالب کے لحاظ سے مفید ظن روایات کو اخبار آحاد کہا جاتا ہے یا ایسی حدیث جن کے راوی تعداد کے اعتبار سے حد تو اتنے کم نہ ہونے ہوں۔

مخبر جو اس حدیث کو کہتے ہیں جن کے مادی ہر دور میں اتنے زیادہ رہے ہوں کہ عادتاً ان کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ناممکن ہو۔

اب یقین کے مختلف مراتب اور ظن کی متعدد صورتوں کے اعتبار سے حدیث کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

(۱) ایسے عملی مسائل پر مشتمل احادیث جو امت میں شروع سے اب تک بغیر کسی اختلاف کے ایک دور سے دوسرے دور میں منتقل ہوتی رہی ہیں۔ مثلاً اذان و اقامت کے کلمات، صبح کی دو رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں، اور عصر کی چار رکعتیں، رکوع و سجود کی تعداد، اس قسم کے بیسیوں وہ امور ہیں جو حدیث کی مستند کتابوں میں درج نہیں اور ان کی تائید میں پوری امت کا تعامل (عمل و درآمد) بغیر کسی شاہد اختلاف کے موجود ہے۔ سنت و حدیث کا یہ وہ سرمایہ ہے جس کا یقینی پہلو قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کی طرف محکم اور مضبوط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے کاتبوں اور حافظوں کی تعداد اگر ہر دور میں لاکھوں رہی ہوگی، تو نمازیوں اور روزہ رکھنے والوں کی گنتی کروڑوں سے کم نہ ہوگی۔ تو اتر اور راویوں کی ان گنت تعداد کے لحاظ سے حدیث کا یہ سرمایہ قرآن ہی کی طسرت یعنی ہے۔ اس کا انکار خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے۔

حدیث کا یہ سرمایہ شک و شبہ سے بالاتر ہونے کے اعتبار سے حق الیقین کا مقام رکھتا ہے۔

(۲) تواتر کی دوسری قسم علم کی اصطلاح میں تواتر طبقہ عن الطبقہ کہلاتی ہے یعنی ایک دور کے ان گنت افراد دوسرے اور بے شمار لوگوں کی طرف کامل اتفاق کے ساتھ کسی بات کو منتقل کرتے ہیں۔ اس کی واضح مثال قرآن مجید کا ایک دور سے دوسرے دور کی طرف تواتر کے ساتھ منتقل ہونا ہے یہ قسم بھی حق الیقین کے درجہ میں ہے۔

(۳) تواتر اسناد۔ یعنی حدیث کا ایک متن متعدد سندوں سے مروی ہو، یہ تعداد بھی اتنی ہو کہ حدیث تواتر تک پہنچ جائے۔ مثلاً حدیث من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعداً من النار (یعنی جس شخص نے جو کچھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے)۔

یہ روایت ۶۲ صحابہ سے منقول ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ایک دوسری تحقیق کے مطابق صحابہ کی تعداد ستو سے بھی متجاوز ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ ابن اصلاح ص ۱۳۵

اسی طرح ختم نہایت پر احادیث ۵۰ صحابہ سے مروی ہیں جن میں سے تیس صحابہ کے اسمائے گرامی صحاح ستہ میں ملتے ہیں۔ مقصد فتح الملکم شرح مسلم ص ۴۷ (۴۷) تو اتر قدر مشترک یا تو اتر معنوی۔ یعنی کسی واقعہ کے بارے میں منقول تمام جزئیات و تفصیلات تو حدیث تو اتر کو نہیں پہنچتیں۔ لیکن مختلف روایات میں جو قدر مشترک پایا جاتا ہے اس کے متواتر ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا جاسکتا، مثلاً حاتم طائی کی سخاوت کے بارے میں جو تفصیلات زبان زد عوام ہیں وہ سب کی سب متواتر نہیں ہیں، لیکن ان سب باتوں و واقعات میں ایک بات قدر مشترک کی حیثیت سے پائی جاتی ہے اور وہ ہے حاتم کی بے پناہ جود و سخا۔ اس کا انکار بدایت کے انکار کا ہم معنی ہے سنت کے مستند ذخیرے میں اس تو اتر کی نمایاں مثال احادیث معجزات میں۔ یہ روایات اپنی سند اور راویوں کی تعداد کے لحاظ سے متواتر کی حد سے کم ہیں لیکن ان میں جو قدر مشترک پایا جاتا ہے اس کے متواتر ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان احادیث میں یہ بات قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسے افعال کا صدور ہوا ہے جو خارق عادت اور سلسلہ سباب سے ماہیاد ہیں۔

حدیث کی اقسام (۴، ۳)، سے یقین و اطمینان کی وہی کیفیت حاصل ہوتی ہے جو عین الیقین سے حاصل ہو سکتی ہے۔

حدیث متواتر کی ان اقسام کے بعد خبر واحد کا نمبر آتا ہے۔ راویوں کی تعداد اور ان کی بہت کے لحاظ سے اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ان میں سے بعض اقسام مفید یقین ہیں۔ ان سے علم الیقین کی سی اطمینانی کیفیت حاصل ہوتی ہے، اور بعض انواع مفید ظن ہیں، لہذا غالب کی حد تک انسان ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (باقی)

افادات غراہی
از جناب خلد مسعود صاحب

اصول تفسیر

اس مضمون کی دو سطریں جو پہلے شائع ہوئی ہیں نظم کلام کے نظری پہلو واضح کرتی ہیں۔
اس قسط میں علی پہلو پیش کیا گیا ہے اس لئے ان لوگوں کے لئے اس مضمون کا متعاضد شکل
ہوگا جنہوں نے قرآن کا بغور مطالعہ نہیں کیا اور جو نظم کی مشکلات سے واقف نہیں (ادارہ)

بعض علماء نے آیات اور سورتوں کی باہمی مناسبت
نظام اور مناسبت میں فرق کے باب میں کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔ لیکن

نظم قرآن کے باب خاص میں کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ میرے نزدیک نظام اور مناسبت
دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ مناسبت نظام کا محض ایک حصہ ہوتی ہے کیونکہ
آیات کی باہمی مناسبت کلام کے بارے میں کوئی مستقل بالذات چیز واضح نہیں کرتی۔ ایک
ایسا شخص جو محض مناسبت کا متلاشی ہو وہ آیات کی کسی ایسی مناسبت پر بھی قناعت کر
سکتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اول تا آخر پورے کلام کو منظم کرنے والی مناسبت سے غافل
ہو جائے۔ ایسا شخص پاس پاس کی ان دو آیتوں میں بھی نسبت تلاش کرنے لگے گا جیسا
آپس میں کوئی تعلق نہ ہو بلکہ ان میں سے ایک آیت کسی سابقہ سلسلہ بیان سے متعلق ہو
قرآن مجید میں اس طرح کے مواقع بے شمار ہیں۔ ان مواقع پر بڑے ذہین لوگوں کو بھی آیات کی
معلوم کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

نظم نے ہماری مراد سورہ کے اجزاء کی وہ باہمی نسبت ہے جس کے نتیجہ میں پوری سورہ
وحدت میں ڈھل جائے۔ اس کا تعلق ان سورتوں کے ساتھ معلوم ہو جائے جو اس کے
میں سے پہلے یا بعد میں کہ فاصلے پر واقع ہیں (کیونکہ میں ممکن ہے کہ جس طرح

آیت جلد مترصد کی حیثیت سے آجاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی مترصد سورتیں بن کر آتی ہیں ان کو معلوم ہو جانے کے بعد اول سے آخر تک پورا قرآن مناسبت و ترتیب رکھنے والا کلام معلوم ہوگا۔ اس سے یہ واضح ہوگا کہ نظام محض مناسبت یا محض ترتیب اجزاء سے لیکر نہ چیز ہے ہر منظم کلام کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے۔ جس کی طرف پورا کلام ٹوٹتا ہے۔

وحدانیت | اس نئے نظام وہی قابل قبول ہو سکتا ہے جو پوری سورہ کو ایک وحدت و نظام کہے اور اس کے تمام اجزاء ایک خاص مرکزی مضمون سے مربوط ہو جائیں۔

وحدانیت، مناسبت اور ترتیب کے پہلو سے کلام کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ ایک کلام وحدانیت رکھتے ہوئے بھی تناسب و ترتیب سے خالی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کتاب پند و نصائح کی جامع ہے اس میں دین و اخلاق اور معاشرت و سیاست کے متعلق متعدد اقوال بغیر کسی ترتیب کے جمع کر دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب گو وحدانیت سے خالی نہیں ہوگی اس کی وحدانیت کمزور رہے گی، کیونکہ یہ تمام تر پند و نصائح کے باب میں ہے لیکن اس کے باوجود اس میں تناسب و ترتیب کا نقصان ہوگا۔ اب اس کتاب کے اقوال کو دین و اخلاق وغیرہ کے الگ الگ ابواب میں تقسیم کر کے کتاب تصنیف کرو تو اگر اس کتاب میں تناسب ہوگا لیکن وحدانیت حسب سابق کمزور رہے گی۔ انہی نصائح کو کلیدہ و دمنہ کے فنج پر ایک جامع قصہ کی شکل میں جمع کر دو تو مجموعی طور پر اگرچہ یہ تصنیف کمزور وحدت رکھتی ہوگی لیکن الگ الگ اس کے ہر باب میں وحدت پائی جانے گی۔ پند و نصائح کے اسی مواد کو جب حسن ترتیب اور مناسبت کے ساتھ ابواب میں تقسیم کر دو گے اور کلام کو اس طرح مرتب کر دو گے کہ یہ تمام کا تمام ایک خاص موضوع سے متعلق ہو جائے اور اس کے تمام اجزاء میں باہمی مناسبت پیدا ہو جائے تو اب یہ کتاب کمال نظام رکھنے والی ہوگی۔ گویا کلام کے حسن ترتیب اور حسن تناسب کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط وحدانیت بھی حسن نظام کی ایک ضروری شرط ہے۔

نظام اور وحدانیت رکھنے والے ہر کلام کا ایک **عمود کی خصوصیات اور اس کی تعیین** | عمود ہوتا ہے۔ یہ پورے خطاب کے تمام مطالب کا جامع اس کلام کا مقصد و مطلوب اور حاصل ہوتا ہے۔ عمود، کلام کی ترتیب کا کوئی جزو نہیں ہوتا

بلکہ اس میں صریح کی طرح جاری ہوتا ہے۔ یہ ایک منطقی نتیجہ اور مرکزی مضمون ہوتا ہے جس کی شرح و تفصیل اور دلیل کلام کی ایک ایک سطر پیش کرتی ہے۔ عموماً کا اختصار و سادگی اچھا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے معلوم کرنے کے لئے کلام پر گہرے فکر و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے ٹھیک ٹھیک واقعہ ہونے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ آدمی نظم کلام میں غور کرے، جملوں کے در و بست کو سچانے اور کلام کے مطالب کا اچھی طرح احاطہ کرے۔ اس غور فکر کے بعد جو عود سمجھ میں آئے، اس کی روشنی میں دیکھے کہ مزید تفصیل میں جانے کے بعد بھی حسن نظام ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نظام کے ساتھ یہ مفروضہ عود ٹھیک بیٹھ جائے تو اسے اختیار کرے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو اسے ترک کر کے دوسرا عود تلاش کرے۔

عمود کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سورہ کے اندر اپنی حقیقت کے اعتبار سے سب سے عظیم الشان بات ہو۔ اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ ایک سورہ کی تمام آیتیں یکساں اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں۔ ان میں سے بعض آیتیں اپنے گرد و پیش کی آیت سے بہت زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔ ایسی آیات پر خاص طور پر غور کرنا چاہیے، ان کے محاسن و مطالب کی وضاحت کرنی چاہیے اور نظائر سے ان کی دلالت کو واضح کرنا چاہیے تاکہ لوگ ان پر اندسے بہرے ہو کر نہ گریں۔ عموماً ہماری مراد اس طرح کی عظیم الشان آیتیں نہیں ہیں۔ عموماً کے لئے عظیم الشان بات نہیں بلکہ سب سے زیادہ جامع بات ہو نا ضروری ہے کیونکہ وہ سورہ کے تمام مطالب کے لئے شیرازہ کا کام دیتا ہے۔ ہاں بیان کے لحاظ سے وہ سورہ کے اندر سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ نور کے اندر آیت اللہ نوح السوات والادمن... الخ کو سمجھئے۔ یہ کس طرح آفتاب نمایاں بن کر چمک رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سورہ کے اندر عموماً کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ایک بالکل ضمنی مضمون کی حیثیت رکھتی ہے مگر وہ عورتوں سے متعلق حسن ادب کی تعلیم ہے۔ اسی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ سورہ عورتوں کو پڑھانی جائے تاکہ وہ اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کو معلوم کر سکیں۔

سہروردی کی اس طرح کی عظیم الشان آیات لغت، اعراب، بلاغت، تدریج، فقہ، حکمت وغیرہ مختلف پہلوؤں سے نمایاں ہوتی ہیں۔ جس طرح ایک ٹیلے پر چلتی ہوئی آگ کی طرف آدمی

متوجہ ہو جاتا ہے، اسی طرح ان آیات کی طرف عمود کا ہر تلاشی پہلی ہی نظر میں متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب نظم کا ماحول کرنے کی غرض سے آدمی آیات میں تدریج کرتا ہے اور سیاق و سباق کی دلاتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اس وقت ان نمایاں آیات کے بجائے بعض دوسری آیات ابھر آتی ہیں جو دوسرے پہلو سے عظیم الشان ہوتی ہیں۔

عمود ہر سورہ کا ایک ہی ہوتا ہے لیکن یہی ایک بسا اوقات بہت سی چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ مثلاً سورہ حجرات کے عمود کو لو۔ ہے یہ ایک ہی بات۔ گو لغت میں ہم اس کے لئے ایک ہی جامع لفظ نہ پاسکیں۔ تعبیر مطلب کے لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس سورہ میں بدخلقیت پر بلاست اور جھڑکی ہے، عام اس سے کہ وہ بدخلق خیال سے تعلق رکھتی یا قول سے یا عمل سے۔ چنانچہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گونگو میں سبقت، آپ کی آواز پر آواز بلند کرنے، عام آدمیوں کی طرح آپ کو پکارنے، بے ضرورت اور بے موقع آپ کو زحمت دینے اور کسی غاصق کی اطلاع پر کسی قوم پر ٹوٹ پڑنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ پھر مسلمانوں کی دو جہانتوں میں اصلاح، ظلم کے خلاف مظلوم کی حمایت اور ان کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے ساتھ مسخرے ان کی عیب جوئی سے، تاثیر، انقلاب سے، بدگمانی سے، تجسس سے، غیبت سے، غرور سے، اداوائے پارسائی سے اور پھر سب سے آخر میں سب سے بدترین شے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اسلام کا احسان دھرنے سے روکا گیا ہے۔

سورہ کے عمود کی تعین اگرچہ اس کے نظام کی معرفت
عمود کی تلاش مشکل کیوں ہے؟ | کی کہنی ہے، لیکن یہ انتہائی مشکل کام، اس کے

لئے بڑے تدبیر چھان چٹک اور آگے پیچھے کی ہم معنوں سمجھنے پر اس وقت تک خور کرنے کی فرصت ہوتی ہے جب تک کہ عمود آفتاب کی مانند چمکنے نہ لگے، اس سے سورہ کا ایک ایک گوشہ روشن نہ ہو جائے اور ہر آیت کا موقع محل اور اس کی راجح تاویل متعین نہ ہو جائے۔ عمود کی تلاش کا یہ کام بوجہ مشکل ہے، ان میں سے چند اہم وجوہات کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تشابہ و مثالی نازل ہوا ہے۔ اس میں کئی سورتیں مشابہہ مطالب کی حامل ہوتے ہیں جیسے مختلف عمود کہتی ہیں یا اس کے برعکس ان کے مضامین غیر مشابہہ ہیں لیکن

محمد ایک ہی ہے۔ جب تک آدمی آن سورتوں کے معنائیں میں غمڑ کر کے راج عموذ نکال نہیں لیتا اس وقت تک اس کی حالت اس مسافر کی ہوتی ہے جو چوراہے میں کھڑا ہو اور جس راستہ پر بھی جائے اپنی منزل سے دور ہوتا چلا جائے۔

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا نے قرآن کو جس طرح عقائد و شرائع کے واجبات کی تعلیم کے لئے نازل فرمایا اسی طرح اس کا ایک مقصد تعلیم حکمت بھی رکھا ہے۔ یہ تعلیم حکمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں سے تھی، اسی لئے آپ کو خیر العالین بنایا اور وہ آیات عطا فرمائیں جو مکمل تعلیم ہیں۔ تعلیم حکمت کا یہ اصول ہے کہ یہ معارف کے القاد سے نہیں بلکہ فکر و عقل کے اس حد تک استعمال سے حاصل ہوتی ہے جس سے آدمی کی پوشیدہ قوتیں ظاہر ہو جائیں۔ چنانچہ جس طرح ہر تربیت کا اصول ہے قرآن کو ایک پہلو سے ظاہر و واضح بنایا لیکن دوسرے پہلو سے اسے باطن اور سریتہ ساز رکھا تاکہ لوگ اپنی اپنی ہمت و کوشش کے مطابق اس کے باطن کے ماریج پر ترقی کرتے جائیں۔ قرآن مجید کا نظام غور و فکر کا اصل ہے اور عموذ بالکل محض۔ اگر سورتوں کے عموذ واضح کر دیے جاتے تو نظام سمجھنے میں کوئی وقت نہ ہوتی، لیکن اس طرح قرآن تعلیم حکمت کی غرض کو پورا نہ کرتا۔ عقلوں کی آزمائش ہی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے عموذ کو ثریا کی بلندی پر رکھ چھوڑا ہے۔

تیسری وجہ عموذ کے مشکل ہونے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا مقصد ہی سے قرآن مجید کو غایت درجہ مختصر بنایا لیکن اسے حکمتوں سے سمور کر دیا۔ اس کے عالی معنائیں بعد گراں قدر مطالب کی بنا پر ایک قاری متحیر ہو جاتا ہے۔ کیسا اہمیت کی چیزوں میں سے اس کے لئے ایک عموذ کا انتخاب اسی طرح مشکل ہو جاتا ہے جس طرح بہت سارے عموذ جو ہر کی موجودگی میں یہ فیصلہ مشکل ہو رہا ہے کہ ان میں سے کس کو ترجیح دے کر اسے ہار کے وسط میں جگہ دی جائے۔

فہم و افہام کے نظم کے جو متعدد پہلو ہو سکتے ہیں ان

نظم کا تعلق تاریخ سے

میں سے ایک پہلو ڈالنے کا ترتیب بھی ہے مثلاً دعوت

کے دوران میں اس پہلو سے نظم میں اور ایک دوسرے سے بحث کر نہیں

آتے۔ اسی طرح ہجرت کے موقع یا اس کے بعد کے واقعات ہیں، پھر مدینہ کی ریاست یا فتح مکہ اور اس کے بعد کے زمانہ کے مسائل ہیں۔ یہ سب معلوم و مشہور اور نمایاں ہیں۔ اسی زمانی بنیاد پر علما نے سلف نے کی مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے یا بعض کی آیات کو مدنی یا مدنی آیات کو مدنی کہا ہے۔ انہوں نے اس سے زیادہ تقسیم نہیں کی۔ اگر انہی کے اصول پر مزید غور کیا جائے تو ابتدائی دعوت، قبیل ہجرت یا فتح مکہ کے زمانہ کی آیات بھی پوشیدہ نہیں رہتیں۔ البتہ ایک زیادہ معنی پہلو پھر بھی باقی رہ جاتا ہے اور وہ مستقبل سے متعلق آیات کا نظم ہے۔ قرآن میں اس بات کے اشارات موجود ہیں کہ اس امت کو مستقبل میں کیا حالات درپیش ہوں گے اور انہیں کس چیز کی حاجت ہوگی۔ صحابہ ان اشارات سے واقف تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان اشارات کے مصداق بتایا کرتے تھے۔

موقع کلام اور نظام ایک اور چیز جو نظم نظام میں مدد دیتی ہے، موقع کلام کا تقنین ہے۔

موقع کلام میں ظاہر یا معنی اس کی دلالت موجود ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ اعلیٰ کی آیت سَنَقِرُ لَكَ ذِلاًّ تَنَشُّوْا کا نظم اس کے موقع پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور اس موقع کی دلالت سے آدمی اس وقت واقف ہوتا ہے جب تسبیح کے مواقع جانی لے۔ تسبیح کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تو اس موقع پر دیا جاتا جب آپ اپنی تعلیم کا اثر دیکھتے اور صحابہ کے اندر مطلوبہ صفات کا مشاہدہ فرماتے۔ اس موقع پر آپ کے لئے شکر و حمد واجب تھا۔ لہذا آپ کو تسبیح کا حکم ہوتا۔ مثلاً سورہ نصر میں یا مٰندِرْ جِزْیْلَ آیت میں ہے۔

وَلَمَّا خَلَّی عَلَى الْعَرْشِ الْحَکِیْمِ
الَّذِیْ مِیْرَاقَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ
تَقْبَلُکَ فِی السَّجْدِیْنِ (اشراء، ۲۷)

اور خلائے غالب و دانا پر توکل کر جو تم کو دیکھتا ہے جب تم اٹھتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے پھرنے کو بھی دیکھتا ہے۔ اسی بنا پر حضور کو اس وقت بھی تسبیح کا حکم دیا جاتا جب آپ صحابہ کو نماز پڑھتے، اتفاق کرتے اور آپ کی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے دیکھتے، جیسا کہ صحابہ کی یہ صفت بیان ہوئی کہ۔

سَمِعَ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ قَاتِلًا

ایک کشتی کی مانند جس نے اپنے کو بیل نکالی

فَاَسْمَعْ لَكَ فَاسْتَوْعَىٰ عَلَىٰ سُدُورِهِمْ
يَعِجِبُ السُّرَّاعُ (فتح ۲۶)
پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی۔ اندھ پھر
بہی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اندر کی کیفیت معلوم
کو خوش کرنے۔

تبیینِ خلاق کے حکم کا دوسرا موقع وہ تھا جب عبد اللہ نے والوں کی مخالفت کے نتیجہ میں
آپ کو ملال ہوتا۔ یہ موقع صبر و ثبات، تسلی، استراحت اور اپنے ساتھیوں کی طرف رجوع کرنے
کا ہوتا۔ متعدد سورتوں میں اس موقع کی آیات آتی ہیں۔ سورہ اعلیٰ کے نزول کے زمانہ میں
یہ دونوں حالتیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ یہاں تم دونوں گروہوں — موافقین و مخالفین —
کا ذکر ہوا ہے۔ اسی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اس بات کا غلبہ تھا کہ مکہ میں کو چھوڑ کر ثلاث
قرآن اور نماز کو اختیار کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے شکر کی تسبیح کرتے خدا سے مدد طلب
کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی نصیحت کے کام کو جاری رکھنے کا بھی حکم دیا۔ فرمایا کہ وہی ہادی
اور کار ساز ہے جو تمہاری دعوت کو مفید بنائے گا اور تمہارا کام آسان کرے گا۔ وہی ہے جو
مخلوق کو اس کی تقدیر کی طرف لے جاتا ہے۔ بعض لوگ تمہاری دعوت سے نصیحت حاصل
کریں گے، دوسرے اس سے پہلو تہی کریں گے۔ تم خدا کے شکر گزار ہو کر کام کئے جاؤ اور
مخالفوں کی مخالفت کو خاطر میں نہ لانا۔ فرمایا :

فَمَنْ يَصْحُرْ اِنَّ نَفْعَتَ الْيَتَامَىٰ
پس یاد دہانی کرو اگر یاد دہانی فائدہ کرے۔

یعنی نہ ان کے پیچھے پڑو اور نہ انہیں بالکل ترک کرو کیونکہ یہ اپنے اپنے حالات کے
مطابق ہدایت یا غرور اور فلاح یا بد بختی کی راہ اختیار کریں گے۔

فہم نظام میں تمہید کا لحاظ
جس طرح بخوبی اعتبار سے ایک جملہ کے اجزائے ترکیبی،
مبتدا و خبر، فعل و فاعل اور مفعول و حال وغیرہ ہوتے ہیں
اسی طرح ایک کلام کے بھی اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں۔ اجمالی طور پر چار اجزاء ہوتے ہیں
— محمود۔ تمہید، نفس معنوں اور خاتمہ۔

جہاں تک تمہید کا تعلق ہے، کلام کے شروع میں اسے لانے کی ضرورت ہوگی اس وقت

.....

کے لئے اس کو تیار کرنے کی خاطر تمہیدی بیان پہلے لایا جاتا ہے۔ اگرچہ تمہیدی بنیادی ضرورت
یہی ہے۔ لیکن کلام میں اس کے بے شمار دوسرے پہلو بھی ہیں۔ اس کی مقدار بھی مختلف ہو سکتی
ہے اور اس سے فائدے بھی ان گنت حاصل کئے جاتے ہیں۔

تمہید کو اتنا طویل کرنا کہ وہ مقصود کلام کے بیشتر حصہ پر چھا جائے، پسندیدہ نہیں۔
لیکن ایک ماہر متکلم کلام کے مختلف طریقے اختیار کر سکتا ہے۔ وہ بات کو اس طریقہ سے پھیر
لے جائیگا جس کا مخاطبین کو سامان گمان بھی نہ ہوگا۔ کبھی وہ تمہید کو طویل کر کے یا تو اپنا مقصود
موزوں عبارت میں کہہ دے گا یا اسی تمہید کو اصل بات کہنے کا ذریعہ بنا لے گا۔ اور کبھی وہ
تمہید سے اصل معنوں کی طرف بتدریج آئے گا لیکن کلام کی تفصیل نہیں کرے گا۔ یہ بھی ممکن
ہے کہ اگر مخاطب مطیع و منقاد ہے تو وہ تمہید کو ترک ہی کر دے یا اگر قہر و غضب کی حالت
میں کوئی حکم دے تو مخاطب پر بجلی کی سی کڑک کے ساتھ ٹوٹ پڑے ان مولف کی مثالیں
تم سورۃ نذر یا سورہ تو بہ میں دیکھو گے یا پھر ان مواقع پر دیکھو گے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے براہ راست خطاب کیا گیا ہے۔

کوائف مدارس عربیہ مغربیہ پاکستان

دینی مدارس کی تاریخ اور جائزہ

مغربی پاکستان کے دینی مدارس کی تاریخ جائزہ اعداد و شمار سائے آٹھ صد صفحات پر مشتمل کتاب پہلی بار
دو سال قبل شائع ہوئی تھی۔ ملک ادیب بیرون ملک میں بندہ کی اس خدمت کو سراہا گیا۔ اس وقت دو صد کے قریب
مدارس کے کوائف چھپا نہ ہوئے تھے۔ دو سال کے دوران نئے مدارس قائم ہو گئے ہیں۔ اس عرصہ میں کچھ قدیم مدارس
نے بھی ترقی کے کئی مراحل طے کر لئے ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہو گیا کہ تمام قدیم و جدید مدارس کی تاریخ
از سر نو مرتب کروں۔

جن مدارس کے پتے معلوم ہو سکے اس مقصد کے لئے انہیں تیرہ صد کے قریب سوالنامے روانہ کر چکا
ہوں جنہیں نہ ملے ہوں اس پتے سے بلا قیمت طلب فرمائیں۔

حافظ علی احمد۔ تدریس نزل۔ علامہ محمد نگر۔ علامہ اقبال روڈ۔ لاہور



اسلام اور انسانی حقوق

(۳)

تقلید کی ممانعت جس طرح اسلام نے خود و فکر کی تعلیم اس لئے دی ہے تاکہ انسان سوچ بچار کے بعد صحیح راستہ اختیار کرے اسی طرح وہ تقلید اور ذہنی غلامی یعنی خود و فکر سے کام نہ لینے کو سخت ناپسند کرتا ہے اس کے نزدیک تمام خرابیوں اور باتوں کا یہی سرچشمہ ہے۔ اسی ملک مرض کا شکار ہو کر آدمی کفر و شرک، ضلالت و گمراہی اور نفاق و ادا بار کے عمیق غار میں گر جاتا ہے۔ ایجاد و ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روٹہ یہی ہے۔ اس سے تحقیق و اجتہاد ترقی و انکشاف اور ایجاد و اختراع کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ تقلید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے دل و دماغ کو کنوینشن و مفلوج اور ذہن و فکر کو ماؤف و مقفل کر دے اور صحیح و غلط کی تمیز کے بغیر صرف اسی پر اکتفاء کرے جو اس کے آباؤ اجداد یا قدیم رسم و رواج سے اسے ملا ہے۔ دنیا کی زندہ قومیں جو ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوتی ہیں ہمیشہ تقلید پر گریز کرتی اور خود فکر اور عقل و بصیرت سے کام لیتی ہیں۔ لیکن مردہ قومیں تقلید کا سہارا لیتی ہیں اور کامرانی کی منزل سے دور ہوتی جاتی ہیں۔

قوسے بچو و جہد گرفتند وصل دوست قوسے دگر حوالہ بتقدیر می کنند

اقبال کو بھی اسی لئے بجا طعنے پر شکوہ تھا کہ

آئین نور سے ڈرنا، طرز کس پہ چلنا منزل ہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

حقیقت یہ ہے کہ تقلید اور قدیم رسم و رواج کی غلط محبت سے زیادہ خطرناک اور ہلک کن چیز نہیں اسی لئے اسلام نے اسے بڑی گمراہی قرار دیا ہے۔ کفر و شرک اور ضلالت کا ادھار سب ہی ہے کہ انہی مذاہب کے لئے تیار ہوتا ہے اور اسے غلط اور گمراہی قرار

پر ایک لمحہ کے لئے نظر ثانی کرنا چاہتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم انسان میں تقلید کو انسانی صلاح کا اصل مبداء قرار دیتے ہوئے کیا خوب تحریر فرماتے ہیں۔

”ہر اصلاحی تحریک و دعوت کے لئے پہلی منزل تقلید کی بندشوں کو توڑنا ہے۔ کیونکہ تقلید کے اہر من سے بڑھ کر انسان کی تمام یزدانی خصائل کا ادب کوئی دشمن نہیں، انسانی اعمال کی جس قدر گمراہیاں ہیں ان سب کی تخم ریزی صرف تقلید ہی کی زمین میں ہوئی ہے اس لئے راہ اصلاح کا اولین منظر یہ ہے کہ تقلید پرستی کے سلاسل و اقدال سے انسان کو نجات حاصل ہو، خدا تعالیٰ نے ہر انسانی دماغ کو سوچنے والا اور ہر آنکھ کو دیکھنے والا بنایا ہے۔۔۔۔۔ تقلید سے پہلی ہلاکت جو انسانی دماغ پر چھا جاتی ہے وہ یہی ہے کہ انسان اپنے چند پیشواؤں اور مقتداؤں کی تعلیم یا آباؤ اجداد کے طریق و رسوم پر اپنے آپ کو چھوڑ دیتا ہے اور صرف انہیں کا تعبد کرتے کرتے خود اپنی قوتوں سے کام لینے کی عادت کو بھول جاتا ہے۔ اس عالم میں پہنچ کر اس کی حالت بالکل ایک چوپائے کی سی ہو جاتی ہے اور انسانی ادراک و تعقل کی تمام علامتیں مفقود ہونے لگتی ہیں۔ انسان کا اصلی شرف نوعی اور مابہ الاقبیاز اس کے دماغ کا تدبیر و تفکر اور اجتہاد و تحسین ہے سو دنیا میں جس قدر علوم و فنون کا انکشاف ہوا، قوانین الہیہ اور نوامیس فطریہ کے چہروں سے جس قدر پردے اٹھے، اشیاء کا کثرت کے خواص کا جو کچھ سراخ لگا، تمدن و مصنوعات میں جس دسجہ تر قیاں ہوئیں، نئے نئے آلے اور نئے نئے وسائل راحت جس قدر ایجاد ہوئے، غرضیکہ انسان کے ارتقاءئے ذہنی و فکری کے جس قدر کرشمے دنیا میں نظر آسکے ہیں، یہ تمام تر اسی انسانی تفکر و تدبیر کے نتائج ہیں، لیکن تقلید پرستی کی عادت ہلاکت و بربادی کی ایک چٹان ہے جو انسانی تفکر و تدبیر اور ادراک و تعقل کی تمام قوتوں کو کچل ڈالتی ہے اور اس کی قوت نشوونما کا دائمی سد باب کر دیتی ہے۔ قرآن کریم جس دعوت کو لے کر آیا فی الحقیقت اس کا اصلی مقصد یہی تھا کہ تقلید اور استبداد فکری کی زنجیروں سے انسان کو نجات دلائے۔ بت پرستی اور انسان پرستی کی تمام شاخیں بھی اسی تقلید آباء و رسوم سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس لئے قرآن نے اپنی تعلیم توحید کا اساس بھی انسان کی اجتہاد فکری پر رکھا اور تفکر پر زور دیا۔ اقلیت بدو قرآن ام علی قلوب اقلہا، مقلدین محض کو چاہیوں اور حیوانوں سے تشبیہ ی اور پھر اس کو بھی اہلِ مذہب کے لئے ناکافی قرار دے کر ان سے بھی بدتر فرمایا۔“

اسلام یہ بالکل صحیح ہے کہ حق و صداقت سے بعد خدا پرستی سے انحراف اور منکالت و گمراہی میں پڑ جانے کا دوسرا سبب یہی ہوا ہے کہ لوگوں نے رسم و عبادت اہل آباء و اجداد کی غلط اور اندھی پیروی کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ انبیاء و رسول کی تکذیب و استہزاء کے پس پردہ یہی جذبہ کار فرما تھا۔ چنانچہ جب بھی خدا کے پیغمبروں نے راہِ راست کی طرف بلایا اور عقل و فکر سے کام لینے پر زور دیا تو متقدمین اور مسلکِ آباء و اجداد کے شیفتگان نے عقل، فہم اور تجربہ کے واضح اور صریح فیصلوں کے خلاف یہی دلیل دی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَكُنَّا مِنْكُمْ مِّن قَبْلُ مَا أَنشَأْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي تَرْبِيَةٍ مِّنْ نَّسَبٍ إِلَّا قَالُوا مُتَرَفُّوهُمْ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (زخرف ۲۳)

اور ایسے ہی ہم نے تم سے پہلے بھی جب کسی ذرا خدائے والے کو کسی بستی میں بھیجا تو وہاں خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے آثار کی تقلید کر رہے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف تکمیل کرتے ہوئے فرمایا:

مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُم لَهَا عَاكِفُونَ (انبیاء ۵۲)

یہ کیسی تصویریں ہیں جن کے آگے تم جھکتے ہو۔

تو انہیں جواب ملا۔

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَاكِفِينَ (انبیاء ۵۳)

انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔

قیامت میں گم کردہ راہ لوگ اپنی منکالت و گمراہی پر نادم و شرمندہ ہونے کے ساتھ ہی یہ عندِ تک بھی پیش کریں گے کہ:

إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُنَّا آتَا فَاذَلُّوا (الزمر ۲۵)

ہم نے اپنے اکابر اور لیڈروں کی پھت مانی پس انہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔

مسلمانوں کی موجودہ فکری و علمی گمراہی اور علم و فن میں ان کا روز بروز انحطاط بھی ان کے مجبور و تعطل اور فکر و تحقیق سے بیگانگی کا نتیجہ ہے۔ مولانا ابوالکلام نے ترجمان القرآن میں اس پر اہم کر کے پورے لکھا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد معلوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ فوق ختم ہو گیا اور شواہد و نوادر کے علاوہ عام شاہراہ تقلید کی شاہراہ ہو گئی اس داء عضال نے جہم تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لئے قدم اٹھاتا کسی پیشرو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھا کرتا رہتا۔ اگر تیسری صدی ہجری میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو ضروری ہے کہ وہ نویں صدی کی تفسیروں تک برابر نقل و نقل ہوتی چلی آئے کسی نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ چند لوگوں کے لئے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کرے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے۔ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین کے حاشیوں کو دیکھو کہ ایک بنے ہوئے مکان کی لیب پوت کرنے میں کس طرح قوت تصنیف رائگاں گئی ہے۔ دیباچہ جلد اول مندرجہ قرآن مجید کی بنیاد تمام تر عقل پرست ہے۔ یہ مسلمات اور ثابت شدہ حقائق کو بھی بیان کرتا ہے تو دلائل اور شواہد کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ توحید، رسالت اور محاد کا تذکرہ اس میں جملہ وجوہ و دلائل کے ساتھ ہوا ہے۔ نجات و سعادت کی راہیں بتائی گئی ہیں تو ان کے اسباب و دلائل کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس دین حق کی تبلیغ و ہدایت فرما رہے تھے اسے آپ نے پوری بصیرت، کمال الطینان اور ہنایت شرح صدر کے بعد اختیار کیا تھا۔

قُلْ هٰذَا صَبِيۡٓءِیْ اَدْعُوۡنِیْۤ اِلَیۡ بُصَیۡرَۃٍ اَتَذٰکُمۡۤ اَنۡکَلَمَیۡنَ اَتَذٰکُمۡۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَکُمۡ شُرَکَآءُ مِثْلُکُمۡۚ

کے شرک و بت پرستی، بیود و نصاریٰ کی ضلالت اور حق پرستی سے دیدہ و دانستہ انحراف اور دوسرے مذاہب اور فرقوں کی عام گمراہیوں کے خلاف آواز اٹھانا اور ان کے عقائد فاسدہ اور افکار باطلہ کا رد کرتا ہے تو برہان و استدلال سے کرتا ہے۔ وہ اسلام کی حقانیت اور قرآن کی صحت کو بھی زبردستی اور دھاندلی سے نہیں منواتا۔ لیکن الروایع و دلائل اور صریح شہادتوں کے بعد کوئی قلب ایمان کا لذت شناس نہیں ہوتا اور اس کی چشم مست کو سراج منیر کی روشنی نظر نہیں آتی اور نہ اس کے کانوں میں صدائے حق کی دلکشی گھر کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہندی اور مہٹ دھرم ہے اور اس نے اپنی قوت فکر و عمل اور صلاحیت ادراک تعقل کو مغلوب کر دیا ہے اس لئے اس میں اور چوپایوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ وہ ان سے بھی بدتر

اسلام کو راہ ہے۔

وَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ
الْبَشَرِ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ
بِمَا ذُكِّرُوا بِهِ لَا يَصْبِرُونَ بِمَا
وَكَّلَهُمْ أَذْنًا لَا يَسْمَعُونَ وَمَا أُولَئِكَ
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ
هُمُ الْغَافِلُونَ (احزاب ۱۷۹)

اور ہم نے دوزخ کے لئے اکثر جن وانس پیدا
کئے جن کے دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں۔
انکھیں ہیں تو ان سے دیکھتے نہیں اور ان سے ان
سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چربایوں کی طرح سے
ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور یہی لوگ دراصل
غافل اور بے خبر ہیں۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہو گا۔ کہ قرآن مجید کو انسان کی آزاد مٹی فکر کا کس درجہ خیال
ہے اور وہ اسے کسی حال میں پسند نہیں کرتا کہ آدمی اپنی عقل و فہم کو استعمال کرنے میں کوئی دقیقہ
باقی رکھے اور تقلید کا سہارا لے۔

رسول اکرم بھی داعی فکر و نظر تھے جس طرح قرآن مجید سرِ پا دعوتِ فکر و نظر ہے
اسی طرح اس کا حامل اور شارح بھی عقلِ انسانی

کامربہ اور اسے فقہ و اجتہاد اور استدلال و بصیرت کی بہترین صلاحیت بخشنے والا اور خود بخود
اور فکر و نظر کی اہمیت بنانے والا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے مختلف انالیٹک فقہ و عقل کی دعوت دی ہے، فرمایا: مَنْ يَرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا
يَهْدِهِ فِي الدِّينِ (جس کے ساتھ خدا بھلا کرنا چاہتا ہے اسے فقہ و اجتہاد کی صلاحیت بخشتا ہے)
ایک مرتبہ آپ نے لوگوں سے فقہ و بصیرت اور دین و حکمت کی باتیں سیکھنے اور دوسروں
کو سکھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: فَرَبِّ مَا لِي فَقْهُ الْإِسْلَامِ فَقْهُ مَنْهُ (یعنی سمجھ کی بات
کے بعض تمہلین اسے اپنے سے زیادہ سمجھ دار کے حوالہ کرتے ہیں۔)

بعض اوقات آپ صابغہ سے غنی امور کی مناسبتیں دریافت کرتے اور اس قسم کے سوالات
کرتے تھے جن۔ ان کا داغ غور و فکر کا عادی بنے چنانچہ ایک مرتبہ دریافت فرمایا کہ درختوں میں
کونسا درخت مومن سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے؟ آپ نے عبادت و ریاضت کے کاموں کو
سورج سے کم کر دیا اور کہنے کی تاکید کی۔ فرمایا:۔

الاخیر فی عبادۃ لیس فیہا تفقہ ولا علم لیس فیہا تفہم ولا قنواۃ لیس فیہا تدبیر۔ آگاہ رہو کہ جس عبادت میں بھی اور جس علم میں فہم اور جس تدبیر شامل نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس کوئی معاملہ فیصلہ کے لئے آئیگا تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پوچھا اگر اس میں اس مسئلہ کا حل نہ ملا تو کیا کرو گے، جواب دیا۔ خدا کے رسول کی سنت میں اسے تلاش کروں گا۔ آپ نے پوچھا اگر سنت سے بھی وہ مسئلہ حل نہ ہوا تو؟ حضرت معاذ نے کہا۔ اجتہد سیراقی دلا آؤ (اپنی فہم اور سوچ بوجھ کے مطابق اجتہاد کروں گا اور پوری کوشش و کاوش سے کام لوں گا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ جواب بہت پسند آیا اور آپ نے نہایت مسرور ہو کر فرمایا۔ الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ لساہل رضا، اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے ایلچی کو اس بات کی توفیق دی جو اسے پسند ہے۔

قرآن مجید کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کے سامنے مسلمات، حقائق، صحیح براہین اور دلائل و شواہد رکھتے تھے تاکہ وہ کامل خود فکر کے بعد کوئی راہ اختیار کریں اگر دین کی دعوت پر لبیک کہیں تو اس لئے کہ ان کی عقل کو بھی وہ اپیل کر رہی ہو، اگر اسلام قبول کریں تو اس لئے کہ یہی ان کے دل کی آواز ہو، خیر کی طرف ان کا رجحان اس لئے ہو کہ ان کا ضمیر اس کا مطالبہ کرے۔ برائی سے نفرت کریں تو اس کے لئے کہ ان کا شعور بھی اس سے نفرت کر رہا ہو۔ شرک و ظلم سے پرہیز کریں تو اس لئے کہ ان کا ادراک و عقل انہیں اس سے پرہیز کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔ غرضیکہ بعد قبول اور ترک و اختیار کے ہر معاملہ میں خود ان کا دل اور ان کی عقل پورے طور سے مطمئن ہو۔ اسی مفہوم کو آپ نے اپنے جامع الفاظ میں اس طرح ادا فرمایا ہے :-

لایکن احدکم امة یقول انا مع الناس
 احسن الناس احسن، وان اسأذا
 سات و لکنہ و طخوا انفسکم ان احسن
 تم میں سے کوئی شخص طیفی بن کر یہ نہ کہے گا کہ میں
 لوگوں کے ساتھ ہوں اگر وہ اچھا کام کریں گے تو
 میں بھی اچھا کروں گا اور اگر برائی کریں گے تو میں بھی برائی

ہم اس ان تحسنا وان اسامہ ان
محبوبہ اسامہ
کو نگاہ بکھریں اس بات کا مادی بننا چاہیے کہ اگر لوگ چاہا
کیجئے تو تم بھی چھا کر وہ اندر گروہ را کریں تو تمہیں ان کے سود
سے بچنا چاہیئے۔

اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق کی
تلاش میں اگر آدمی کی فکر و تحقیق اگر غلط بھی ہو جائے تو اس پر بھی آدمی کو ایک اجر ملے گا۔ باقی
رہے وہ لوگ جن کا اجتہاد درست ہوتا ہے ان کے لئے دوہرا اجر رکھا گیا ہے۔ علم کی تحصیل
پر بھی اس لئے زور دیا گیا ہے کہ اس سے غور و فکر، استدلال و استنباط اور نظر و بصیرت کی صلاح
پیدا ہوتی ہے۔ علم اگر صحیح ہے تو اس سے صحیح فکر پیدا ہو گا اور اس طرح حقیقت حال تک
رسائی اور خدا کی معرفت و نشیت حاصل ہوگی۔

غور فرمائیے قرآن کا حامل و شارح کس طرح فکر و نظر کی دعوت دیتا اور عقلی انسانی کی تربیت
کرتا ہے۔ اس کا منشا انسان کے فکر و خیال کی آزادی نہیں تو کیا ہے؟

جن لوگوں کو رسول کریم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع ملا ہے
صحابہ اور آزادی فکر اور آپ نے ان کی عقل و ذہنی تربیت فرمائی ہے۔ ان کے ارشادات
سے بھی عقل و فہم سے کام لینے کی اہمیت اور اس کے بالمقابل تقلید اور پابندی رسم و رواج کی
شناخت ظاہر ہوتی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور قرآن کی روح سمجھنے والوں اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو مکمل اسوہ اور نمونہ بنانے والوں کے نزدیک بھی
انسان کی آزادی فکر کی بہت اہمیت ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے صرف اس قدر ارشاد
کو دینا کافی ہے کہ خلفائے راشدین کبھی اپنی ذاتی رائے اور فیصلہ کو کسی پر بخوبی نہیں چاہتے تھے
بلکہ تمام امور و مسائل اور مسائل میں عام صحابہ سے مشورہ کے بعد ہی کوئی فیصلہ صادر کرتے تھے۔
یوں ہی اس زمانہ میں آدمی کا فکر جس طرف اس کی رہنمائی کرتا تھا، انفرادی طوع پر وہ اسی پر عمل
کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور قاضی شریح کو خطوط لکھے تو ان میں انہیں نقد
بصیرت اور اجتہاد و لفظ سے کام لینے کی تلقین کی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام جو خط لکھا تھا اس
کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔

واعرف الاشياء والامثال وقس الامم (اشیاء کے ماہرین) عنایتوں اور مشابہتوں کو سمجھو اور معاملات و امور میں درست اندازہ لگاؤ۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے :

ایک دم والاستان بالرجال لوگوں کی تقلید اور نقل سے بچو۔

مشہور فقیہ اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے :

الا لا یقلدن احدکم دینہ رجلا ان آمن آمن وان کفر کفر فان لا اسوة فی الشر۔
خبردار! تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کے معاملہ میں کسی کی تقلید نہ کرے کہ اگر وہ ایمان لائے تو میں بھی ایمان لاؤں گا اور اگر وہ نکال کر دے تو میں بھی نکال کر دے گا۔

کیونکہ شر میں تقلید درست نہیں۔

ایک بزرگ عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔

لا فرق بین بصیة تنقاد و انسان یقلدہ
میلے اور باگ میں لگے ہوئے چرپائے اور مقلد انسان یقلدہ۔

ان ارشادات کا اس کے سوا اور کوئی منشا نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو دل و دماغ دیا ہے تو اسے اس سے سوچنا، سمجھنا اور غور کرنا چاہیے۔ دوسرے کی فکر و بصیرت کا بلاوجہ پابند نہ ہو اور اپنے ذہن و عقل کو زنگ آلود نہ ہونے سے بچائے۔

مسلمانوں میں جب فکر و نظر، غور و خوض، استدلال و استنباط اور فقہ و بصیرت سے کام لینے کا عام مذاق و رواج تھا اس وقت علم و فن کے ساتھ ساتھ خود وہ بھی ترقی کر رہے تھے، لیکن جب سے تجسس و تلاش اور جستجو و تحقیق سے کام لینا بند کر دیا گیا ہے ہر قسم کی خرابیاں اور گریباں ان میں گھر کرتی جا رہی ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب خیر بات یہ ہے کہ جن ائمہ و فقہاء کی تقلید کو جزو ایمان سمجھ لیا گیا ہے اور اپنے محبوب مسلک کی حقانیت اور متعین اہم کی عصمت پر بحث و جدال کے بڑے بڑے معرکے سر کئے جا رہے ہیں خود انہوں

کے کسی اپنی اندھی تقلید کی اجازت نہیں دی۔ امام مالک کا مشہور قول ہے: "میرے رسول خدا کے ہر شخص کے قول میں رد و بدل کی گنجائش ہے۔" امام شافعی نے فرمایا ہے کہ میرے قول کے مقابلہ میں اگر کوئی حدیث تمہیں مل جائے تو اسے اختیار کر لو اور میرا قول دلو اور پردے مارو۔ امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ صحابہ کے بعد جن لوگوں کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں ان میں تو بہر حال نظر و فکر کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جن رجال وہم رجال۔ خود آپ نے اپنے مسلک کو بلا دلیل باتنے کی اجازت نہیں دی۔ آپ کے دو عزیز شاگردوں سے زیادہ بڑھ کر کون آپ کا قدر دان ہو سکتا ہے لیکن ان دونوں نے کئی مسائل میں اپنے شیخ سے اختلاف کیا اور امام ابو یوسفؒ نے تو ملکیہ معاملہ میں اپنے امام کے مسلک کو ترک اور امام مالک کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر آج امام ابو حنیفہ زندہ ہوتے اور ان کے سامنے یہ دلائل ہوتے تو وہ اپنے مسلک سے میری طرح رجوع کر لیتے۔ ان آئمہ کی بے تعصبی اور حق پرستی کا یہ حل تھا کہ وہ کبھی اپنے قول کی تصحیح نہ کرتے اور جب کسی معاملہ میں انہیں اپنی غلطی معلوم ہو جاتی تو وہ اسے چھوڑ کر اس راہ کو اختیار کر لیتے جس کی عقل و نقل سے دلیل مل جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سلف میں مقلد کو عالم کہنے کا رواج نہ تھا۔ ابن البر اور ابن قیم دونوں نے اس پر بحث کی ہے۔ علامہ ابن قیم کے الفاظ یہ ہیں:

ولا خلاف بین الناس ان
التقليد ليس لعلمه وان المقلد
لا يطلق عليه اسم عالم۔

اس بات میں کہ تقلید علم اور مقلد پر عالم کے لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(اعلام التوہین: ج ۱ ص ۱۷۱)

یہاں چونکہ تقلید کا اصطلاحی لفظ زیر بحث آ گیا ہے اسی لئے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے علماء نے تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن تقلید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی اپنے دل و دماغ کو بیکار بنانے اور ذہن و فکر پر تالا لگانے۔ دین کے معاملات میں جو تقلید کی جاتی ہے اسے اتباع کہا جاسکتا ہے اور وہ جائز بھی ہے، تقلید اتباع سے فرق ابو عبد اللہ بن خویزمنداد سے پوری منقول ہے۔

شریعت میں تقلید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی ایسی بات کو اختیار کر لیا جائے جس کی کوئی حجت اس کے کہنے والے کے پاس نہ ہو اور یہ شریعت میں ممنوع ہے اور اتباع اسے کہتے ہیں جس کے ثبوت میں دلیل ہو جو ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ اگر تم کسی شخص کی بات مان لگے جس کی قائل کس پاس کوئی دلیل ہو تو تم اس سے مقدمہ کھلاؤ گے اور دین الہی میں تقلید صحیح نہیں ہے لیکن جس شخص نے تم سے اپنی بات دلیل کے ساتھ منوائی تو تم اس کے متبع کہلاؤ گے اور اتباع دین میں جائز اور تقلید ممنوع ہے۔

التقليد معناه في الشرع الرجوع الى قول لاجحة لقائله عليه وذلك ممنوع منه في الشرعية والاتباع ما ثبتت عليه حجة وقال في موضع آخر من كتابه كل من اتبع قوله من غير ان يجب عليه قوله لوليل يوجب ذلك فانت مقدمه والتقليد في دين الله غير صحيح وكل من اوجب عليك اليل اتباع قوله فانت متبعه والاتباع في الدين سوع والتقليد ممنوع

دعایع ابن عبدالبر ۱۴۲

تقلید و اجتہاد کی فقہی بحث ہمارا موضوع نہیں لیکن اس قدر تفصیل اس لئے کی گئی ہے تاکہ یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اسلام انسان کو فکر و نظر کی آزادی کا عظیم حق بخشتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب میں اس حق کا کوئی احترام نہیں کیا گیا ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ آدمی اپنے دل و دماغ، عقل و فہم اور ذہن سے کام لے، انہیں سوچنے سمجھنے کا نادی بنائے، اور انہیں مغلوں اور بیکار بنانے سے احتراز کرے۔ (باقی)

عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ

عائلی مسائل مثلاً طلاق - تعدد ازواج وغیرہ پر مولانا امین احسن اصلاحی کی تحقیق اور معرکہ الاراء تصنیف - قیمت دو روپے پچیس پیسے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ - مکتبہ ہشتانی - رحمان پور - اچھرہ - لاہور - ۱۲

تہذیب مغرب کا ثمرہ کثرت طلاق

یہ بات کچھ دھکی چھپی نہیں کہ مشرقی روایات رکھنے والے مالک کی نسبت مغربی مالک میں طلاق زیادہ عام ہے۔ اسے دیکھ کر ایک خیال تو یہ ہوتا ہے کہ شاید مغربی مالک کی روایات ہی کا یہ ثمرہ ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ صرف مغربی مالک ہی نہیں بلکہ وہ مشرقی مالک بھی جہاں مغربی تہذیب کے اثرات شیعہ گئے ہیں کثرت طلاق کے مسئلہ سے دوچار ہیں، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب مغرب کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ کثرت طلاق بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اولہ امریکہ جہاں ایشیاء افریقہ برصغیر کے "ترقی یافتہ" مالک میں نکاح کے بندھنوں کا کوئی احترام باقی نہیں رہ گیا ہے۔

مغربی تہذیب کے یہ اثرات کیوں مرتب ہو رہے ہیں؟ "ترقی یافتہ" مالک کے مرد و زن صبر و ضبط کی نگاہوں سے کھوں نہیں دیکھتے؛ طلاق کی کثرت کے اسباب کیا ہیں؟ یہ اور اس طرح کے بیسار سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں، ان کا مٹوایہ جواب دیا جاتا ہے کہ مغربی تہذیب مرد و عورتوں کی مساوات کی طبع وادہ ہے۔ وہاں کی عورت آزاد ہے۔ وہ شوہر کی غلام نہیں، اسی لئے نکاح اسی وقت تک قائم رکھا جاتا ہے، جب تک میاں بیوی ایک دوسرے سے مطمئن ہوں۔ جب ایسا ختم ہو جاتا ہے تو رشتہ مناکحت بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

ان سوالوں کا یہ جواب اگرچہ صحیح ہے تاہم مکمل صورت حال کو نگاہوں کے سامنے نہیں لاتا۔ امریکہ کے بین الاقوامی رسالہ لائف میں کچھ عرصہ پیشتر ایک سلسلہ مضامین شائع ہوئے تھے جن میں مضمون نگار نے امریکہ میں اس مسئلہ کے قد و خال واضح کئے تھے۔ یہ مضمون بھی اگرچہ

کچھ زیادہ مشکل نہیں تاہم اس کے میں اسطرح سے کچھ اہم نکات تلاش کرنا مشکل نہیں۔
 امریکہ میں کثرت طلاق کی عیشی ماحول کے لیے لائف کے مضمونی نگار نے ایک ماہر
 شماریات ڈاکٹر جیک سن کا اندازہ یہ بتایا ہے کہ امریکہ میں ڈیڑھ کروڑ مرد و عورت طلاق یافتہ ہیں
 اور اٹھارہ برس سے کم عمر کے چالیس لاکھ بچے وہاں ایسے ہیں جن کے والدین ایک دوسرے سے
 جدا ہو گئے۔ ایک صدی پیشتر ۱۸۷۱ء میں امریکہ میں ساڑھے چھ ہزار طلاقیں ہوئیں۔ اس سے
 پچاس برس بعد ۱۹۱۱ء میں طلاقوں کی تعداد نو آئس ہزار تھی۔ ۱۹۶۱ء کے دوران ملک میں چار لاکھ
 طلاقیں واقع ہوئیں اور سالوں کے بارے میں ماہرین شماریات کی پیش گوئی یہ ہے کہ ہر چار برس
 سے ایک شادی کا خاتمہ طلاق کی شکل میں ہوگا۔ کثرت طلاق کا مسئلہ امریکہ میں اتنا پیچیدہ ہو گیا ہے
 کہ جو جگہ مشیران شادی کے دفاتر کھل رہے ہیں۔ اخباروں میں ناخوش خبروں کے نئے ہدایات
 ملکتی ہیں۔ عورت لاس اینجلس کی ٹیلیفون ڈائرکٹری میں دو صفحات اور تین کالم مشیران شادی کے
 اشتہارات کی نذر ہو جاتے ہیں۔

کثرت طلاق کا جہاں یہ عالم ہو وہاں رشتہ مناکحت کے احترام کا تصور کہاں باقی رہ سکتا
 ہے؟ اسی صورت حال کا ایک دلچسپ تجزیہ ایک ماہر عمرانیات نے فرمایا کیا کہ
 لوگ یہاں شادی شدہ ہیں۔ مگر وہ لازماً سال یا دو سال پیشتر کی بیویوں ہی کے
 شہرہ نہیں۔ کسی کسی میراثہ خیال ہوتا ہے کہ ہم کتنے کی جرات کریں یا نہ کریں بالیکسی
 حقیقت یہی ہے کہ ہمارے پوری قوم نے تجرباتی شادیوں کا نظام اپنایا ہے۔ مرد
 ایک عورت سے نکاح کرتے ہیں جب اس سے جی بھر جاتا ہے تو اسے طلاق دے
 کہ دوسری عورت سے شادی بچا لیتے ہیں۔

خود ماہرین عمرانیات کے درمیان کثرت طلاق کا سبب کی نشاندہی کیا ہے؟ ان کا نامہ اختلاف پھیلا رہا ہے
 یہاں فریڈرک لائونگس کے سامنے طلاق کے ساڑھے تین ہزار صفحات پیش ہوئے کی رائے میں پیشتر طلاق
 ان جملوں میں واقع ہوئی جن کی شادی کی ابتدا ہی ایسی تھی کہ اس کا مقصد سوائے طلاق کے
 کسی حصری شکل میں نہیں نکل سکتا تھا۔

حال کے عہدہ طلاق جوڑوں کو قتل از وقت شادی کے بندھن میں اس لئے آگیا کہ

کمیٹ شپ کے دھماکے میں لڑکی جلا کر چھوٹی تھی۔ ایسی شادیوں کے لئے قوانین ذہنی طور پر تیار نہ تھے چنانچہ اندماجی زندگی کی پریشانیوں پر عمل نہیں۔ تعلقات میں کشیدگی آئی اور بالآخر شہر نکاح کاٹ دیا گیا، ایک نارمن کی رائے میں اس کے علاوہ مالی مشکلات، کمزوری صحت اور شراب خوردی کی عادت طلاق کا باعث بنی۔

ایک ماہر عمرانیات جان تقاس نے ایسی شادیوں کا مطالعہ کیا جو بعض اتفاق یا مجبوری کے تحت نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ زوجین نے خوب غور و فکر اور رات دن کی دعاؤں کے بعد شادی کا قدم اٹھا یا تھا۔ یہ جوڑے جلد بازی میں الگ نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے طلاق کا حتمی فیصلہ کرنے میں کافی وقت لیا۔ ان طلاقوں کی لوبت مندرجہ ذیل درجہ کی بنا پر عمل میں آئی۔

کثرت شراب خوردی ۳۰ فی صد طلاقیں

زنا ۲۵ " " "

غیر ذمہ داری از رویہ ۱۲ " " "

اختلاف مزاج ۱۲ " " "

بعض لوگوں کے نزدیک کثرت طلاق کی ایک وجہ یہ ہے کہ طلاق بہت آسانی چیز بنادی گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ طلاق لینا یا دینا سخت محبوب سمجھا جاتا تھا اور جن لوگوں سے یہ جرم سرزد ہوتا تھا ان کے متعلق معاشرے میں سرگوشیاں ہوا کرتی تھیں۔ اب صورت یہ ہے کہ عورت خود کما سکتی ہے۔ طلاق کے بعد اس کی حیثیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر زوجین کے مذہبی یا اخلاقی نظریات اور بچوں کا مسئلہ مانع نہ ہو تو کوئی طاقت اب یہاں یہودی کو اکٹھے رہنے پر مجبور نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ خود اس طرح رہنے کے خواہشمند نہ ہوں۔

کثرت طلاق کے اسباب کے تعلق میں اختلاف کے باوجود ماہرین شہادت چاند باغی پر متفق ہیں۔ مثلاً یہ کہ امریکہ کی یہودی کمیونٹی ایک متحرک آبادی میں طلاق کے واقعات شاذ و نادر پیش آتے ہیں اس کا زیادہ تر شائبہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جو مذہب کو فرسودہ اور بے منفعت چیز سمجھتے ہیں۔ اس طرح شہری آبادی کی نسبت یہودی آبادی میں سوسائٹی کے مبادی کی وجہ سے طلاق کم ہوتی ہے۔

مذہبی یا فلاحی دینا کے اس مسئلہ کے اسباب میں جتنا کچھ اختلاف ہے اس کے باوجود اعداد

لگا کچھ کل نہیں کہ طلاق کی اس کثرت کچھ کچھ کو نسیم عوامی کہہ رہی ہیں۔ اصولی غور و فکر کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب میں اصولوں سے ترکیب پاتی ہے انہی کے برگ و بار میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔

یہ تہذیب مذہب کو ایک فرسودہ اور غیر عقلی چیز سمجھتی ہے اس کے نزدیک کسی آدمی کا مذہبی ہونا اس کی بیوقوفی یا کم از کم پست سمی اور بزدلی کی دلیل ہے۔ مذہب، خاندان اور سوسائٹی کی تفکیک میں یا اجتماعی مسائل میں کوئی خاص کردار ادا کر سکتا ہے، یہ تہذیب اس کی قائل نہیں یہی وجہ ہے کہ اس تہذیب نے اپنی معاشرت کو بالکل الگ اصولوں پر اٹھایا ہے اور قدہ قدہ طور پر یہاں تک وطلاق اور زہمی کے حقوق و فرائض کا تصور وہ نہیں سمجھو مذہب اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے۔ یہاں مرد و عورت دونوں کو اپنی مرضی کا کردار ادا کرنے کی اجازت ہوتی چاہیے۔ اگر اس پر کوئی قدہ من لگائی جائے تو وہ ایک دوسرے کو قابل قبول نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے جہاں آزادی بے اصولی کا نام ہو وہاں یہ مسائل اگر رفتہ رفتہ ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مذہب کا فرد اجتماع کے مفاد نے میں کتنا ہند ہے وہ مندرجہ بالا اس بیان سے واضح ہے کہ امریکہ کے یہودیوں اور کیتھولک عیسائیوں میں خاندان کا شیرازہ ابھی تک بکھر نہیں پایا۔ دوسری بنیادی چیز عورت کے مقام کا تعین ہے۔ لائف کے مصنفوں لگا نے انگریز مایلوڈ کے ایک ماہر عمرانیات کا ذکر کر کے پیش کر کا ایک تجزیہ یہاں کیا ہے۔ ان کے نزدیک امریکی عورت کے سامنے تین قسم کی بیوی بننے کے مواقع ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ گھریلو قسم کی عورت بن کے رہے اور یہ کہ اس کی حیثیت محض مرد کے گھریلو کی ہو، وہ اپنی جوانی حسن اور رعنائی کو قائم رکھ کر خاندان اور اس کے دوستوں کو خوش رکھنے کا سامان کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ حصہ دار بیوی بن کر رہے۔ یعنی وہ خود روزی کما کر اپنے اخراجات پورے کرے۔

خاندان کے ساتھ اس کا تعلق محض رفاقت کا ہو۔ اس تقسیم میں دوسری اور تیسری قسم کی عورت کا تعلق اپنے شوہر سے محض برائے نام ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی عورت دماغی اپنی شوہر کی ملازمہ ہوتی ہے۔ جب تک اس کا حسن اور رعنائی باقی رہے اس کی ملازمت کے امکانات ہیں اس حد تک ہوتے ہیں۔ تیسری قسم کی عورت اپنے اوپر کسی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتی اس لئے

معمولی سے معمولی اختلافات پر وہ اپنا رستہ بنتی ہے۔ صرف یہی قسم کی بیوی کی حیثیت ایسی ہے کہ نہ مرد اسے آسانی سے چھوڑ سکتا ہے اور نہ وہ خود ہی الگ ہونے میں اپنا مستقبل محفوظ پاسکتی ہے۔ اگرچہ پائیدار شادی کی قسم صحت سے بھی ہے۔ ایسا ہی ہے مضبوط موسمی ٹھیکیل پاسکتی ہے۔ تاہم امریکہ میں وہ ازدواجی نسوان کے فخر سے طرد کرنے والی خواتین اس حیثیت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ جو عورتیں اس طرح اپنی زندگی گزار رہی ہیں ان کا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں آتیں۔

ہمارے نزدیک عورت کو اس کے اصل منصب سے ہٹا کر اسے کیل فخریہ کے لئے بیوی بنانے میں زیادہ اس پرکھنے کی ذمہ داری ڈال دیتے ہیں وہ تمام مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں جن کا نتیجہ کثرتِ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے۔ چنانچہ لائف کے اسی شمارے میں با اولاد اور بے اولاد عورتوں کی طلاقوں کی نسبت ایک اور چاربتائی گئی ہے۔ اگرچہ اس کی مزید وضاحت نہیں کی گئی تاہم ہمارا خیال ہے کہ با اولاد عورتیں پہلی قسم سے متعلق رکھنے والی ہوں گی جبکہ بے اولاد سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کی شادی کا مقصد گھر گھریلو کی ذمہ داریاں ادا کرنا نہیں بلکہ مرد کا کھلونا یا ساتھی بن کر رہنا ہے۔

پھر مغربی تہذیب کے مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کے فلسفہ کے مفاسد کا ایک اندازہ اندازہ بلا مضنون سے ہو جاتا ہے۔ کورٹ شپ کے متعلق یہ دعویٰ ہے کہ شادی سے پہلے اس مرحلہ سے گزرنے کے بعد ہونے والے میاں بیوی ایک دوسرے کی طبیعتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر لیتے ہیں اور اس کے بعد جو شادیاں ہوتی ہیں وہ زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ لیکن تجربے نے یہ بتایا ہے کہ کورٹ شپ سے اپنے ساتھی کے بارے میں اندازہ غلط ہونے کے امکانات بزرگانِ خاندان کے فیصلہ کی نسبت بے حد زیادہ ہیں۔ اگر کورٹ شپ پائیدار نکاحوں کے وجود میں لانے کا کوئی ذریعہ ہوتا تو امریکہ میں طلاق کی یہ کثرت ہرگز نہ ہوتی۔ کورٹ شپ کا نظریہ غلط ہے اگرچہ یہ ہے کہ کورٹ شپ کرنے والے زن و شو کے تعلقات اس عرصہ میں قائم نہ کریں لیکن اعلیٰ طور پر اس کے نقصان پرورے کرنا ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں انسانی غلطی کو نظر انداز کر کے بعض اصول کا سہارا لینا بڑی حماقت ہے۔

نہ کہ وہ بالامقصد دوسرے ذرائع کو ایک ایک نقصان بھی واضح کر رہے ہیں جس کی

طرف عام طور پر لوگوں کی توجہ نہیں ہے۔ مغرب زدہ طبقہ کی نظر میں اصل قدر و قیمت تو مغرب کے طور طریقہ کی ہوتی ہے۔ وہ اسلام کی ہر بات میں بین یغ نکالتے ہیں۔ اسلام نے شراب نوشی سے منع کیا ہے۔ ہمارے مغرب زدہ طبقہ کے نزدیک شراب نوشی کے اجتماعی نقصانات تو سرے سے ہیں ہی نہیں، اس کا اثر محض فرد پر پڑتا ہے اور یہ بھی عموماً اچھا ہی ہوتا ہے کیونکہ آدمی کی صحت کے لئے شراب نوشی مفید ہے اور نشہ کی حالت میں آدمی کی قوت کار بڑھ جاتی ہے لیکن طلاق کے اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ تقریباً ایک تہائی طلاقیں محض شراب کے بے اثرات کے تحت وارد ہوتی ہیں۔ گویا شراب سے فرد کی قوت کار میں وقتی طور پر چاہے کتنا ہی اضافہ ہو جاتا ہو لیکن دوسرے اجتماعی مفاسد سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف خاندان کے دائرے میں اس کے بے اثرات محدود و وسیع ہیں۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سوسائٹی کا نظم زیادہ اہم ہے یا افراد کی وقتی لذت کا اہتمام؟ گراؤں کے ذکر چیز زیادہ اہمیت کی حامل ہے تو شراب نوشی کے قصیدے پڑھنے کے کیا معنی؟ مغربی ممالک میں کثرت طلاق کا مسئلہ مد درجہ پریشان کن ہے۔ اس کی حیثیت سوسائٹی کے ایک ناسور کی ہو گئی ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ بعض ایسے ممالک جہاں کی روایات اس ربا کو قبول کرنے کے خلاف تھیں، محض تغلید مغرب کے شوق میں کثرت طلاق کو بھی ملک میں رائج کر رہے ہیں۔ چنانچہ مصر میں اس کا وہی عالم ہے جو امریکہ میں ہے۔ لائف کے مضمون نگار نے یہ دیکھ کر بہت اچھی چوٹ کی ہے کہ لوگوں نے امریکہ کے کوکا کولا، دیاں کی گاڑیوں، لی ڈی ڈی فلموں کو درآ کر کیا ہے تو یہاں کے کثرت طلاق کے مسئلہ کو بھی انہوں نے امریکہ سے برآمدی مال کا درجہ دے دیا ہے۔ معلوم نہیں ترقی پسند لوگوں کو مغرب کی ان اقدار کی غالی کیوں سوچتی ہے جن کے مفاسد سے خود اہل مغرب پناہ مانگتے ہیں؟

نبی کا فیضانِ نظر

(مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ایک عربی مضمون سے ترجمہ)

درِ گاہِ نبوی میں جن لوگوں نے تربیتِ حاصل کی یا وہاں کے شاگردوں میں سے تھے وہ اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے کہ نکرِ آخرت ان پر غالب تھی۔ یہ ان کے اندر اسی طرح جاری و ساری تھی جس طرح روح اور خون جاری ہوتے ہیں۔ ان کے ربوبیوں میں اس کا اثر اتنا تھا کہ نہ وہ آخرت کو کبھی بھولتے، نہ اس کا بدل چاہتے اور نہ اس پر کسی دوسری چیز کو ترجیح دیتے۔ اگر آپ درِ گاہِ نبوی کے شاگردوں کے اس غالب جذبہ کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو اس کے لئے حضرت علیؑ کے اوصاف پر ایک نگاہ ڈالنا کافی ہوگا۔ اسی سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ درسِ گاہِ نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نتیجہ میں کس قسم کے انسان تیار ہوئے۔

ابوعلیٰ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ نے ضرار بن عمروؓ سے کہا: "میرے سامنے حضرت علیؑ کے اوصاف بیان کیجئے۔"

ضرار نے کہا: "آپ مجھے اس سے معاف ہی رکھئے۔"

معاویہ نے مزید امر کیا: "ہنیں آپ ضرور بیان کریں۔"

وہ کہنے لگے: "کیا آپ مجھے اس سے معاف نہیں رکھیں گے؟"

معاویہ نے جواب دیا: "ہرگز نہیں میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔"

اس پر ضرار نے بیان کیا: "خدا کی قسم حضرت علیؑ نہایت بلند نظر اور مضبوط آدمی تھے۔ بات

صاف صاف کرتے تھے اور فیصلہ عدل و انصاف سے کرتے تھے۔ آپ کے پہلوؤں سے علم چھوٹتا

تھا آپ ہر لحاظ سے یکہذات کرتے تھے۔ دنیا اور اس کی چمک دمک سے آپ کو نفرت تھی
گمراہات اور اس کے اندھیرے سے آپ کو انس تھا۔ خدا کی قسم آپ خدا کے خوف سے بہت
رہنے والے اور گہری سوچ بچار میں پڑنے والے تھے۔ آپ اپنی پھیلی کواٹ کرتے اور اپنے نفس
کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ آپ کو لباس وہ پسند تھا جو موٹا جھوٹا ہو اور کھانا وہ پسند تھا جو معمولی ہو۔
اللہ کی قسم وہ ہماری ہی طرح تھے۔ جب ہم آپ سے کچھ پوچھتے، آپ اس کا جواب دیتے۔ جب
ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے، آپ ہمارا استقبال کرتے۔ جب ہم آپ کو بلاتے، آپ بلا تکلف
تشریف لے آتے۔ آپ کی اس بے تکلفی اور قرب کے باوجود ہمارا حال یہ تھا کہ ہم نہ ان کی بعیت
کی وجہ سے بات کر سکتے تھے اور نہ ان کی عظمت کی وجہ سے ان کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ آپ
جب جہنم فرماتے تو آپ کے دانت ایسے معلوم ہوتے جیسے ایک لڑی میں پروٹے ہوئے موتی ہو جائیں
اہلِ دین کی آپ عزت کرتے۔ مسکین سے آپ کو محبت تھی۔ نہ کوئی با اثر آدمی آپ سے کسی
باطل میں تعاون کی امید رکھتا تھا اور نہ کوئی بے اثر آدمی آپ کے بدلے سے بایز ہوتا تھا۔ میں
خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کو عبادت میں مصروف دیکھا۔ اس وقت آپ
نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے اور تارے ڈھل گئے تھے۔ آپ اپنی جائے نماز میں اپنی
ڈاڑھی پٹے ہوئے کھڑے تھے۔ آپ اس طرح پہلو بدل رہے تھے جیسے کسی تختہ نے کاٹ
لیا ہو۔ اس شدت کا گریہ طاری تھا جیسے کوئی بہت ہی غمزہ آدمی رو رہا تھا۔ میں ابھی تک
گویا انہیں یہ کہتے سن رہا ہوں : اے دنیا ! کیا تو میرے پیچھے چڑ گئی ہے یا تجھے مجھ سے محبت
ہو گئی ہے ؟ دفع ہو جا۔ کسی دوسرے کو جا کر دھوکا دے۔ میں تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں۔ اب
میں تیری طرف رجعت نہیں کروں گا۔ تیری عمر مختصر اور تیری زندگی حقیر ہے۔ لیکن تیرے ساتھ
جو خطرہ وابستہ ہے وہ بہت بڑا ہے۔ ہائے افسوس ! زادِ راہ کم، سفرِ لبِ اہ اور رستہ دشمنانک ہے۔
ایک دوسری مثال یہ ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے صحابی کا خطبہ ہے جنہیں
اسلامی حکومت کے ایک بڑے دارالخلافہ کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔

خالد بن عمر العدوی سے روایت ہے : وہ تیسرے ہیں کہ ابوہریرہ کے امیر عقبہ بن عمرو ان سے
ایک مرتبہ یہی خطبہ دیا۔ آپ نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

دنیا نے منہ پھیر لیا ہے اور گنہگار جا رہی ہے۔ اب اس کا اسی قدر حصہ باقی رہ گیا ہے جتنا کوئی آدمی برتن سے صاف پانی پکر کھاتا چھوڑ دیتا ہے۔ بلاشبہ تم لوگ دنیا کو چھوڑ کر ایک ایسے گھر کو جانے والے ہو جسے زوال ہرگز نہیں۔ لہذا تم وہاں جاؤ تو اچھا تو شرے کے گرد و کبر کو کہہ رہے ہیں بتایا گیا ہے کہ ایک پتھر حبیب دوزخ کے کنارے سے گرایا جائے گا تو وہ ستر سال ہی نہیں اس کی تہ کو نہ پاسکے گا۔ اس کے باوجود، خدا کی قسم، دوزخ بھر دی جائے گی۔ کیا تمہیں یمن کے قریب ہوتا ہے، تو لاؤ اور سنو۔ یہیں بتایا گیا ہے کہ جنت کے دو پہاڑوں کے درمیان فاصلہ پچیس سال کی مسافت کا ہوگا لیکن اس کے لیے بھی ایک دن ایسا ہے کہ گاہک وہاں کھسکے گا چلتا ہوگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اپنا وہ دن بھی ہے جب ہم سات آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ہمارے پاس دھن کے پتوں کے علاوہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ پتے کھا کر مارے جڑے زخمی ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ مجھے ایک چلوہ جھتے میں ملی تو میں نے اس کے دو ٹکڑے کئے ایک ٹکڑا میں نے اپنے لئے رکھا اور دوسرا سعید بن جبک کو دیا۔ ان کو لوہے سے ہم نے اپنے ازار بنائے۔ خدا کی قسم آج ہم میں ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا مالک ہے۔ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ خود اپنی نظروں میں تو میں بہت بڑا ہوں لیکن خدا کے ہاں مجھے چھوٹا سمجھا جائے جب کبھی کوئی نبوت ختم ہوئی ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو گیت کا دور شروع ہو جاتا رہا ہے۔ ہمارے بعد تم لوگ بھی امراء کا تجربہ کر کے : (السلطان)

مولانا امین اسحاق اصلاحی کی معرکہ الآراء تصنیف

تزکیہ نفس

اسلامی تصوف یا

اسلام کے علم پر تزکیہ علم و عمل کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا ضروری مطالعہ فرمائیے۔
 قیمت : - قسم اول - چھ روپے قسم دوم - چار روپے قسم تیس - تین روپے
 (موصول ہو کر) (موصول ہو کر) (موصول ہو کر)

علاقہ کا پتہ: مکتبہ عیشاق - رحمان پورہ - لاہور - ۱۹۸۰ء

دیکھو کہ اس کتاب کے دو نسخے بھیجے جائیں۔ احادیث ان کتابوں پر تبصرہ کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھنا جن کا صرف ایک نسخہ وصول ہوگا

تزکیہ نفس مکمل دونوں حصے

تالیف: مولانا امین امین اصلاحی

صفحات ۳۴۴ قیمت: ۱۔ قسم اول چھ روپے۔ قسم دوم: ۱۔ ساڑھے چار روپے ناشر: ملک برادرزادہ کارخانہ پائدار۔ لاہل پورہ

دین کے نظام میں تزکیہ نفس کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ دوسرے علمی دلائل سے قطع نظر اسی حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے اس کی خاطر تصوف کے نام سے ایک مستقل نظام قائم کر لیا۔ تزکیہ نفس کی غیر معمولی اہمیت ہی کی بدولت اس نظام کی جڑیں مسلمان معاشرے میں اتنی گہری ہو گئیں کہ صدیوں کے بعد بھی یہ اپنے وجود کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ لیکن تزکیہ نفس کا مفہوم کیا ہے اور اس کے حدود و کار کیا ہیں؟ اس سوال کے جواب میں ہمیشہ افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ اس مسئلہ پر صحیح دینی نقطہ نظر پیش کرنے والی کتابیں اگرچہ ناپید نہیں لیکن بہت کم ہیں اور ہمارے زمانے میں زیر نظر تالیف کے علاوہ کوئی کتاب اس موضوع پر نہیں ملے گی۔

اس کتاب کے لکھنے سے محرم مؤلف مدظلہ کے سامنے جو مقصد تھا ہے وہ انہی کے الفاظ میں اس طرح بیان ہوا ہے:

”میں نے اس کتاب میں ان لوگوں کی رہنمائی کرنے کی کوشش کی ہے

جو اپنے نفس کی اصلاح و تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے تزکیہ نفس کے

اصول و مبادی انشاء اللہ سامنے آجائیں گے جو کتاب دست میں بیان ہوئے
ہیں اور مکتبہ ہی نہایت غلط نمیاں رفع ہو جائیں گی جو غلط قسم کے نفوس کی راہ

سے ہمارے اندر پھیلی ہیں۔

اس کتاب کا اسلوب تمام تر علمی ہے۔ اس کے صفحہ صفحہ سے دین کی عبادات اور
تعلیمات کی حکمت واضح ہوتی ہے۔ غور و فکر کے ساتھ اس کتاب کو پڑھنے والا قدم قدم
پر یہ محسوس کرتا ہے کہ صاحب کتاب نے ایک بڑی حقیقت کی پرہیزگشتائی کی ہے۔ شاید
یہی وجہ ہے کہ مولف محترم مدظلہ نے کتاب کا علمی پایہ اس کے دیباچہ میں یہیں لفظ
پیش فرمایا ہے۔

”فکری اعتبار سے یہ کتاب میرے دینی فکر کا بُت بُاب ہے۔ برسوں کے فکر و تامل
سے دین و شریعت کی جو درج میری سمجھ میں آئی ہے اس کا ایک حصہ میں نے اولاد
میں الفاظ کے جام میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔“

جب تذکرہ نفس کا لفظ سامنے آتا ہے۔ تو خیال ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اس طرح کی
سعادت باقی درج ہوں گی جن طرح کی باتیں صوفیاء کے ہاں بتائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کتاب
میں تذکرہ نفس کا مفہم بہت وسیع ہے۔ اس سے علم و عمل دونوں کا تذکرہ مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ
اس کے دیباچہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

”اس کتاب میں ایک خاص چیز جو ہر پڑھنے والا پہلی ہی نظر میں محسوس کرے
۱ وہ ہے کہ میں نے تذکرہ کو زندگی کے تمام اطراف پر عادی کر دیا ہے۔ نفوس میں
تذکرہ زندگی کے ایک نہایت محدود گوشہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن کتاب دست میں جس
تذکرہ کا بیان ہے وہ ہماری زندگی کے ہر گوشہ سے بحث کرتا ہے۔ اس سے تیری مراد
صرف انفرادی زندگی ہی کا ہر گوشہ نہیں ہے بلکہ اجتماعی زندگی کا بھی ہر گوشہ ہے۔
تذکرہ نفس کے اس تصور کے تحت زیر نظر کتاب کے مباحث کی وسعت کا اندازہ
اس کے چند اہم عنوانات سے ہو سکتا ہے جو یہ ہیں۔“

۱۔ میں تذکرہ نفس کی اہمیت اور اس کی عملی ضرورت۔ — تذکرہ کا مفہم مفہوم

اس کا مقصد لہذا اس کی دست — تزکیہ علم — خدا کی معرفت کے بارہ میں صحیح مسلک
تدبیر قرآنی — اسوہ حسنہ — منصب رسالت سے متعلق چار بنیادی غلط فہمیاں — نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت — حجابات علم — آفات علم — اہل کا
علاج — تزکیہ عمل — قازن — الخاق — روزہ، حج کی برکات اور آفات،
آفات کا علاج — گویا اس کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مکرر نظر اور عمل سے تعلق رکھنے والی
بیماریوں کی نشاندہی ہوتی ہے بلکہ ان بیماریوں کی بیخ کنی کے طریقے بھی معلوم ہوتے ہیں اس طرح
آدمی نہ صرف اس کتاب کی روشنی میں اپنے علم و عمل کا محاسبہ کر سکتا ہے بلکہ ان کی صحیح تربیت کی
راہیں بھی متعین کر سکتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے سیدہ مفید ہے۔ یہ کتاب جلد
پہنچے۔ اور ناشر کے علاوہ مکتبہ میثاق رحمان پورہ اچھرہ لاہور سے بھی مل سکتی ہے (رخ م)

ISLAM AND THE WORLD

تالیف : مولانا ابوالحسن علی ندوی

ترجمہ : ڈاکٹر محمد آصف قدوائی

صفحات : ۱۹۴ — قیمت چار روپے

طے کا پتہ :۔ القادر ناشرین کتب اسلامی ام ایمریس روڈ لاہور ۵
مسلمانوں کا عروج و زوال اور دنیا پر اس کے اثرات کے موضوع پر عزم مصنف کی
یہ کتاب علمی حلقوں میں جانی پہچانی ہے۔ اس کے عربی اور اردو ایڈیشن کئی سال پہلے چھپ چکے
ہیں۔ اب اس کا انگریزی ترجمہ اسلام اینڈ وی ورلڈ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر
قدوائی صاحب کی عنایت کا نتیجہ ہے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے بڑی سلاست اور روانی کے
ساتھ اسے نبھایا ہے۔ زبان کی خوبصورتی اور اثر انگیزی دونوں اس میں پائی جاتی ہیں۔
اس کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل
کی دنیا کے مذہبی، فکری، سیاسی اور اقتصادی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ
اس وقت آسمانی ہدایت کے لئے دنیا کس قیدی سیاسی مٹی میں اس پیاس کو بھلنے میں انحصار
مکمل اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ہی طرح کا میاب رہی۔ بعثت کے تذکرہ کے بعد غیر امت کے

مذہب کا پھر ردل کے وہ اثرات جیسے کہ جو دوسری قوموں پر مرتب ہوئے مسلمانوں کے درمیان کچھ تہذیب مغرب کو پہلے پہنچنے کا موقع ملا۔ چنانچہ محرم مصنف نے تہذیب کی ماہیت اور انسانیت پر اس کے اثرات کا بھی تفصیل سے جائزہ دیا ہے۔ اس جائزہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ دنیا کسی بے خدا نظام سے نہیں بلکہ صرف اسلام سے ملنے ہو سکتی ہے۔ یہ تمام عظیم بڑی عدلی، مصلحت افزا اور اثر آفرین ہیں۔ محرم مصنف نے دوسرے اہل قلم کے حوالے بھی کثرت سے دیئے ہیں۔

انسانی کردار پر اسلام کے اثرات دکھانے کے لیے چند مسلمانوں کی عملی زندگی کی جو شاہد دی گئی ہیں وہ بڑی مؤثر اور مادہ سستی کے اس دور کے خود غرض انسانوں کے لئے بڑی سبق آموز ہیں۔

کتاب کے آخری باب میں دنیا کی مشکلات کا حل مسلمانوں کی نشا و ثانیہ کو بتایا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں مسلمانوں کے طرز عمل کی بنا صحت کی اس سے زیادہ ضرورت تھی۔ جتنی محرم مصنف نے کی ہے۔ یہ باب مسلمانوں کی گراں خرابی کے لئے صدائے کوس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں جس قدر تفصیل سے کام لیا جاتا ہے اچھا ہوتا۔

محرم مصنف نے مسلمانوں کے دورِ انحطاط کی جو تصویر پیش کی ہے، اس سے تبصرہ نگار کو قہوراً سا اختلاف ہے۔ مصنف محرم نے خلافت راشدہ کے خاتمہ کے فوراً بعد اسلام اور اسلامی حکومت کی جو حالت زار پیش کی ہے، امر واقعہ شاید یہ نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں اسلام نے ان تمام نظامائے زندگی کی نسبت جو دنیا میں رائج ہو سکے ہیں، اجتماع پر سب سے زیادہ پاییدار اثر ڈالا اور صحابہ کے بعد کئی نسلیں ملک معاش پر اسلام کے اثر کی بدولت نجات کو کھلم کھلا دریافت پھیلانے کی تدبیر جماعت نہیں ہوئی۔ محرم مصنف نے حکومتوں کے خلاف حق پسند علماء کی جنادوں کا جو تذکرہ کیا ہے، ہمارے نزدیک اس میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے۔ یہ لوگوں نے تمام حکومتوں کے خلاف مسلح بغاوتیں کی ہیں کوئی پرکھنے کے بعد اس کی اصل کو حق بجانب ٹھہرانا ممکن نہیں۔ اس ضمن میں یہ مشاہدہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جو لوگوں نے ان لوگوں کے ہم پیش کرتے جو اتحاد کے عظیم کام سے روکتے

بجائے بات اس حد تک درست ہے مگر علمائے حق نے دین کو زندہ رکھنے کے لئے
 ہی کرائیاں کیں، انہوں نے علمائے وقت پر بے پائند تنقید کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اس
 سلسلہ میں انہوں نے ایسی شاندار روایات قائم کی ہیں کہ امت کبھی ان کے احسان فراموش نہ کر سکے گی۔
 مگر ہمارے زمانہ کی بدقسمتی ہے کہ بعض لوگ ان ہندوؤں کی اشاعت علم و فن کی کوششوں کی تہ میں بھی سیاسی
 اختلافات کے محرکات ثابت کرنے کے واسطے ہیں۔

انگریزی ایڈیشن کی اس اشاعت نے ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ کتاب غیر مسلموں
 کو اسلام سے دوستانہ کرنے کے لئے مفید و مسالحتی کو ان کی کوتاہیوں کا احساس دلانے کیلئے بہت مفید ہے۔
 ترجمہ میں دو تین جگہ فاضل مترجم کی فروگزاشت کی وجہ سے محرم مصنف کا نقطہ نظر سمجھنے
 میں مشکل پیش آتی ہے۔ ان مقامات کی طرف دوسرے اہل علم اشارہ کر چکے ہیں۔ (خ۔ م)

جارحانہ فرقہ پرستی • فسادات حلیپور و ساگر

ترتیب: ۱۔ ابراہیم وحید حیدر آبادی

ملنے کا پتہ: مکتبہ الہلال مسجد عبداللہ آباد نیر دھارا یا مکتبہ چراغ راہ۔ اشرفیہ بٹورہ گراچی
 یہ دونوں کتابیں جن کی ضخامت علی الترتیب ۱۲۴ اور ۲۰۷ صفحات اور قیمت اڑھائی روپے
 اور دو روپے ہے، ان فسادات کی روداد پر مشتمل ہیں جو پچھلے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں جبل پور و ساگر
 علی گڑھ، میرٹھ، ہاپور وغیرہ میں ہوئے اور جن میں ملک کی اکثریت نے ایک لگے بندھے منصوبہ کے
 تحت سہماں اطمینان کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔ ان کتابوں کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ پڑھنے
 والے کے سامنے فسادات کے تفصیلی واقعات کی مختلف رپورٹیں بھی آجائیں اور ملک کے اکابرین
 حکومت، پارلیمنٹ اور صحافت سب کا ردِ عمل بھی معلوم ہو جائے۔ اس طرح ان فسادات کو مختلف
 زاویوں سے دیکھنے کا مواد ان مختصر کتابوں میں مل جائے گا۔ یہ کتابیں اگر بحارت کے سہانوں میں
 ایسے حالات کے حیات مندانہ مقابلہ کا ردِ عمل پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہمارے خیال میں ایک
 نیکر حساب سے یہاں سے پورا ہوگا۔

قادات جبل پند بنگر پر اسی نوعیت کی انگریزی کتاب THE HOLOCAUST
OF JABALPUR AND SAO مرتبہ حکیم محمد حسن بھی مذکورہ بالا پتے سے مل سکتی
راس کی قیمت سوارو پیسے۔

اعجاز القرآن

تصنیف محمد افضل شریف

مختمت :- ۱۰۴ صفحات قیمت :- حسب استطاعت

ملنے کا پتہ :- محمد افضل شریف ۵۴ اپنشن لین۔ یو این پی۔ حیدر آباد دکن (انڈیا)

اس کتاب کی تصنیف کا مقصد قرآن مجید کی عظمت و شان بیان کرنا ہے۔ اس کے اہم تر
دو میں۔ ایک مذہب عالم کی اہم کتابوں میں نزول قرآن مجید کی پیشین گویاں اور دو
لی خصوصیات۔ اول الذکر باب میں مصنف نے مشہور مذہبی کتابوں کے بے شمار حوا
مکر یہ ثابت کی ہے کہ یہ تمام کتابیں خدا کی آخری کتاب کی نوید بنا آئی ہیں۔ کتا
بیں سے اچھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ثانی الذکر باب میں قرآن مجید کی جو خصوصیا
تیں گئی ہیں ان میں دلچسپ نکات تو کافی ملتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اس طرز
ت کی نہ کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ ان سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ
ن کے الفاظ کی کھینچ تان کر کے ہم قرآن مجید سے علم حساب، علم الجبر، علم جیومیٹری وغیرہ
ثابت بھی کر لیں گے اس میں قرآن مجید کی خدمت کا کون سا پہلو پیدا ہوتا ہے۔ قرآ
ت کا خود غور کرنے ہی نہیں کرنا اس کے اثبات کے لئے آیات کی کھینچ تان کا
ان میں خود ساختہ قسم کا اعجاز ثابت کرنا ہمارے نزدیک دانش مندی کی بات ہے
کتاب کی باقی تمام بحثوں کی افادیت اور ان کا باہمی ربط و تصور نگار کی نگاہ میں نہیں
میں اعجاز قرآن کے موضوع سے کس طرح متعلق ہیں؟ یہ جاننے کے لئے قارئین کو کتاب
ت کی طرف رجوع کرنا پڑے۔

